Scanned by iqbalmt

آج کے سائنسی دور میں اس عمل کو برین واشنگ کہتے ہیں لیکن آج کی سائنس دل و دماغ پر وہ اثرات پیدا نہیں کر سکتی جو حسن بن صباح نے اُس دور میں پیدا کئے تھے۔ یہ ساری کرشمہ سازی حشیش کی تھی۔

پہلے تو تمام امراء اور علماء نے اپنے ساتھ محافظ رکھنے شروع کئے تھے لیکن جب باطنیوں کی قتل و غارت گری بڑھی تو امراء، وزراء اور سالاروں وغیرہ نے کپڑوں کے اندر زرہ پہننی شروع کر دی۔ یہ حفاظتی اقدام ایک ضرورت بن گیا اور پھر اس نے ایک رواج کی صورت اختیار کر لی۔ عام لوگ بھی کپڑوں کے نیچے زرہیں پہننے لگے تاکہ خنجر یا تیر جسم تک نہ پہنچ سکے۔ ہزارہا باطنی قتل کئے جا چکے تھے لیکن مسلمان پہلے کی طرح قتل ہو رہے تھے۔

رے کا شہر بچا ہوا تھا۔ ایک روز حجاج کا ایک قافلہ رے میں داخل ہوا۔ وہ لوگ حج کا فریضہ ادا کر کے واپس آ رہے تھے۔ اس میں کئی ملکوں کے حجاج تھے۔ اس قافلے میں ہندوستان کے مسلمان بھی تھے۔ یہ قافلہ یوں لگتا تھا جیسے ماتمی جلوس ہو۔ ان میں بیشتر لوگ آہ و فریاد کر رہے تھے اور بہت سے ایسے تھے جن کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ رے سے تھوڑی ہی دُور ان کا قافلہ لُوٹ لیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ قافلے پر حملہ کرنے اور لوٹنے والے باطنی تھے۔ امیر شہر نے اُسی وقت اپنی فوج اُس طرف روانہ کر دی جس طرف سے یہ قافلہ آ رہا تھا لیکن سات آٹھ دنوں بعد فوج واپس آ گئی اور پتہ چلا کہ ڈاکوؤں کا کہیں بھی سراغ نہیں ملا اور جس جگہ قافلے کو لُوٹا گیا تھا وہاں بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور ان لاشوں کو جنگل کے درندے اور گِدھ کھا رہے تھے۔

ڈیڑھ دو مہینے گزرے تو ایک اور قافلہ رے میں داخل ہوا اور پتہ چلا کہ اس قافلے کو بھی باطنیوں نے لُوٹ لیا ہے۔ اس قافلے میں تاجروں کی تعداد زیادہ تھی اور چند ایک کنبے بھی اس قافلے کے ساتھ جا رہے تھے جن میں کم عمر اور جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ باطنی انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے.... مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا تھا کہ قافلے کے لُٹنے کی اطلاع شہر میں اُس وقت پہنچتی تھی جب لٹیرے اپنا کام کر کے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاتے تھے۔ وہ سب گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے۔

امیرِ شہر نے ان رہزنوں کو پکڑنے کا ایک بندوبست کیا۔ تقریباً ایک مہینے بعد رے

سے خاصی دُور ایک قافلہ جا رہا تھا۔ اس قافلے میں پیدل چلنے والے لوگ بھی تھے اور اونٹوں پر سوار بھی اور گھوڑوں پر بھی کئی لوگ سوار تھے۔ قافلے کے ساتھ گھوڑا گاڑیاں اور بیل گاڑیاں بھی بے شمار تھیں جن پر سامان لدا ہُوا تھا اور اس سامان کے اُوپر ترپال ڈالے ہوئے تھے۔ یہ گاڑیاں خاصی زیادہ تعداد میں تھیں جنہیں دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ یہ تاجروں کا قافلہ ہے اور بے انداز سامان جا رہا ہے۔ یہ تو ایک خزانہ تھا جو جس منڈی میں لے جایا جاتا وہاں سے سونے اور چاندی کے سکے تھیلیاں بھر بھر کر حاصل کئے جا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اس قافلے میں نوجوان لڑکیاں بھی تھیں جو اونٹوں پر سوار تھیں۔ لٹیروں کے لئے یہ بڑا ہی موٹا شکار تھا۔

قافلے والوں نے چلنے سے پہلے کوئی احتیاط نہیں کی تھی۔ سب سے بڑی احتیاط یہ کی جاتی تھی کہ پتہ ہی نہیں چلنے دیا جاتا تھا کہ قافلہ آگرہ کسی شہر میں رکا ہے تو وہاں سے کب چلے گا لیکن اس قافلے میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اجنبیوں کو بھی بتا دیا کہ وہ فلاں دن اور فلاں وقت روانہ ہوں گے۔ قافلہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا کچھ اور تاجر اس میں شامل ہوتے گئے اور ان کی بیل گاڑیاں بھی تھیں جو سامان سے لدی ہوئی تھیں۔

قافلہ رے سے سولہ سترہ میل دُور پہنچا۔ وہ اُس علاقے میں داخل ہو گیا تھا جو لٹیروں اور راہزنوں کے لئے نہایت ہی موزوں تھا۔ اس علاقے میں چٹانیں اور کچھ کم بلند پہاڑیاں تھیں جن کے درمیان کشادہ جگہیں تھیں اور اس علاقے میں درختوں کی بہتات تھی۔ قافلے عموماً پہاڑیوں کے درمیان اس خیال سے پڑاؤ کیا کرتے تھے کہ ایسی جگہ محفوظ ہوتی ہے لیکن یہ ان کی کم فہمی تھی۔ قافلے لوٹنے والے ایسی ہی جگہوں کو پسند کیا کرتے تھے۔ وہ دو پہاڑیوں کے درمیان رُکے ہوئے قافلے کو آگے اور پیچھے سے روک لیتے تھے۔ قافلے میں سے کوئی شخص اِدھر اُدھر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ ہر ایک آدمی کی تلاشی لے سکتے تھے۔

یہ قافلہ جو تعداد کے لحاظ سے بھی بڑا تھا اور مال و اسباب کے لحاظ سے بھی قیمتی اور پھر اس میں اونٹ اور گھوڑے بھی زیادہ تھے، اس لئے بھی یہ قافلہ قیمتی تھا یہ کیوں نہ لُوٹا جاتا۔ قافلہ جب اس علاقے میں داخل ہُوا جو لٹیروں کے لئے موزوں تھا، اُس وقت آدھا دن گزر گیا تھا۔ عام خیال یہ تھا کہ قافلے رات کو اُس وقت لُوٹے جاتے ہیں جب یہ کسی پڑاؤ میں ہوتے ہیں لیکن اس قافلے کے ساتھ یوں ہُوا کہ اچانک سامنے سے بھی اور پیچھے

Scanned by iqbalmt

سے بھی بے انداز گھوڑ سوار نمودار ہوئے اور انہوں نے قافلے کو گھیر لیا۔

لٹیرے جانتے تھے کہ قافلے والے اپنے دفاع میں کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر قافلے کے ہر فرد کے پاس ہتھیار ہوتے تو بھی وہ لوگ لڑنے سے گھبراتے تھے کیونکہ لڑنے کی صورت میں لٹیرے انہیں قتل کر دیتے تھے۔ جان بڑی عزیز ہوتی ہے۔ ہر فرد کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ اپنا سب کچھ لٹیروں کے حوالے کر دے اور اپنی اور اپنے بچوں کی جانیں اور اپنی عورتوں کی عزتیں بچا لے۔

"اگر اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو تو غور سے سن لو" — لٹیروں کی طرف سے اعلان ہوا — "اپنے مال و اسباب کو اور اپنے جانوروں کو چھوڑ کر تمام لوگ ایک طرف ہٹ جاؤ اور تم لوگوں کے پاس جتنی رقم، سونا اور چاندی ہے، وہ ایک جگہ ڈھیر کر دو۔ اگر ہماری بات نہیں مانو گے تو تمہاری لاشیں یہاں پڑی ہوئی ہوں گی"۔

قافلے والوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور وہ دو حصوں میں تقسیم ہو کر الگ الگ کھڑے ہو گئے۔ لٹیروں نے انہیں اور پیچھے ہٹا دیا۔ وہ اتنے پیچھے ہٹ گئے کہ پہاڑیوں کے دامن میں جا پہنچے.... آدھے اِدھر اور آدھے اُدھر۔ لٹیرے جو سب کے سب گھوڑ سوار تھے مال و اسباب اکٹھا کرنے کے لئے آگے آ گئے۔ ان کی تعداد قافلے کی تعداد کے تقریباً نصف تھی۔

لٹیرے گھوڑوں سے اترے اور بیل گاڑیوں اور گھوڑا گاڑیوں کے اوپر سے ترپال اتار کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا مال ہے۔ ان میں سے چند ایک اُس طرف چل پڑے جہاں قافلے کی نوجوان لڑکیاں سکتے کے عالم میں کھڑی تھیں اور وہ اپنے آدمیوں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

جوں ہی لٹیروں نے ترپال اٹھانے شروع کئے، ترپالوں کے نیچے سے بہت سے آدمی نکلے اور وہ لٹیروں پر ٹوٹ پڑے۔ لٹیروں نے اپنی تلواریں اور خنجر وغیرہ نہیں نکالے تھے۔ وہ تو بہت خوش تھے کہ تلواروں کے بغیر ہی اتنا قیمتی مال انہیں مل گیا تھا لیکن جو آدمی ترپالوں کے نیچے سے نکلے وہ تلواروں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔ انہوں نے لٹیروں کا قتلِ عام شروع کر دیا اور انہیں ہتھیار نکالنے کی مہلت ہی نہ دی۔

قافلے کے گرد لوگوں کو الگ کھڑا کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے بھی تلواریں نکال لیں اور لٹیروں پر حملہ کر دیا۔ لٹیروں کے لئے اب فرار کے سوا کوئی راستہ نہ تھا لیکن قافلے

والے انہیں اس راستے پر جانے ہی نہیں دے رہے تھے۔

قافلہ لوٹنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ یہ کوئی قافلہ نہیں تھا بلکہ یہ رے کی فوج ہے اور اس کے ساتھ کوئی سامان نہیں۔ قافلے میں لڑکیاں تو لٹیروں کے لئے کشش پیدا کرنے کی خاطر شامل کی گئی تھیں۔ یہ قافلہ جہاں سے چلا تھا وہاں اسی مقصد کے لئے ہر کسی کو بتایا گیا تھا کہ قافلہ فلاں وقت یہاں سے چلے گا اور پڑاؤ فلاں جگہ ہو گا۔ یہ دراصل لٹیروں تک پیغام پہنچانے کا طریقہ تھا۔

تھوڑی سی دیر میں رے کے ان فوجیوں نے جو مختلف لباسوں میں آئے تھے، لٹیروں کو کاٹ کر پھینک دیا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ نکل سکا۔ فوجیوں نے ان کے گھوڑے پکڑ لئے اور ساتھ لے آئے۔ یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ لٹیرے تمام کے تمام باطنی تھے۔ پتہ اس طرح چلا کہ ان میں جو زخمی تھے ان میں بہت سے ایسے نکلے جو موت سے ڈر گئے تھے۔ وہ منتیں کرتے تھے کہ انہیں جان سے مار دیا جائے یا اٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کریں اور وہ آئندہ اس کام سے توبہ کر لیں گے۔ فوجیوں نے ان زخمیوں سے کہا کہ وہ اتنا بتا دیں کہ وہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں۔ انہوں نے بتا دیا کہ وہ باطنی ہیں اور حسن بن صباح کے حکم سے قافلے لُوٹتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ قافلوں سے جو مال اور جو رقم وغیرہ لُوٹی جاتی ہے وہ سب قلعہ الموت پہنچا دی جاتی ہے۔

حاکم رے نے حکم دیا تھا کہ ان لٹیروں میں سے دو تین زخمیوں کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ ان سے وہ حسن بن صباح کے کچھ راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ ان فوجیوں نے تین زخمیوں کی عارضی مرہم پٹی کر دی اور ایک گھوڑا گاڑی میں ڈال کر انہیں رے لے گئے۔ انہیں ایک کمرے میں لٹا دیا گیا اور طبیب کو بلایا گیا۔ امیرِ رے بھی وہاں پہنچ گیا۔

"اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہمیں ہر بات سچ سچ بتا دو" — امیرِ رے نے ان زخمیوں سے کہا — "اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز نہیں تو میں تمہیں بہت ہی بُری موت سناؤں گا۔ تمہارے زخموں پر نمک چھڑکا جائے گا اور تم تڑپ تڑپ کر مرو گے"۔

زخمیوں نے کہا کہ وہ سب کچھ بتا دیں گے، ان کے زخموں کا کچھ علاج کیا جائے۔ وہ بُری طرح زخمی تھے اور نیم غشی کی حالت میں باتیں کر رہے تھے۔ ان میں دو جوان تھے اور ایک ادھیڑ عمر تھا۔ حاکمِ رے نے طبیب سے کہا کہ ان کی مرہم پٹی اس

Scanned by iqbalmt

طرح کی جائے کہ جیسے یہ شاہی خاندان کے افراد ہوں۔ طبیب نے اُسی وقت مرہم پٹی شروع کر دی۔

"اے امیرِ شہر!" — ادھیڑ عمر آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا — "میں آپ کو سارے راز دے دوں گا۔ میں جانتا ہوں ہمیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا لیکن میں پھر بھی ہر بات صحیح اور سچ بتاؤں گا۔ ہمیں موت سے نہ ڈرا اے امیر اور زندگی کا لالچ نہ دے۔ میں ہر بات بتاؤں گا اور اس سے پہلے میں یہ بتا دیتا ہوں کہ جو طوفان قلعہ اَلمُوت سے اٹھا ہے اسے آپ کی فوج اور اسے سلطان کی فوج اور اسے سلطنتِ سلجوقیہ کی ساری فوج نہیں روک سکتی"۔

امیرِ رے نے دیکھا کہ یہ زخمی بے ہوش نہیں اور اتنا زیادہ زخمی ہونے کے باوجود ٹھیک ٹھاک بول رہا ہے تو اس نے سوچا کہ اس سے ابھی پوچھ لیا جائے جو پوچھنا ہے۔ طبیب نے اپنے دو تین شاگردوں کو بھی بلوا لیا اور وہ جب آئے تو انہیں کہا گیا کہ وہ ان نوجوان زخمیوں کے زخم صاف کر کے مرہم پٹی کر دیں۔ امیرِ رے کے اشارے پر ادھیڑ عمر آدمی کو ایک اور کمرے میں لے گئے اور طبیب نے اس کے تمام کپڑے اتروا کر مرہم پٹی شروع کر دی۔ امیرِ رے بھی ان کے ساتھ تھا۔ امیرِ رے نے اسے کہا کہ حسن بن صباح کی یہ تنظیم کس طرح چلتی ہے کہ اتنے دور بیٹھا ہوا وہ اتنے بڑے علاقے میں باطنیوں کو اپنی مرضی کے مطابق حرکت میں لا رہا ہے اور فدائی اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔

"امیرِ شہر!" — ادھیڑ عمر زخمی باطنی نے کہا — "آپ خدا سے ڈرتے ہیں لیکن حکم ابلیس کا مانتے ہیں۔ میں آپ کی بات نہیں کر رہا۔ میں ہر انسان کی بات کر رہا ہوں۔ آپ زاہد اور پارسا ہو سکتے ہیں لیکن ہر انسان ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نہیں سمجھ سکتے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟.... صرف اس لئے کہ خدا میں عام لوگ وہ کشش نہیں دیکھتے جو ابلیس میں ہے۔ آپ مجھے ابلیس کا پجاری کہہ لیں۔ شیخ الجبل حسن بن صباح کہتا ہے کہ خدا اپنے بندوں کو وعدوں پر ٹالتا ہے۔ وہ جنّت کا وعدہ کرتا ہے لیکن اس کے لئے مرنا ضروری ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ساری عمر نیکیوں اور ثواب کے کاموں میں گذار دو گے تو جنّت ملے گی لیکن ہمارا شیخ الجبل حسن بن صباح کہتا ہے کہ وہ ہے جنّت، جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ۔ میں اس جنّت میں رہ چکا ہوں۔ شیخ الجبل وعدے نہیں کرتا، وہ دیتا ہے۔ اُسے آپ ابلیس کہتے ہیں، ہم اُسے امام کہتے ہیں"۔

اس باطنی نے پُراعتماد لہجے میں حسن بن صباح اور اس کی تنظیم اور اس کے طریقۂ کار کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ قلعہ اَلمُوت کے اندر کیا ہے، کتنی فوج ہے اور اس کے حفاظتی انتظامات کیا ہیں۔ یہ بھی بتا دیا کہ قافلوں کو لُوٹنے والے باطنی الگ ہیں جن کا صرف یہی کام ہے۔ وہ جو کچھ لُوٹتے ہیں قلعہ اَلمُوت چلا جاتا ہے۔ اس طرح اس شخص نے ہر ایک بات بتا دی۔

"اور میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں امیرِ شہر!" — اُس نے کہا — "میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ آپ شیخ الجبل کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سلطان برکیارق کے ایک سالار اوریزی نے قلعہ دسم کوہ کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ چھ مہینے ہو چکے ہیں۔ ابھی تک وہ قلعے کی دیواروں تک نہیں پہنچ سکا۔ اُس نے پہنچنے کی کوشش کی تو اپنے بہت سے سپاہیوں کو مروا کر پیچھے ہٹ آیا۔ اس کا محاصرہ کامیاب نہیں ہو سکا۔ اگر ہو بھی گیا تو شیخ الجبل کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔

"کیا شیخ الجبل نے دسم کوہ کا محاصرہ توڑنے اور پسپا کرنے کا کوئی انتظام نہیں کیا؟" — امیرِ رے نے پوچھا۔

"میں صحیح جواب نہیں دے سکوں گا" — باطنی نے کہا — "اگر چھ مہینے گزر جانے کے باوجود شیخ الجبل نے قلعہ دسم کوہ کو بچانے کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے معلوم ہے کہ سلجوقی سالار یہ قلعہ نہیں لے سکے گا۔ میں اپنے امام شیخ الجبل کے ساتھ رہا ہوں۔ میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اس نے قلعہ دسم کوہ کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ اسے پوری امید ہے کہ سلجوقی سالار اپنا ہر ایک سپاہی مروا کر خود بھی وہاں سے مایوس اور ناکام ہو کر واپس آ جائے گا"۔

طبیب اس باطنی کی مرہم پٹی کرتا رہا، وہ بولتا رہا اور امیرِ رے سنتا رہا۔ مرہم پٹی ہو چکی تو امیرِ رے اور طبیب باہر نکل آئے۔ کچھ دور آ کر امیرِ رے رک گیا اور طبیب سے پوچھا کہ اس باطنی نے جو باتیں کی ہیں، ان کے متعلق اس کا کیا خیال ہے؟

"امیرِ محترم!" — بوڑھے طبیب نے جواب دیا — "عمر گزر گئی ہے مریضوں اور زخمیوں کا علاج کرتے۔ آپ اس کی باتوں کے متعلق میری رائے پوچھ رہے ہیں اور آپ نالبا" اس پر بھی حیران ہو رہے ہیں کہ اس نے اس قسم کی باتیں کس قدر پُراعتماد اور بے تکلف لہجے میں کی ہیں لیکن میں حیران ہو رہا ہوں کہ اتنا زیادہ خون نکل چکا ہے کہ

Scanned by iqbalmt

یہ زندہ نہیں رہنا چاہئے تھا لیکن یہ زندہ ہے اور اس کا دماغ اس کے جسم سے زیادہ زندہ ہے.... اسے کہتے ہیں جذبہ اور عقیدہ۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا جذبہ بھی ابلیسی اور عقیدہ بھی ابلیسی ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ہے حسن بن صباح کی اصل قوت۔ اس شخص کو موت کا کوئی غم نہیں اور زندہ رہنے کا لالچ بھی نہیں۔ یہ مرے گا تو حسن بن صباح زندہ باد کا نعرہ لگا کر مرے گا۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایسا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو حسن بن صباح کا یہ فرقہ بھی ختم ہو سکتا ہے۔ دینِ اسلام کو اسی جذبے سے اور ایسے ہی عقیدے کی شدت سے زندہ رکھا جا سکتا ہے"۔

امیرِ شہر نے طبیب کو رخصت کر دیا اور اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلا کر کہا کہ ان تینوں باطنیوں کو قتل کر کے ان کی لاشیں دُور لے جا کر ایک ہی گڑھے میں دفن کر دی جائیں۔

○

سالار اوریزی کو قلعہ وسم کوہ کا محاصرہ کئے چھ مہینے گزر گئے تھے۔ قلعے کا دفاع اتنا مضبوط تھا کہ قلعہ سر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ سالار اوریزی اپنے ساتھ غیر معمولی طور پر دلیر جانبازوں کا لشکر لے کر گیا تھا۔ ان جانبازوں کا ایک گروہ قلعے کا دروازہ توڑنے کے لئے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے ہتھوڑوں اور کلہاڑوں سے دروازے پر ضربیں لگائیں لیکن اوپر سے باطنیوں نے ان پر جلتی ہوئی لکڑیاں اور انگارے پھینکے۔ چند ایک جانبازوں کے کپڑوں کو آگ لگ گئی۔ وہ پیچھے کو بھاگے۔ اوپر سے باطنیوں نے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا اور شاید ہی اس گروہ میں سے کوئی جانباز زندہ واپس آیا ہو گا۔

ایسی قربانی ایک بار نہیں متعدد بار دی گئی۔ جانباز کسی اور دروازے تک پہنچے لیکن زندہ واپس نہ آ سکے۔ سالار اوریزی نے سرنگ کھودنے کی بھی سوچی لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔ پھر بھی اُس نے سرنگ کھدوائی شروع کر دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سرنگ دیوار کے نیچے سے قلعے کے اندر تک چلی بھی گئی تو سارے کا سارا لشکر ایک ہی بار اس سرنگ کے ذریعے قلعے تک نہیں پہنچایا جا سکے گا۔ تین تین چار چار جانباز سرنگ میں سے اندر جائیں گے اور باطنی جس جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے ہیں، انہیں ختم کرتے چلے جائیں گے لیکن سالار اوریزی کا خیال تھا کہ یہ قربانی تو دینی ہی پڑے گی۔

سالار اوریزی کو ایک خطرہ اور بھی نظر آ رہا تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مرو سے روانہ ہونے سے پہلے یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ سالار اوریزی اپنے لشکر کو قلعہ ملاذ خان پر قبضہ کرنے کے لئے لے جا رہا ہے۔ اُسے توقع یہ تھی کہ حسن بن صباح قلعہ ملاذ خان کے دفاع کو مضبوط کرنے میں لگ جائے گا اور اتنی دیر میں وہ قلعہ وسم کوہ کو سر کر لے گا لیکن وہاں تو آدھا سال گزر گیا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ حسن بن صباح کو پتہ چلے گا کہ اسے دھوکا دیا گیا ہے اور اصل میں قلعہ وسم کوہ کو محاصرے میں لیا گیا ہے تو وہ اپنا ایک لشکر محاصرے پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دے گا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر سالار اوریزی کی نظر پیچھے بھی رہتی تھی۔ اُسے ہر روز یہ توقع ہوتی تھی کہ آج باطنیوں کا لشکر عقب سے ضرور ہی نمودار ہو کر ہلّہ بول دے گا لیکن ہر روز کا سورج غروب ہو جاتا تھا اور سالار اوریزی اور زیادہ پریشان ہو جاتا کہ رات کو حملہ آئے گا۔ اسی میں چھ مہینے گزر گئے تھے۔

حسن بن صباح کو ایک مہینے کے اندر اندر پتہ چل گیا تھا کہ اسے دھوکا دیا گیا ہے۔ یہ الگ ہی نہ تھا کہ اسے پتہ ہی نہ چلتا، اس کے جاسوس ہر طرف اور ہر جگہ موجود تھے لیکن حسن بن صباح کو جب یہ اطلاع دی گئی کہ یہ مشہور کر کے کہ قلعہ ملاذ خان کو محاصرے میں لینے کی بجائے سالار اوریزی کا لشکر قلعہ وسم کوہ کو محاصرے میں لے چکا ہے تو حسن بن صباح کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آ گئی تھی۔

"ان سلجوقیوں کی عقل جواب دے گئی ہے" — حسن بن صباح نے کہا تھا — "انہوں نے ہمیں یہ دھوکا اس امید پر دیا ہو گا کہ وہ قلعہ وسم کوہ پر چند دنوں میں قبضہ کر لیں گے۔ قلعہ وسم کوہ کو محاصرے میں لیا جا سکتا ہے لیکن سلجوقی لشکر کا کوئی ایک سپاہی بھی اس قلعے کے اندر داخل نہیں ہو سکے گا.... انہیں زور آزمائی کرنے دو"۔

"یا امام!" — اس کے جنگی مشیر نے کہا تھا — "کیا ہم یوں نہ کریں کہ ان کے لشکر کے محاصرے پر حملہ کر دیں؟"

"ابھی نہیں" — حسن بن صباح نے کہا تھا — "انہیں اپنی طاقت وہیں زائل کر لینے دو۔ ہم جب دیکھیں گے کہ اب ان کا دم خم ٹوٹ گیا ہے اور ان کا آدھا لشکر وسم کوہ کے تیر اندازوں کا نشانہ بن چکا ہے تو ہم حملے کی سوچیں گے۔ انہیں اپنا دل خوش کر لینے

Scanned by iqbalmt

الموت بھیج دیتے ہیں۔ ظاہری طور پر تو میں ان لوگوں کو سزا دینے کے لئے آیا ہوں لیکن میرا اپنا ایک منصوبہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ قلعہ میرے ہاتھ آجائے تو میں اسے اپنا ایک مضبوط اڈہ یا ٹھکانہ بنالوں گا۔ یہاں سے میں باطنیوں کے خلاف مہم شروع کروں گا لیکن اس قلعے کے اندر قافلے لوٹنے والے ڈاکو ہیں جو لڑنا اور مرنا جانتے ہیں۔ ان کے پاس تیروں کا ذخیرہ ختم ہی نہیں ہو رہا اور ان کے پاس پھینکنے والی برچھیاں بھی ہیں جو شاید کم اور عرصہ ختم نہیں ہوں گی۔ میں تقریباً آدھا لشکر مروا چکا ہوں لیکن قلعہ ہاتھ آتا نظر نہیں آتا۔ مجھے خطرہ یہ نظر آرہا ہے کہ کسی بھی روز میرے اس محاصرے پر عقب سے حملہ ہو جائے گا۔ میں پورا مقابلہ کروں گا لیکن میرا اور میرے لشکر کا بچ نکلنا ممکن نظر نہیں آتا"۔

"پیچھے سے حملہ ہو جائے گا؟" — مزمل آفندی نے پوچھا۔

"ہاں مزمل بھائی!" — سالار اوریزی نے جواب دیا — "میں حیران ہوں کہ اب تک حسن بن صباح نے یہ کارروائی کیوں نہیں کی۔ اگر میں اُس کی جگہ ہوتا تو فوراً محاصرے کو مزید فوج بھیج کر محاصرے میں لے لیتا۔ محاصرہ کرنے والے لشکر کو محاصرے میں لے لیا جائے تو اس لشکر کا بچ نکلنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے"۔

مزمل آفندی گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ اُس نے سالار اوریزی کے ساتھ کچھ باتیں کیں اور بن یونس کو ساتھ لے کر واپس چل پڑا۔

○

ایک برطانوی تاریخ نویس کے مطابق، پندرہ سولہ دن گزرے ہوں گے کہ سالار اوریزی نے گھوڑوں کے ٹاپ سنے۔ اُس نے پیچھے دیکھا تو ایک گھوڑ سوار لشکر سرپٹ چلا آرہا تھا۔ سالار اوریزی جو خطرہ محسوس کر رہا تھا وہ آگیا تھا۔ اُس نے فوری طور پر اپنے لشکر کو جو قلعے کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، محاصرے سے ہٹا کر ایک جگہ اکٹھا کر لیا اور پھر اسے ایک جنگی ترتیب دے لی۔ عقب سے یا باہر سے حملے کی صورت میں اپنے لشکر کو اس طرح اکٹھا کرنا ضروری تھا ورنہ محاصرے میں لشکر بندہ بندہ ہو کر بکھر ا رہتا۔

جب گھوڑ سوار لشکر قریب آیا تو دیکھا کہ آگے آگے دو سواروں کے ہاتھوں میں حسن بن صباح کے پرچم تھے۔ سوار نعرے بھی باطنی فرقے کے لگا رہے تھے۔ سالار اوریزی نے اپنے لشکر کو قلعے سے اور پیچھے ہٹا لیا اور دیکھنے لگا کہ لڑنے کے لئے زمین کون

کی موزوں ہے۔ وہ قلعے سے زیادہ دُور نہیں ہٹا۔ بڑی پھرتی سے اس نے اپنے بچے کھچے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا۔ دو کو آگے رکھا اور ایک حصے کو ان دونوں کے پیچھے بھیج دیا۔ اب اس کا لشکر مقابلے کے لئے تیار تھا۔

گھوڑ سوار لشکر قلعے کے ایک اور پہلو کی طرف چلا گیا اور رُک کر بڑی پھرتی سے بکھر ترتیب میں آگیا۔ اس لشکر سے اعلان ہونے لگے کہ قلعے کے تمام لوگ باہر آجائیں اور ان مسلمانوں کو گھیرے میں لے کر کاٹ دیں۔

باہر سے آنے والا سوار لشکر حرکت میں آیا اور سالار اوریزی کے ایک پہلو میں اس انداز سے آگیا جیسے سالار اوریزی کے لشکر کو گھیرے میں لینا چاہتا ہو۔ گھوڑ سواروں نے برچھیاں بلند کر لی تھیں اور پھر انہوں نے برچھیوں کی انیاں آگے کر لیں اور اب انہوں نے نیزے بولنا تھا۔

قلعے کے دروازے کھل گئے اور اندر کا لشکر اس طرح باہر آنے لگا جیسے سیلابی دریا نے بند توڑ ڈالا ہو۔ وہ لشکر سالار اوریزی کے لشکر کے دوسرے پہلو کی طرف چلا گیا۔ اب کوئی شک نہ رہا کہ سالار اوریزی کے لشکر کو باطنیوں نے گھیرے میں لے لیا تھا۔

سالار اوریزی نے ایک حکم دیا۔ یہ حکم سنتے ہی اس کا لشکر آگے کو دوڑ پڑا اور اس کا ایک حصہ قلعے کے کھلے ہوئے دروازوں کے اندر چلا گیا اور اندر سے دروازے بند کر لئے۔ باقی دو حصے اس لشکر کی طرف آئے جو اندر سے نکلا تھا۔ باہر سے جو گھوڑ سوار لشکر آیا تھا اُس نے یہ حرکت کی کہ قلعے کے اندر سے آنے والے لشکر پر ہلّہ بول دیا۔ دوسرے پہلو سے سالار اوریزی نے ہلّہ بولا۔

اب یہ صورت بن گئی کہ اندر سے نکلنے والا باطنی لشکر گھوڑ سواروں اور سالار اوریزی کے لشکروں کے نرغے میں آگیا تھا۔ اندر سے آنے والے لشکری حیران و پریشان تھے کہ یہ کیا بنی۔ وہ تو سمجھ رہے تھے کہ حسن بن صباح نے ان کے لئے مدد بھیجی ہے اور اب محاصرہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہے گا مگر ہُوا یہ کہ وہ خود کٹنے لگے اور گھوڑوں کے قدموں تلے روندے جانے لگے۔

سالار اوریزی کے لشکر کا جو حصہ قلعے کے اندر چلا گیا تھا، اس نے قلعے کے اندر والے لوگوں کا قتلِ عام شروع کر دیا تھا۔ پھر دروازے کھل گئے اور سالار اوریزی کے لشکر کے باقی دونوں حصے اور باہر سے آنے والے گھوڑ سوار جنہوں نے حسن بن صباح

Scanned by iqbalmt

کے پرچم اتار رکھے تھے قلعے کے اندر چلے گئے اور اللہ اکبر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ گھوڑ سواروں نے اندر جا کر حسن بن صباح کے پرچم پھاڑے اور پھر جلا ڈالے۔ قلعہ وسم کوہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تھا۔

یہ کامیابی ایک دھوکے سے حاصل کی گئی تھی۔ دھوکا یہ تھا کہ مزمل آفندی نے سالار اوریزی سے پوچھا تھا کیا پیچھے سے حملہ آسکتا ہے اور اوریزی نے کہا تھا کہ کسی دن بھی پیچھے سے حملہ ہو جائے گا۔ مزمل آفندی کے دماغ میں ایک منصوبہ آگیا تھا۔ اس نے سالار اوریزی کے ساتھ بات کی اور یہ منصوبہ طے ہو گیا۔

مزمل آفندی بن یونس کو ساتھ لے کر مرو چلا گیا تھا۔ وہاں اس نے سلطان برکیارق کے ساتھ بات کی اور اسے دو ہزار گھوڑ سوار دے دیئے گئے اور ان کا کمانڈر ایک سالار بھی ساتھ دیا۔ اسی رات اس گھوڑ لشکر نے مرو سے کوچ کیا اور بڑی ہی تیز رفتاری سے جا کر اگلی رات تک قلعہ وسم کوہ کے قریب پہنچ گئے۔ وہ وہیں رکے اور رات وہیں گذاری۔

صبح طلوع ہوئی تو مرو کے ان دو ہزار سواروں نے قلعہ وسم کوہ کا رخ کیا اور اس انداز سے پیشقدمی کی جیسے وہ پیچھے سے محاصرے پر حملہ کریں گے۔ انہوں نے حسن بن صباح کے پرچم خود ہی تیار کر لئے تھے۔ قلعے کے اندر کے لشکر نے جب دیوار کے اوپر سے دیکھا تو انہوں نے حسن بن صباح کے نعرے لگائے۔ قدرتی طور پر وہ سمجھے کہ حسن بن صباح نے یہ گھوڑ سوار لشکر بھیجا ہے۔ پھر گھوڑ سوار لشکر سے اعلان ہوئے کہ اندر کے لوگ باہر آجائیں اور مسلمانوں کو کچل دیں۔

جونہی یہ اعلان ہوا اندر کے تمام لوگ جو لڑنے والے تھے باہر آگئے۔ سالار اوریزی نے اپنے لشکر کا ایک حصہ قلعے کے اندر بھیج دیا اور پھر بیان ہو چکا ہے کہ گھوڑ سواروں نے اور سالار اوریزی کے لشکر نے اندر کے لشکر کو کس طرح گھیرے میں لیا اور اس کے کسی ایک آدمی کو بھی زندہ نہ رہنے دیا۔

"سالارِ محترم!" — فتح کی پہلی رات مزمل آفندی نے سالار اوریزی سے کہا — "اگر حسن بن صباح کو شکست دینی ہے تو دھوکے سے ہی دی جا سکتی ہے.... وہ شخص سراپا دھوکا اور فریب ہے۔ اس کے لئے ہمیں بھی فریب کار بننا پڑے گا.... اللہ آپ کو فتح مبارک کرے۔"

○

سالار اوریزی کو یہ فتح بہت مہنگی پڑی تھی۔ تمام مؤرخ متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ وسم کوہ کا محاصرہ آٹھ مہینے اور کچھ دن رہا تھا۔ اس عرصے میں سالار اوریزی کا آدھا لشکر کٹ گیا تھا۔ اگر محاصرین کو دھوکے میں نہ مارا جاتا تو محاصرہ ابھی اور طول پکڑ سکتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلعے کے اندر خوراک اور دیگر ضروریات کا ذخیرہ اتنا زیادہ تھا کہ قلعے کے اندر کے لوگ محاصرے سے ذرا بھی پریشان نہیں ہوئے تھے۔

داستان گو یہ نہیں بتا رہا کہ فلاں اور فلاں واقعہ کے درمیان کتنا لمبا وقفہ تھا۔ حسن بن صباح کا دورِ مقبولیت اور اس کی ابلیسیت کی تاریخ کہیں کہیں تاریکی میں چلی جاتی ہے جیسے ریل گاڑی چلتے چلتے کسی تاریک سرنگ میں داخل ہو جاتی ہے اور جب یہ تاریخ روشنی میں آتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ بے شمار سال گزر گئے ہیں۔ وسم کوہ کا قلعہ جس وقت فتح ہوا اس وقت حسن بن صباح بڑھاپے میں داخل ہو چکا تھا۔ اسے جنہوں نے دیکھا تھا اور اس کے متعلق سینہ بہ سینہ جو باتیں سامنے آئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حسن بن صباح خاصا بوڑھا ہو گیا تھا لیکن اس نے اپنی صحت کو ایسا برقرار رکھا تھا کہ لگتا نہیں تھا کہ اس شخص کی جوانی کو گزرے ایک مدت گزر گئی ہے۔

اوریزی نے اپنے لشکر کو قتلِ عام کا جو حکم دیا تھا وہ ان شہریوں کے لئے نہیں تھا جو لڑنے میں شامل نہیں تھے۔ قلعے کے اندر سالار اوریزی کے لشکر کا جم کر مقابلہ کرنے والے شہریوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔ مسلمان لشکر کو یہ اجازت نہیں تھی کہ اندھا دھند قتل کرتے چلے جائیں۔ لوگ گھروں میں دبک گئے تھے اور لڑنے والے شہری بھی گھروں میں جا پہنچے تھے۔ انہیں پکڑنا ضروری تھا لیکن اس کے لئے یہ طریقہ اختیار نہ کیا گیا کہ ہر کسی کو گھسیٹ کر باہر لے آتے اور اس کی گردن مار دیتے۔ سالار اوریزی نے وہ روایت برقرار رکھی جو مسلمانوں کا طرۂ امتیاز چلا آرہا تھا۔ وہ روایت تھی مفتوح علاقے کے لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور ان کی عزت اور جان و مال کا تحفظ کرنا اور پھر عملاً انہیں یہ یقین دلانا کہ انہیں غلام نہیں بنایا جائے گا۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ وسم کوہ کے اندر تمام لوگ حسن بن صباح کے پیروکار تھے۔ دوسرے شہروں میں مسلمانوں نے باغیوں کا قتلِ عام کیا تھا لیکن اس قلعے کی صورت مختلف تھی۔ وہاں کے لوگوں کو بڑے لمبے مقابلے کے بعد شکست دی گئی تھی اور وہ مفتوحین کہلاتے تھے۔ وہ اب فاتح لشکر کے رحم و کرم پر تھے

Scanned by iqbalmt

قلعے کے دروازوں پر اپنے سنتری کھڑے کر دیئے گئے اور انہیں کہا گیا کہ کسی کو باہر نہ جانے دیں اور جو کوئی اندر آتا ہے اسے آنے دیں۔ سالار اوریزی نے رات گزرنے کا انتظار نہ کیا اور حکم دیا کہ گھر گھر کی تلاشی لی جائے اور تمام مردوں کو باہر لایا جائے لیکن کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ اس حکم پر سالار اوریزی کے لشکری گھروں میں داخل ہو گئے اور کونوں کھدروں کی تلاشی لے کر مردوں کو باہر لانے لگے۔ چودہ پندرہ سال کے بچے سے لے کر بوڑھوں تک کو باہر لایا جا رہا تھا۔ مشعلیں اتنی زیادہ جلائی گئی تھیں کہ قلعے میں جیسے رات آئی ہی نہیں تھی۔ ان تمام آدمیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جا رہا تھا۔ عورتوں کی چیخ و پکار اور آہ و بکا اور ان کا واویلا اتنا بلند اور اتنا زیادہ تھا کہ آسمان کے پردے چاک ہو رہے تھے۔ لشکری کسی آدمی کو اس کے گھر سے باہر لاتے تو عورتیں اس لشکری کے قدموں میں گر پڑتیں یا اسے پکڑ لیتیں اور رو رو کر اسے کہتیں کہ ان کا آدمی بے قصور ہے اور وہ نہیں لڑا۔ ان عورتوں کو یہ ڈر تھا کہ آدمیوں کو باہر لے جا کر قتل کر دیا جائے گا۔ لشکری ان عورتوں کو تسلیاں دیتے تھے کہ ان آدمیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ان آدمیوں میں ایسے بھی تھے جن کے کپڑوں پر خون لگا ہوا تھا اور ان کی تلواریں بھی خون آلود تھیں۔ یہ ثبوت تھا کہ وہ لڑنے کے بعد گھروں میں چھپ گئے تھے۔ ایسے آدمیوں کو الگ کھڑا کیا جا رہا تھا۔

قلعے کے اندر کا ماحول بڑا ہی بھیانک اور ہولناک تھا۔ لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور خون اتنا کہ چلنا محال تھا۔ خون سے پاؤں پھسلتے تھے۔ ان لاشوں میں ایسے زخمی بھی تھے جو اٹھنے کے قابل نہیں تھے۔ وہ بڑا ہی کربناک واویلا بپا کر رہے تھے اور پانی پانی کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ سالار اوریزی نے اپنے لشکر کے ایک حصے کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ اپنے زخمیوں کو اٹھا کر اُس جگہ پہنچائیں جہاں مرہم پٹی کا انتظام تھا اور اپنے شہیدوں کی لاشیں ایک جگہ رکھ دیں۔ سالار اوریزی نے یہ بھی کہا تھا کہ کسی باطنی زخمی کو پانی نہیں پلانا۔ قلعے کے اندر سب ہی باطنی تھے اور ان کا قصور صرف یہ نہ تھا کہ انہوں نے سالار اوریزی کے لشکر کا مقابلہ کیا تھا بلکہ ان کا اصل جرم یہ تھا کہ وہ ایک لمبے عرصے سے قافلوں کو لوٹ رہے تھے۔ کوئی قافلے والا مزاحمت کرتا تو اسے یہ لوگ قتل کر دیتے تھے اور ان کی جوان بیٹیوں کو اپنے ساتھ لے آتے تھے۔ انہیں جینے کا حق نہیں دیا جا سکتا تھا۔

جب ان لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جا رہا تھا تو عورتیں چیختی چلاتی اور بعض سینہ کوبی کرتی وہاں پہنچ گئیں اور سالار اوریزی کو گھیر لیا۔ وہ سب یہی کہہ رہی تھیں کہ ان کے آدمی بے گناہ ہیں۔ سالار اوریزی نے آگے ہو کر ان آدمیوں سے کہا کہ ان میں جو لٹیرے اور ڈاکو ہیں اور جنہوں نے قافلے لوٹے ہیں، وہ خود ہی آگے آ جائیں۔ ان میں ایسے آدمی تو صاف پہچانے جا رہے تھے جن کی تلواریں خون آلود اور جن کے کپڑوں پر بھی خون کے چھینٹے تھے۔ انہیں آگے کر لیا گیا اور چند ایک اور آدمی آگے آ گئے۔ سالار اوریزی نے ایک بار پھر کہا کہ خود ہی آگے آ جاؤ ورنہ جب انہیں شناخت کرایا جائے گا تو ان کی جان بخشی نہیں کی جائے گی۔

عورتوں نے جب سالار اوریزی کا یہ حکم سنا اور دیکھا کہ کئی ڈاکو اور راہزن آگے نہیں آ رہے تو وہ ان لوگوں کے درمیان چلی گئیں اور ایک ایک کو پکڑ کر آگے دھکیلنے لگیں۔ وہ تو جانتی تھیں کہ ان میں اصل مجرم کون کون ہیں۔ ان کا لشکر اور ان کے دوسرے ساتھی قلعے کے باہر کاٹ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے اگر کچھ نکل بھاگے ہوں گے تو ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہو گی۔

بعض باغیوں کو قلعے کے بُرجوں میں سے نکال نکال کر لایا جا رہا تھا۔ وہ وہاں چھپے ہوئے تھے۔

مزمّل آفندی اور بن یونس بھی سالار اوریزی کے ساتھ تھے۔ وہ دونوں تو بہت ہی مسرور تھے۔ ان کی چال سو فیصد کامیاب رہی تھی۔

"میرے بھائیو!" — سالار اوریزی نے انہیں کہا — "میں قلعہ اَلمُوت سے آنے والی ہواؤں میں یہ خطرہ اب بھی سونگھ رہا ہوں کہ حسن بن صباح ہم پر حملہ ضرور کرے گا۔ اسے یہ اطلاع تو مل ہی جائے گی کہ قلعہ وسم کوہ اس کے ہاتھ سے نکل کر ہمارے ہاتھ میں آ گیا ہے"۔

"اس کی پیش بندی کر لینی چاہئے" — مزمّل نے کہا — "اگر آپ چاہیں تو میں صبح ہی مَرو کو روانہ ہو جاؤں گا اور وہاں سے کمک لے آؤں گا"۔

"میں مَرو سے مزید فوج نہیں منگوانا چاہتا" — سالار اوریزی نے کہا — "مَرو میں فوج کم ہوئی تو وہ شہر بھی خطرے میں آ سکتا ہے۔ ہم یوں کریں گے کہ صبح اپنے سوار لشکر کو قلعے کے باہر مقیم کر دیں گے تاکہ اچانک حملہ آ جائے تو وہ محاصرے تک نوبت ہی

Scanned by iqbalmt

نہ آنے دے"۔

○

قلعہ دسم کوہ وسیع و عریض تھا۔ اس میں غیر فوجی آبادی بھی خاصی زیادہ تھی۔ ایک کشادہ میدان تھا جس میں لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لایا جا رہا تھا اور ان کی شناخت ہو رہی تھی۔ سالار اوریزی کی فوج کا ایک عہدیدار تھا جس کا نام شمیر ابلک تھا۔ تاریخ میں اس کا یہ نام تو آیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا۔ نام سے ظاہر ہے کہ وہ سلجوقی یعنی تُرک نسل سے تھا۔ اُس کا دادا اُن سلجوقیوں میں سے تھا جنہوں نے سلطنت سلجوقیہ کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کے ساتھ چار سپاہی تھے اور وہ دیوار پر جا کر قلعے کے بُرجوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو سپاہیوں کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ وہ دو بُرجوں میں سے تین چار باطنیوں کو پکڑ کر نیچے بھیج چکا تھا۔

قلعے کے بڑے دروازے کے اوپر ایک اور کمرہ نما بُرج بنا ہُوا تھا جو اونچا بھی تھا اور لمبا چوڑا بھی۔ شمیر ابلک اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس بُرج میں داخل ہُوا تو اس نے دیکھا کہ اس کے اندر سیڑھیاں تھیں جو اس بُرج کی اوپر والی منزل کو جاتی تھیں۔ وہ جب سیڑھیاں چڑھنے لگا تو اس کے ایک سپاہی نے سیڑھیوں کے نیچے دیکھا۔ وہاں کچھ سامان اور بستر وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ اس سپاہی کو یوں شک ہُوا تھا جیسے اُس نے ان اشیاء کے انبار کے پیچھے دو چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھی ہوں۔ سپاہی سیڑھیوں پر جانے کی بجائے سیڑھیوں کے نیچے جھک کر دیکھنے لگا۔ وہاں واقعی ایک آدمی تھا جو چھپا ہُوا تھا۔ سپاہی کے کہنے پر وہ باہر نکل آیا۔ اُس کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے تھے لیکن اُس کے ہاتھ میں تلوار نہیں تھی۔ سپاہی نے اسے کہا کہ اپنی تلوار لے کر آؤ ورنہ اسے زندہ جلا دیا جائے گا۔ وہ پھر سیڑھیوں کے نیچے گیا اور اشیاء کے انبار کے نیچے سے تلوار اٹھا کر لے آیا۔ تلوار خون آلود تھی۔ اُس نے تلوار فرش پر پھینک دی۔

شمیر ابلک آدھی سیڑھی چڑھ چکا تھا۔ وہ وہیں سے نیچے اُتر آیا۔ یہ آدمی شمیر ابلک کی ہی عمر کا تھا اور بڑا صحت مند تھا۔ اس کے چہرے پر کرخت سے تاثرات تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ جلاّد ہو۔

"تم بے گناہ نہیں ہو سکتے" — شمیر ابلک نے اسے کہا — "تمہارا چہرہ بتا رہا ہے

کہ تم ڈاکو اور راہزن ہو اور نہ جانے کتنے لوگوں کو اب تک قتل کر چکے ہو گے.... تمہاری تلوار بتا رہی ہے کہ تم آج ہمارے خلاف لڑے تھے.... چلو نیچے!"

"ہاں' میں ڈاکو ہوں" — اُس نے کہا — "اور میں حسن بن صباح کا پیروکار بھی ہوں۔ میں لڑا بھی ہوں اور تمہارے تین آدمی قتل کئے ہیں.... انتقام لے لو۔ میں قتل ہونے کے لئے تیار ہوں۔ میں جانتا تھا کہ میرا انجام یہی ہو گا لیکن ایک بات سُن لو' مجھے قتل کرو گے تو اپنا نقصان کرو گے اور اگر زندہ رہنے دو گے تو تمہیں اتنا خزانہ ملے گا کہ ایک قلعہ خرید سکو گے"۔

"زندہ رہنے کی اب کوئی ترکیب کامیاب نہیں ہو گی اے باطنی!" — شمیر ابلک نے کہا — "حسن بن صباح تمہیں چھڑانے نہیں آئے گا۔ تم جس خزانے کی بات کر رہے ہو' وہ ہمیں مل گیا ہے۔ اُس تہہ خانے کی نشاندہی ہو چکی ہے جس میں اس قلعے کا خزانہ رکھا ہُوا ہے"۔

"میں جانتا ہوں میرا امام شیخ الجبل مجھے چھڑانے نہیں آئے گا" — اُس نے کہا — "مجھے یقین ہے کہ میں تمہارے ہاتھوں قتل ہوں گا لیکن ایک بات سن لو۔ میں اُس خزانے کی بات نہیں کر رہا جو یہاں تہہ خانے میں پڑا ہے۔ وہ خزانہ جو میں بتا رہا ہوں' یہاں سے دُور پڑا ہے اور میرے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ تم لے لو.. کیا تم ان سپاہیوں سے ذرا الگ ہو کر میری بات سننا پسند کرو گے؟.... اچھی طرح دیکھ لو' میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں نہ میں تمہیں کوئی دھوکا دوں گا اور میں دھوکا دے ہی کیا سکتا ہوں۔ تم پانچ مسلح آدمی ہو اور میں اکیلا اور نہتّا ہوں"۔

معلوم ہوتا ہے اس شخص کی زبان میں کوئی خاص تاثر تھا یا اس سلجوقی عہدیدار کی شخصیت کمزور تھی کہ اس نے اس ڈاکو کا اثر قبول کر لیا اور اس کی بات سننے پر رضامند ہو گیا۔ اُس نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ بُرج سے نکل کر دروازے کے ساتھ ہی کھڑے رہیں۔ سپاہی نکل گئے تو سلجوقی نے اس ڈاکو کو اپنے پاس بٹھا لیا لیکن بٹھانے سے پہلے اس نے اس ڈاکو کی جامہ تلاشی لے لی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ باطنی کس طرح قاتلانہ وار کیا کرتے ہیں۔

"میں شامی ہوں" — ڈاکو نے کہا — "میرا نام ابو جندل ہے۔ میں اپنے ساتھ ایک ذمہ داری لئے پھرتا ہوں۔ وہ میری دو یتیم بھتیجیاں ہیں۔ دونوں جوان ہیں اور بہت

Scanned by iqbalmt

ہی خوبصورت۔ مجھے میرے ساتھیوں نے مشورے دیئے تھے اور اب بھی کہتے رہتے ہیں کہ میں ان دونوں کو اپنے امام حسن بن صباح کو پیش کروں تو وہ مجھے اپنے ہاں بڑا اونچا رُتبہ دے دے گا.... میرے سلجوقی دوست! میں نے دوسروں کی بیٹیاں اغوا کر کے امام کو بھیجی ہیں لیکن جب اپنی ان بھتیجیوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنا مرا ہوا بھائی یاد آ جاتا ہے۔ میں انہیں چھپا چھپا کر رکھتا ہوں"۔

"میں مسلمان ہوں" — شمیر ابلک نے کہا — "میں خوبصورت لڑکیوں کے لالچ میں نہیں آؤں گا نہ ہمیں اجازت ہے کہ کسی عورت کو اپنی مرضی سے اپنے پاس رکھ لیں"۔

"یہ میں جانتا ہوں" — ابو جندل نے کہا — "مجھے معلوم ہے کہ تم ان لڑکیوں کو اپنے سالار کے حوالے کر دو گے اور وہ چاہے گا تو خود ان کے ساتھ نکاح پڑھا لے گا یا اپنے دو لشکریوں کے ساتھ ان کی شادیاں کر دے گا لیکن کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ ان دونوں کو تم اپنے پاس رکھ لو؟ ایک کو بیوی اور دوسری کو داشتہ بنا لو۔ میں نے جس خزانے کا اشارہ دیا تھا وہ انہی لڑکیوں کی خاطر ہے۔ مجھے تو قتل ہونا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ ان لڑکیوں کو خالی ہاتھ اس دنیا میں چھوڑ جاؤں"۔

"کیا تم میری بات نہیں سمجھے؟" — شمیر ابلک نے کہا — "میں اپنی مرضی سے کسی عورت کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اگر تم ان دونوں لڑکیوں کو میرے حوالے کرو گے تو مجھے یہ لڑکیاں چھوڑنی پڑیں گی یا اپنی فوج چھوڑنی پڑے گی"۔

"کیا ملتا ہے تمہیں اس فوج میں؟" — ابو جندل نے کہا — "اور کیا ملا ہے تمہیں مسلمان ہو کر!.... تم سمجھتے ہو کہ تم نے اپنی عاقبت سنوار لی ہے لیکن میں تمہاری دنیا بھی سنوار دوں گا.... پہلے میری پوری بات سن لو پھر انکار یا اقرار کرنا"۔

"وہ خزانہ تم خود کیوں نہیں لے لیتے؟" — شمیر ابلک نے پوچھا۔

"یہ میری زندگی کی آخری رات ہے" — ابو جندل نے جواب دیا — "صبح تک میں قتل ہو چکا ہوں گا۔ اگر تم مجھے قتل ہونے سے بچا لو گے تو بھی میں اکیلا اس خزانے تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ میرے تمام ساتھی مارے جا چکے ہیں۔ مجھے کم از کم چار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ وہ خزانہ یہاں قلعے کے کہیں قریب نہیں ہے۔ تم میرا ساتھ دو گے اور چار پانچ سپاہی رازداری سے ساتھ لے آؤ گے تو ہم اس خزانے تک پہنچ کر وہاں سے

نکال لیں گے"۔

"اور وہاں لے جا کر تم مجھے اور میرے سپاہیوں کو بڑی آسانی سے قتل کر سکو گے" — شمیر ابلک نے کہا — "اور اگر میں وہ خزانہ تمہارے ساتھ مل کر نکال بھی لوں تو کیا میں واپس اپنی فوج میں آ سکوں گا؟"

"پھر فوج میں واپس آنا ہی نہیں" — ابو جندل نے پُراعتماد لہجے میں کہا — "ہم دونوں ملک ہندوستان یا دیارِ حجاز یا مصر کو چلے جائیں گے اور وہاں شاہانہ زندگی بسر کریں گے.... پہلے میرے گھر چلو اور میری بھتیجیوں کو دیکھ لو۔ مجھ سے ڈرو نہیں، میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔ مجھے باطنی اور ڈاکو سمجھ کر قتل کر دو۔ قتل سے پہلے میں تمہیں اُس جگہ کا راستہ اور نقشہ اچھی طرح سمجھا دوں گا لیکن تم میرے بغیر وہاں تک پہنچ نہیں سکو گے"۔

"وہ خزانہ آیا کہاں سے؟" — شمیر ابلک نے پوچھا — "اور وہ اُس جگہ کیوں رکھا ہے جہاں تم بتا رہے ہو؟"

"آج میں ہر بات سچی اور کھری کر رہا ہوں" — ابو جندل نے کہا — "میں پیشہ ور ڈاکو اور راہزن ہوں۔ یہ میرا آبائی پیشہ ہے۔ میرے باپ کا بھی یہی کام تھا اور دادا کا بھی اور شاید دادے کا دادا بھی یہی کام کرتا ہو گا۔ اس علاقے میں حسن بن صباح کا عقیدہ پھیل گیا اور اس کے اپنے ڈاکو قافلوں کو لوٹنے لگے تو میں مجبور ہو کر اس کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ اب ہم لوگ الگ تھلگ قافلوں کو نہیں لوٹ سکتے تھے۔ ہمیں حسن بن صباح کی پشت پناہی اور مدد حاصل ہے۔ میں نے حسن بن صباح کے پاس جا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اُس کا مُرید ہو گیا لیکن آج تک مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں کہ ہم جتنا مال لوٹتے تھے وہ سارے کا سارا قلعہ الموت بھیجنا ہوتا تھا۔ اس میں سے ہمیں تھوڑا سا حصہ مل جاتا تھا۔ میں نے اپنے پرانے گروہ کے آدمیوں سے کہا کہ لوٹ مار ہم کریں اور خطرے میں ہم اپنے آپ کو ڈالیں اور مال سارا اوپر سے لے جائیں تو کیوں نہ ہم یہ کام ہی چھوڑ دیں یا اپنے امام کو دھوکا دیں اور آدھے سے زیادہ مال خود رکھا کریں....

"میرا پرانا گروہ بھی امام کے گروہ کے ساتھ مل گیا تھا۔ میں نے اپنے ان پرانے ساتھیوں کے ساتھ یہ بات کی تو انہیں میری بات اچھی لگی۔ ہم نے یوں کرنا شروع کر دیا کہ کسی قافلے کو لوٹتے تھے تو لوٹ مار کے دوران میرے گروہ کے دو تین آدمی سونا

Scanned by iqbalmt

چاندی اور نقدی اپنے پاس چھپا کر وہاں سے کھسک جاتے اور بہت دُور نکل جاتے تھے۔ یہ مال وہ کہیں زمین میں دبا دیتے تھے۔ کچھ دنوں میں اپنے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں جاتا اور مال نکال کر اُس جگہ پر پہنچا دیتا تھا جو میں نے تمہیں بتائی ہے۔ ہم لوگ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیا کرتے۔ آج تک میرے کسی آدمی نے یوں نہیں کیا کہ یہاں سے غائب ہو جاتا اور اُس جگہ سے خزانہ نکال لے جاتا۔ یہ ہے حقیقت اس خزانے کی"۔

"یہ تو مان لیا" ——— شمیر ابلک نے کہا ——— "لیکن میں تم پر اعتبار کس طرح کروں؟ .... تم باطنی ہو اور باطنی پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ انسان قتل ہو جاتا ہے"۔

"میرے بھائی!" ——— ابو جندل نے کہا ——— "میرا کوئی مذہب نہیں نہ کوئی عقیدہ ہے۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ حسن بن صباح ہماری پشت پناہی کرتا تھا اور پناہ بھی دیتا تھا.... اب ایک کھری سی بات سن لو۔ تم مسلمان ہو اور اس امید پر کوئی بُرا کام نہیں کرنا چاہتے کہ مر جاؤ گے تو خدا تمہیں جنت میں داخل کر دے گا۔ خدا نے آسمانوں میں جنت بنائی ہے لیکن ساری عمر نیک پاک رہو گے تو تم اس جنت کے حقدار بن سکو گے۔ اس کا کیا اعتبار کہ خدا کی جنت کا وجود ہے کہ نہیں۔ تم یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتے کہ تم نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ انسان نادانستہ طور پر بھی گناہ کر گزرتا ہے۔ حسن بن صباح نے زمین پر جنت بنا دی ہے۔ میں نے یہ جنت دیکھی ہے لیکن اس میں جانے کی کبھی خواہش نہیں کی۔ کیوں نہ ہم اپنی جنت خود بنا لیں۔ ہم بنا بھی سکتے ہیں۔ وہ خزانہ ایسا ہے جو ہماری تین نسلیں عیش کرتی رہیں تو بھی ختم نہ ہو گا"۔

شمیر ابلک کو چپ سی لگ گئی اور اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف پتہ لگتا تھا کہ وہ قائل ہو گیا ہے اور گہری سوچ میں چلا گیا ہے۔

"میرے سلجوقی دوست!" ——— ابو جندل نے کہا ——— "میں تمہیں ایک اور بات بھی بتا دیتا ہوں۔ خوش نہ ہو کہ تم نے قلعہ فتح کر لیا ہے۔ امام شیخ الجبل کا لشکر آ ہی رہا ہو گا۔ اس لشکر میں وہ فدائی ضرور ہوں گے جو شیخ الجبل کے نام پر جانیں قربان کرنے پر فخر کیا کرتے ہیں۔ تمہارے لشکر میں کوئی ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہنے گا۔ اس قلعے میں خزانہ بھرا ہوا ہے جو تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ تہ خانے میں ہے لیکن تمہیں یہاں

سوائے موت کے کچھ نہیں ملے گا۔ یہ سارا خزانہ اگر یہاں سے مَرو چلا بھی گیا تو تمہیں کیا ملے گا؟.... کچھ بھی نہیں.... یہ سلطان کی ملکیت ہو گا۔ میرے گھر چلو، تم دیکھو گے کہ میری دو بھتیجیوں کے سوا وہاں کوئی بھی نہیں۔ ویسے بھی ہمیں گھر جانا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری بھتیجیوں کو تمہارے دوسرے لشکری لے جائیں اور سالار کے حوالے کر دیں۔ تم جب ان لڑکیوں کو اپنے سالار کی ملکیت میں دیکھو گے تو پچھتاؤ گے کہ تم نے پہلے انہیں کیوں نہ دیکھ لیا اور کیوں نہ انہیں غائب کر دیا"۔

"ہاں!" ——— شمیر ابلک نے کہا ——— "ہمیں چلنا چاہئے۔ میرے سپاہی یہ نہ سوچیں کہ معلوم نہیں ہم آپس میں کیا ساز باز کر رہے ہیں۔ تم یہیں بیٹھو، میں ان کے ساتھ بات کر لوں"۔

شمیر ابلک ابو جندل کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر باہر نکلا اور اس نے اپنے چاروں سپاہیوں کے ساتھ یہ ساری بات کی جو اس کے ساتھ ابو جندل نے کی تھی۔ وہ خود ذمہ دار عہدیدار تھا لیکن قائل ہو گیا تھا، یہ تو سپاہی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا عہدیدار خزانے اور دو لڑکیوں کے چکر میں آ گیا ہے تو اس کا ساتھ دینا ہی بہتر ہے۔

"کیا آپ نے یقین کر لیا ہے کہ یہ شخص ہمیں دھوکا نہیں دے گا؟" ——— ایک سپاہی نے پوچھا۔

"یہ اکیلا ہے اور ہم پانچ ہیں" ——— شمیر ابلک نے کہا ——— "اور ہم نے اسے نہتہ کر رکھا ہے.... میرا ساتھ دو اور اس بات کو راز میں رکھنا"۔

شمیر ابلک بُرج میں گیا اور ابو جندل کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ شمیر ابلک نے اسے کہا کہ وہ ایسے راستے سے اپنے گھر کو چلے کہ انہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔ ابو جندل اس قلعے کی بھول بھلیوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ انہیں قلعے کی دیوار کے ایسے حصے میں لے گیا جہاں کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ ابو جندل انہیں ادھر سے اُتار کر ایک اندھیرے راستے سے اپنے گھر لے گیا۔

اُس نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے بار بار دستک دی تو بھی اندر خاموشی رہی۔ وہ سمجھ گیا کہ لڑکیاں ڈر کے مارے دروازہ نہیں کھول رہیں۔ آخر اس نے بلند آواز سے لڑکیوں کو پکارا تب دروازہ کھلا۔

Scanned by iqbalmt

ابو جندل نے اندر جاتے ہی کہا کہ گھبرائیں نہیں' یہ اپنے دوست ہیں۔

شمیر ابلک نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ صحن میں ہی رہیں اور خود وہ ابو جندل کے ساتھ ایک کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں فانوس جل رہا تھا۔ ابو جندل نے دونوں لڑکیوں کو بلایا۔ شمیر ابلک نے لڑکیوں کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ تو بالکل جوان اور بہت ہی خوبصورت لڑکیاں تھیں۔

"دیکھو لڑکیو!" — ابو جندل نے لڑکیوں سے کہا — "یہ مسلمان فوج کے کمانڈر ہیں۔ انہوں نے میری جان بخشی کر دی ہے اور تمہاری ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی ہے"۔

دونوں لڑکیاں شمیر ابلک کی طرف لپکیں اور اپنے بازو اس کے گلے میں ڈال دیئے اور ایک اس کے ایک طرف اور دوسری دوسری طرف بیٹھ گئی اور اپنے گال اس کے گالوں سے ملنے لگیں جیسے وہ ان کے خون کے رشتے کا کوئی عزیز ہو۔ ان لڑکیوں نے ایسے والہانہ پن کا عملی طور پر اظہار کیا کہ شمیر ابلک تو جیسے ہپناٹائز ہو گیا ہو۔

باہر کا دروازہ بڑی زور سے کھلا اور کسی کی آواز آئی — "کہاں ہے ابو جندل.... باہر آ جاؤ باطنی ڈاکو" — دو آدمی بڑی تیز تیز چلتے اس کمرے میں آ گئے جہاں شمیر ابلک ابو جندل کے سامنے بیٹھا ہُوا تھا۔ ان آدمیوں کے آنے سے پہلے ہی شمیر ابلک اٹھ کھڑا ہُوا تھا اور لڑکیاں دوڑ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ ان آدمیوں نے شمیر ابلک کو دیکھا تو ٹھٹک کر پیچھے ہٹ گئے۔ وہ اس کے اپنے لشکر کے دو لشکری تھے۔

"میں اس گھر کی تلاشی لے چکا ہوں" — شمیر ابلک نے کہا — "میرے ساتھ چار لشکری ہیں۔ یہاں کوئی باطنی نہیں نہ کوئی ڈاکو ہے۔ یہ شخص تاجر ہے اور چند دنوں بعد یہاں سے چلا جائے گا.... تم لوگ جاؤ۔ میں ذرا اور تسلی کر کے آؤں گا"۔

لشکریوں نے دیکھا کہ ان کا ایک عہدیدار پہلے ہی یہاں موجود ہے تو وہ اس کو سلام کر کے چلے گئے۔

"اب بتاؤ ابو جندل!" — شمیر ابلک نے پوچھا — "وہ جگہ کہاں ہے؟"

ابو جندل نے اسے بتانا شروع کر دیا کہ وہ جگہ کتنی دُور ہے اور وہاں تک ہم کس طرح پہنچیں گے اور وہ علاقہ کیسا ہے وغیرہ وغیرہ۔

"یہ دونوں لڑکیاں ہمارے ساتھ ہوں گی" — ابو جندل نے کہا — "ہم سب

گھوڑوں پر سوار ہوں گے۔ دو گھوڑے فالتو ساتھ ہونے چاہئیں۔ دو بڑے وزنی بکس ہیں۔ ایک ایک ان گھوڑوں پر لاد لیں گے اور کچھ سامان ہم اپنے اپنے گھوڑوں پر رکھ لیں گے"۔

"ہمیں ایک دو دنوں میں ہی نکل جانا چاہئے" — شمیر ابلک نے کہا — "دو تین دن اور باہر سے لاشیں اٹھانے اور انہیں ٹھکانے لگانے کا کام ہوتا رہے گا۔ یہاں سے نکل جانے کے لئے یہ موقع اچھا ہے"۔

ابو جندل نے کہا کہ دو فالتو گھوڑوں کا انتظام وہ کر لے گا اور راستے کی خوراک کا بندوبست بھی وہی کرے گا۔ اُس کے پاس گھوڑوں کی کمی نہیں تھی۔ شمیر ابلک اپنے چاروں سپاہیوں کو ساتھ لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اُس نے سپاہیوں کو بھی تیار کر لیا تھا۔ انہوں نے تیار تو ہونا ہی تھا کیونکہ شمیر ابلک نے انہیں اچھا خاصا حصہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

○

سلطنتِ سلجوقیہ کے دارالحکومت مَرو میں سالار اوریزی کی کامیابی کی دعائیں تو ہوتی ہی رہتی تھیں لیکن سلطان کے محل میں مایوسی بھی پیدا ہونے لگی تھی۔ محاصرے کو آٹھ مہینے گزر چلے تھے اور دسم کوہ سے اموات کی جو اطلاعیں آ رہی تھیں' وہ حوصلہ شکن تھیں۔ آخر مزمل اور بن یونس دو ہزار گھوڑ سوار لے کر ایک خاص منصوبے کے تحت گئے تو مایوسی میں کمی آنے لگی لیکن ابھی تک دسم کوہ سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ سلطان برکیارق اور اس کے دونوں بھائی محمد اور سنجر صبح اٹھتے تو سب سے پہلے یہ پوچھتے کہ دسم کوہ سے کوئی قاصد آیا ہے یا نہیں۔ آخر ایک روز قاصد آ گیا اور وہ بازو لہرا لہرا کر اعلان کرتا چلا آ رہا تھا کہ دسم کوہ کا قلعہ فتح کر لیا گیا ہے اور باطنیوں کا نام و نشان مٹ گیا ہے۔

سلطان تک خبر نہیں پہنچی تھی کہ یہ جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ شہر میں جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا اور جب یہ خبر سلطان کے محل میں پہنچی تو وہاں بھی خوشیاں ناچنے لگیں۔ شمونہ اور اس کی ماں میمونہ بھی دوڑی دوڑی سلطان برکیارق تک گئیں۔ سلطان کے محل میں شمونہ کو خصوصی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

"میں وہاں خود جاؤں گا" — سلطان برکیارق نے کہا — "ان مجاہدین کو خراج

Scanned by iqbalmt

تحسین پیش کرنے کے لئے میں خود وہاں جاؤں گا۔ یہ فتح کوئی معمولی فتح نہیں"۔

"میں بھی ساتھ جاؤں گی سلطان محترم!" — شمونہ جو پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی' بولی — "میں حسن بن صباح کے پیروکاروں کی لاشیں اور ان کی ہڈیاں دیکھنا چاہتی ہوں"۔

شمونہ دراصل مزمل آفندی کے لئے پریشان تھی۔ مزمل اور شمونہ نے عہد کر رکھا تھا کہ پہلے حسن بن صباح کا بیڑہ غرق کریں گے اور اس کے بعد شادی کریں گے۔ مزمل نے ایک فتح حاصل کرلی تھی۔ سلطان برکیارق نے شمونہ کو اجازت دے دی کہ وہ اس کے ساتھ جاسکتی ہے۔

جس وقت سالار اوریزی کا لشکر اور وہ گھوڑ سوار لشکر جسے مزمل آفندی لے کر گیا تھا' دسم کوہ کے باطنیوں کو گھیرے میں لے چکے تو ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا' اس قیامت خیزی میں تین باطنی لڑائی سے نکل گئے۔ تینوں زخمی تھے۔ انہوں نے قلعہ الموت کا رخ کرلیا۔ وہ حسن بن صباح کو بتانا چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

حسن بن صباح تو جیسے قلعہ دسم کوہ کو بھول ہی گیا تھا۔ وہ کبھی پوچھ لیتا تھا کہ دسم کوہ کا محاصرہ ٹوٹا کہ نہیں۔ اُسے ہر بار اچھی خبر سنائی جاتی تھی کہ محاصرہ ٹوٹا بھی نہیں اور کامیاب بھی نہیں ہوا اور مسلمانوں کے لشکر کا جانی نقصان مسلسل ہوتا چلا جارہا ہے۔

"یہ محاصرہ کامیاب نہیں ہوگا" — حسن بن صباح ہر بار یہی کہتا تھا۔

ایک دن یہ تینوں زخمی قلعہ الموت پہنچ گئے اور انہیں فوراً" حسن بن صباح کے کمرے میں بھیج دیا گیا۔ انہوں نے کہا' یا امام! ہم دھوکے میں مارے گئے ہیں۔ انہوں نے تفصیل سے سنایا کہ ان کے ساتھ کیا دھوکا ہوا ہے اور وہ سلجوقی فوج کی گھوڑ سوار کمک کو اپنی فوج سمجھ بیٹھے تھے اور سلجوقیوں کی باتوں میں آگئے۔

"یا شیخ الجبل!" — ایک مشیر نے کہا — "اگر ہم پہلے ہی محاصرے پر حملہ کر دیتے تو آج یہ خبر نہ سننا پڑتی۔ اب بھی کچھ نہیں گیا' ہمیں اسی وقت کوچ کر جانا چاہئے اور ہم قلعہ چھڑوالیں گے"۔

"میں اپنی طاقت ضائع نہیں کروں گا" — حسن بن صباح نے مسکراتے ہوئے کہا — "ہمارے پاس ایسی فوج ہے ہی نہیں جس سے ہم حملہ کریں۔ نہ میں ایسی فوج بناؤں گا۔ ہمارا ہر آدمی لڑ سکتا ہے لیکن ہم فوج کی طرح نہیں لڑیں گے۔ ہمارے ہر

فدائی کے پاس ایک خنجر یا ایک چھری ہونی چاہئے۔ اس سے زیادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس ابھی چودہ قلعے ہیں۔ یہ کافی ہیں۔ سلجوقی سالار نے مجھے بھی دھوکا دیا تھا کہ وہ قلعہ ملاذخان کی طرف پیشقدمی کر رہا ہے لیکن میں نے توجہ نہیں دی اور نہ کبھی توجہ دوں گا"۔

"تو کیا ہم اس نقصان کو برداشت کرلیں یا امام؟" — ایک اور مشیر نے پوچھا۔

"ضروری نہیں کہ ہم ایک قلعے کے بدلے قلعہ ہی لیں گے" — حسن بن صباح نے کہا — "ہم اس قلعے کی پوری قیمت سلجوقیوں سے وصول کرلیں گے اور دسم کوہ میں ہمارا جو مال و دولت گیا ہے' وہ بھی ہم پورا کرلیں گے.... اب میری بات غور سے سن لو اور اسی وقت اس پر عمل شروع ہو جائے.... اب اپنے گروہ رے اور شاہ در والی شاہراہ پر بھیج دو۔ دسم کوہ کی قیمت مسلمان قافلوں سے وصول کرو اور وہ جس خزانے پر قابض ہو گئے ہیں اس سے دگنا خزانہ ان سے پورا کرو۔ ان شہروں کے اندر کسی امیر کبیر تاجر یا جاگیردار کے گھر ڈاکہ ڈالنا پڑے تو یہ کام بھی کر گزرو۔ مسلمانوں کی قتل و غارت اور تیز کردو"۔

حسن بن صباح کے دماغ کو اس کے وہ مشیر اور مصاحب بھی نہیں سمجھ سکتے تھے جو ہر وقت اُس کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ بڑ نہیں ہانکا کرتا تھا اور کوئی بات غصے کی حالت میں بلا سوچے سمجھے زبان پر نہیں لاتا تھا۔ اس کی فطرت میں سوائے ابلیسیت کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اسے صحیح فیصلے پر پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی تھی۔ اس کی فطرت اس کے دماغ کی رہنمائی کرتی تھی۔

اس نے رے اور شاہ در کے اردگرد کے علاقوں کو رہزنی' لُوٹ مار اور قتل و غارت کے لئے اس لئے منتخب کیا تھا کہ رے تو مسلمانوں کی اکثریت کا شہر تھا اور اس شہر کا الگ حاکم یا امیر تھا۔ شاہ در کی اہمیت یہ تھی کہ اس شہر میں تقریباً" آدھی آبادی مسلمانوں کی تھی اور یہ مسلمان باطنیوں سے باہم متصادم رہتے تھے۔ اس کے علاوہ شاہ در میں اس کا استاد احمد بن عطاش رہتا تھا اور حسن بن صباح نے سفلی عمل اور ابلیسیت کی تربیت یہیں سے حاصل کی تھی اور اس کی امامت کا سفر یہیں سے شروع ہوا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سلجوقی سلطان کی نظر شاہ در پر لگی رہتی ہے اور کسی بھی روز شاہ در پر سلجوقی حملہ کردیں گے۔

Scanned by iqbalmt

ابو جندل پیشہ ور ڈاکو تھا اور اس کا اثر و رسوخ چلتا تھا۔ اس کے گروہ کا کوئی ایک بھی آدمی زندہ نہیں رہا تھا لیکن وہ پھر بھی انتظامات کر لیتا تھا۔ وسم کوہ کی جو صورت حال بنی ہوئی تھی' اس میں انتظامات کر لینا کوئی مشکل نہیں تھا۔ وہاں اندر اور باہر لاشیں ہی لاشیں تھیں اور ان لاشوں میں ابھی تک زخمی بے ہوش پڑے تھے جنہیں مرا ہوا سمجھا جا رہا تھا۔ شہر کی عورتیں اور بچے ان لاشوں کو پہچانتے پھر رہے تھے۔ سلجوقی فوج کے آدمی بھی اپنے سالار کے حکم کے مطابق ان لاشوں میں مسلمانوں کی لاشیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا رہے تھے۔

سورج غروب ہونے ہی والا تھا جب شمیر ایلک ایک گھوڑے پر سوار ان بکھری ہوئی لاشوں کے ارد گرد یوں پھر رہا تھا جیسے نگرانی کر رہا ہو۔ اس نے گھوڑے کا رخ ایک طرف کیا اور آہستہ آہستہ گھوڑے کو چلاتا کچھ آگے ایک ٹیکری کی اوٹ میں ہو گیا۔ وہاں اس نے گھوڑے کو ہلکی سی ایڑ لگائی اور گھوڑا دوڑا دیا۔

اُس کے چاروں سپاہی ایک ایک کر کے مختلف سمتوں سے نکلے اور اسی طرح دُور جا کر گھوڑے دوڑائے اور اُس جگہ پہنچ گئے جہاں ابو جندل پہلے موجود تھا۔ اُس کی دونوں بھتیجیاں اُس کے ساتھ تھیں اور اُس کے ساتھ دو کی بجائے تین فالتو گھوڑے تھے۔ وہاں گھوڑوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ لڑائی میں جو گھوڑ سوار مارے گئے تھے' ان کے گھوڑے میدانِ جنگ سے بھاگ کر اِرد گرد کے جنگل میں چلے گئے تھے۔ سالار اوریزی کے نوجوان گھوڑوں کو پکڑ پکڑ کر لا رہے تھے لیکن ابو جندل نے اس سے پہلے ہی تین گھوڑے پکڑ لئے اور اُس جگہ لے گیا تھا جو جگہ ان سب نے مقرر کی تھی۔

ابو جندل نے شمیر ایلک سے کہا تھا کہ دو کمانیں اور تیروں سے بھرے پانچ ترکش بھرے ہوئے ہونے چاہئیں۔ یہ چاروں سپاہی تجربہ کار تیرانداز تھے۔ وہ دو کمانیں اور پانچ سات ترکش ساتھ لے گئے تھے۔ ان کے پاس تلواریں تھیں اور برچھیاں بھی۔ ایک گھوڑے پر کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا جو بہت دنوں کے لئے کافی تھا۔ وہاں پانی کی کمی نہیں تھی۔

وہ جونہی اکٹھے ہوئے' اپنی منزل کو چل پڑے۔ انہوں نے گھوڑوں کی رفتار خاصی تیز رکھی۔ وہ اس کوشش میں تھے کہ صبح ہونے تک اتنی دُور نکل جائیں کہ تعاقب کا

خطرہ نہ رہے۔ تعاقب کا خطرہ بہت ہی کم تھا کیونکہ یہ سب جس طرح ایک ایک کر کے وسم کوہ سے نکلے تھے' انہیں کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ وہ جب اکٹھے ہوئے تھے تو ان پر شام نے اپنا دُھندلا پردہ ڈال دیا تھا جو بڑی تیزی سے رات کی تاریکی جیسا سیاہ ہو گیا تھا۔ ان کے پاس تین چار مشعلیں بھی تھیں جو انہوں نے جلائی نہیں کیونکہ مشعلوں کے شعلے دور سے ان کی نشاندہی کر سکتے تھے۔ ان مشعلوں کی ضرورت منزل پر پیش آنی تھی۔

"شمیر ایلک!" — راستے میں ابو جندل نے کہا — "اگر تمہیں میری نیت پر شک ہے تو میری تلوار اپنے پاس رکھ لو۔ یہ دل میں بٹھا لو کہ ہم اب ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ ہمارا انجام اچھا ہو گا یا بُرا' وہ ہم سے کسی ایک کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے ہو گا"۔

"نہیں میرے ہم سفر!" — شمیر ایلک نے کہا — "ہم مسلمان ہیں۔ اگر ہم ایک دوسرے کے خلاف دل میں ذرا سا بھی شک و شُبہ یا کدورت رکھیں گے تو ہم اپنی منزل تک پہنچ ہی نہیں سکیں گے اور اگر پہنچ گئے تو اس مہم میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے"۔

"ایک بات اور کہوں گا شمیر!" — ابو جندل نے کہا — "جس طرح تم نے دل سے شک و شُبہ اور کدورت نکال دی ہے اسی طرح دل سے یہ بھی نکال دو کہ تم مسلمان ہو اور میرا مذہب یا عقیدہ کچھ اور ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں کسی مجبوری کے تحت حسن بن صباح کا پیروکار بنا تھا۔ میں اُسے دھوکا دیتا رہا ہوں۔ تم بھی مذہب کی اس لکیر کو مٹا ڈالو۔ اگر یہ تمہارے لئے مناسب نہیں تو مجھے بھی مسلمان سمجھ لو"۔

"ہاں ابو جندل!" — شمیر ایلک نے کہا — "یہ میرے لئے مشکل ہے کہ مذہب کی لکیر کو مٹا ڈالوں۔ اس سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ میں تمہیں مسلمان سمجھوں اور تم بھی اپنے آپ کو دلی طور پر مسلمان سمجھتے رہو"۔

"اپنے آپ کو فریب نہ دو شمیر!" — ابو جندل نے کہا — "تم نے شاید ابھی محسوس نہیں کیا کہ تم اب نام کے مسلمان رہ گئے ہو۔ دل پر جب زر و جواہرات کا اور خوبصورت عورت کا قبضہ ہو جاتا ہے تو دل میں مذہب پرانے زخم کے نشان کی طرح باقی رہ جاتا ہے۔ اب اپنے آپ کو یہ دھوکہ نہ دو کہ تم وہ مسلمان رہ گئے ہو جو وسم کوہ کی روانگی سے پہلے ہُوا کرتے تھے۔ میں نے تمہیں اُس رات کو بھی کہا تھا جب ہم پہلے ملے تھے کہ حسن بن صباح نے جو جنت بنائی ہے وہ عارضی ہے۔ یہ شخص مر جائے گا تو آہستہ

Scanned by iqbalmt

آہستہ اس کی جنت بھی اُجڑ جائے گی اور وہ جنت جس کا وعدہ تمہیں خدا نے دیا ہے، وہ آسمانوں میں ہے اور معلوم نہیں کہ ہے بھی یا نہیں۔ جنت وہی ہوتی ہے جو انسان اپنے ہاتھوں بناتا ہے۔ میں تمہاری زندگی کو جنت کا نمونہ بنا دوں گا"۔

شمیر ابلک لشکری تھا یا اسے مجاہد کہہ لیں، عالمِ دین نہیں تھا کہ یہ فلسفہ سمجھ سکتا کہ انسان مال اور مذہب میں سے ایک ہی چیز کا پجاری ہو سکتا ہے۔ مسلمان کے لئے مالدار ہونا گناہ نہیں لیکن دل میں مال و دولت کا لالچ رکھنا ایسی گمراہی ہے کہ انسان صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے۔ وہ اپنے مذہب کو بھی دل میں زندہ رکھنا چاہتا تھا لیکن یہ حقیقت قبول نہیں کر رہا تھا کہ دل میں جب زر و جواہرات کی چمک آ جاتی ہے تو اس دل میں دین کی شمع بجھ جایا کرتی ہے۔ شمیر ابلک مسرور اور مطمئن چلا جا رہا تھا۔ فاصلے کم ہو رہے تھے اور رات گزرتی جا رہی تھی۔

صبح طلوع ہوئی تو دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔ ہرا بھرا جنگل اور سرسبز ٹیکریاں دور پیچھے رہ گئی تھیں اور وہ ایسے علاقے میں داخل ہو گئے تھے جہاں دیواروں کی طرح چھوٹی بڑی پہاڑیاں اور چٹانیں کھڑی تھیں۔ ان کا رنگ کہیں سلیٹی، کہیں مٹیالا اور کہیں سیاہی مائل تھا۔ ان کی شکلیں بھی عجیب و غریب تھیں۔ ابو جندل اس علاقے سے واقف تھا اور اس میں سے گزرنے کا راستہ بھی جانتا تھا۔ شمیر ابلک اور اس کے سپاہیوں کے لئے یہ علاقہ اور اس کے خدوخال ڈراؤنے سے تھے۔ کہیں کہیں ایک آدھ درخت کھڑا نظر آتا تھا ورنہ وہاں گھاس کی پتی بھی نظر نہیں آتی تھی۔

"یہ تو جنات اور بدروحوں کا دیس معلوم ہوتا ہے" — شمیر ابلک نے ابو جندل سے کہا — "میں نے ایسا بھیدا اور ڈراؤنا علاقہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا"۔

"ہاں شمیر!" — ابو جندل نے کہا — "لوگوں میں یہی مشہور ہے کہ اس علاقے میں بدروحیں اور چڑیلیں اور جنات رہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ کہاں تک سچ ہے لیکن اس کے اندر زہریلی چیزیں رہتی ہیں.... اب ہمیں کچھ دیر آرام کر لینا چاہئے۔ تعاقب کا خطرہ ختم ہو گیا ہے"۔

○

یہ سارا علاقہ پتھریلا تھا۔ اس کے اندر جا کر ابو جندل نے ایک جگہ دیکھی جو ذرا ہموار تھی اور وہاں پتھر بھی کم تھے۔ وہاں دو درخت بھی تھے جن کی صرف شاخیں تھیں، پتا

ایک بھی نہیں تھا۔ انہوں نے گھوڑے ان دو درختوں کے ساتھ باندھ دیئے اور الگ ہٹ کر بیٹھ گئے۔

رات بھر کے جاگے ہوئے مسافر زمین پر لیٹ گئے اور کچھ ہی دیر بعد گہری نیند سو گئے۔

اچانک ایک گھوڑا بڑی زور سے ہنہنایا اور فوراً بعد تمام گھوڑے اس طرح ہنہنانے لگے جیسے کوئی بہت بڑا خطرہ آ پڑا ہو۔ ان کے سوار جاگ اٹھے اور دیکھا کہ گھوڑے رسیاں تڑانے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کی اچھل کود سے پتہ چلتا تھا کہ انہوں نے کچھ دیکھ لیا ہے۔ وہ سب دوڑ کر گئے اور دیکھا۔ دس بارہ قدم دور ایک سیاہ کالا ناگ آہستہ آہستہ رینگتا جا رہا تھا۔

سانپ کو دیکھ کر ہر جانور اسی طرح ڈر جاتا اور بھاگ اٹھتا ہے۔ بعض گھوڑے تو سانپ کو دیکھ کر چلتے چلتے رک جاتے اور اس طرح کانپنے لگتے ہیں کہ ابھی گر پڑیں گے.. .. ابو جندل نے ایک کمان اٹھائی اور اس میں تیر ڈالا۔ سانپ پر تیر چلایا لیکن تیر اس کے قریب لگا۔

سانپ کو بھاگ جانا چاہئے تھا لیکن وہ رک گیا اور اس نے پھن پھیلا دیا اور پھنکارنے لگا۔ اس سے اس کے غصے کا اظہار ہوتا تھا۔ ایک سپاہی نے ابو جندل کے ہاتھ سے کمان لے لی اور اس میں تیر ڈال کر چلایا تو سانپ کے پھن کے پار ہو گیا۔ سانپ کچھ دیر لوٹ پوٹ ہوتا رہا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

آسمان پر گہرے بادل تو پہلے ہی منڈلا رہے تھے لیکن ان مسافروں کو معلوم نہ تھا کہ جس بے آب و گیاہ پہاڑی کے دامن میں انہوں نے پڑاؤ کیا ہے اس کے پیچھے سے سیاہ کالی گھٹا اٹھتی آ رہی ہے۔ اُدھر سانپ مرا اِدھر بڑی زور کی گرج سنائی دی اور پھر بجلی اور اس کے ساتھ ہی اس کی ایسی کڑک سنائی دی جیسے چٹان ٹوٹ پھوٹ گئی ہو۔ سب کے دل دہل گئے۔ گھوڑے جو سکون میں آ گئے تھے، پھر بدکنے لگے۔

بجلی رہ رہ کر چمکتی اور کڑکتی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ بجلیوں کو اس کالے ناگ کی موت پر غصہ آ گیا ہو۔ آسمان بڑی تیزی سے تاریک ہونے لگا اور گھٹا دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کے خوبصورت بادلوں کے ٹکڑوں کو نگلتی آگے ہی آگے بڑھتی گئی اور جب بارش شروع ہوئی تو لگتا تھا گھٹا کا سینہ پھٹ گیا ہو۔ ایسی موسلا دھار بارش کہ ایک ہاتھ دور کچھ

Scanned by iqbalmt

نظر نہیں آتا تھا اور جل تھل ہو گیا۔

وہاں بارش سے بچنے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ ابو جندل نے انہیں بتایا کہ یہاں غار ہیں لیکن خاصا آگے ہیں جہاں تک ہم اتنی جلدی نہیں پہنچ سکیں گے' اتنی دیر میں یہ گھٹا آگے نکل جائے گی.... وہ وہیں کھڑے رہے اور بارش کے قطرے ان پر اس طرح پڑتے رہے جیسے کوئی کنکریاں مار رہا ہو۔

"یہ سانپ کسی کی بد روح معلوم ہوتی ہے" — ایک سپاہی نے کہا — "اسے تیر لگا تھا کہ ہم پر یہ طوفان ٹوٹ پڑا"۔

"کسی وہم میں نہ پڑو میرے دوستو!" — ابو جندل نے کہا — "میں اس علاقے میں سے اتنی بار گزرا ہوں کہ مجھے یاد ہی نہیں رہا اور یوں لگتا ہے جیسے یہ میری زندگی کا راستہ ہے۔ ڈرو نہیں بارش تھم جائے گی"۔

"میں نے اتنی تیز بارش پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی" — شمیر ابلک نے کہا۔

"شمیر بھائی!" — ابو جندل نے اسے بڑی ہی دھیمی آواز میں کہا جیسے وہ راز کی کوئی بات کہہ رہا ہو — "میں ڈرانا نہیں چاہتا لیکن یہ سن لو کہ یہ کالا سانپ اور یہ کالی گھٹا اور یوں کڑکتی ہوئی بجلیاں اچھا شگون نہیں۔ خدا کرے ہماری مہم کامیاب ہو جائے لیکن سفر کی ابتدا اچھی نہیں ہوئی"۔

"میں دعا کروں گا" — شمیر ابلک نے کہا — "خدا ہمیشہ میری دعا سن لیا کرتا ہے"۔

"تم پہلے کی باتیں کرتے ہو" — ابو جندل نے کہا — "اب خدا تمہاری نہیں سنے گا۔ اب کوئی مصیبت آ پڑے تو مجھے بتاؤ یا خود اس کا مقابلہ کرو۔ تم خدا کے راستے سے ہٹ گئے ہو۔ اب میری طرح زندگی گذارو"۔

ڈیڑھ دو گھنٹوں بعد بارش تھمنے لگی اور گھٹا کچھ تو بکھر گئی اور باقی جو تھی وہ آگے نکل گئی۔ کم ہوتے ہوتے بارش رک گئی اور ان لوگوں نے چلنے کا ارادہ کیا لیکن وہاں پانی ہی پانی جمع ہو گیا تھا۔ یہ جگہ کشادہ تو تھی لیکن دو چٹانوں کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے دریا بن گئی تھی۔ سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل پڑے۔

آگے گئے تو جگہ تنگ ہوتی چلی گئی کیونکہ دونوں طرف ہی چٹانیں ایک دوسری کے قریب آ گئی تھیں۔ وہاں پانی اس طرح آ رہا تھا جیسے سیلابی دریا ہو۔ پانی کا بہاؤ بڑا ہی تند

تھا۔ ابو جندل نے کہا کہ یہ پانی گہرا نہیں ہے کہ اس میں کوئی ڈوب جائے لیکن گھوڑوں کے لئے اس میں چلنا خاصا مشکل ہو گا۔

گھوڑے یوں تو آگے بڑھتے جا رہے تھے' پانی کا زور زیادہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور نظر ایسے ہی آتا تھا کہ گھوڑے آگے نہیں جا سکیں گے لیکن پانی کم ہونے لگا اور آگے جگہ بھی ذرا کھلی سی آ گئی جس سے پانی پھیل گیا اور گھوڑے نکل گئے۔

○

یہ پتھریلا اور چٹانی علاقہ ختم ہونے ہی میں نہیں آ رہا تھا۔ چٹانوں کے درمیان چلتے چلتے آدھا دن گزر گیا اور آگے جا کر ان دو چٹانی پہاڑیوں میں جن کے درمیان وہ جا رہے تھے' راستہ ہی نہ رہا کیونکہ دونوں پہاڑیاں آگے جا کر مل گئی تھیں۔ ابو جندل اس راستے سے واقف تھا۔ وہ آگے آگے جا رہا تھا۔ اس نے اپنا گھوڑا دائیں طرف کر لیا اور پہاڑی کے دامن میں چلا گیا۔ وہاں کوئی راستہ نہیں تھا لیکن گھوڑے پہاڑی چڑھ سکتے تھے۔ ابو جندل کا گھوڑا پہاڑی چڑھنے لگا لیکن سیدھا اوپر جانے کی بجائے پہلو کے ساتھ ساتھ چڑھ رہا تھا۔ باقی گھوڑے اس کے پیچھے پیچھے قطار میں جا رہے تھے۔

شمیر ابلک اور اس کے سپاہیوں کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ فوج کے آدمی تھے اور فوجی گھوڑ سواری کی مہارت رکھتے تھے لیکن ایسی گھوڑ سواری انہوں نے کم ہی کبھی کی تھی۔ پہاڑی پتھریلی تھی اور گھوڑوں کے پاؤں پھسلتے تھے۔ اوپر جاتے جاتے وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں گھوڑا بمشکل پاؤں رکھ سکتا تھا۔ یہ اس پہاڑی کا ایک حصہ تھا جو اس کے سامنے تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بہت اونچی دیوار ہے اور گھوڑے اس دیوار پر جا رہے ہوں یا اس طرح جیسے بازی گر رسّے یا تار پر چلا کرتے ہیں۔ کسی گھوڑے کا پاؤں ذرا سا پھسل جاتا تو دائیں یا بائیں سوار سمیت لڑھکتا ہوا دور نیچے جا پہنچتا اور سوار کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ زیادہ مشکل دونوں لڑکیوں کو پیش آ رہی تھی۔ انہوں نے گھوڑ سواری تو کئی بار کی تھی لیکن وہ اتنی ماہر نہیں تھیں۔

"دائیں بائیں مت دیکھو" — ابو جندل نے آگے چلتے ہوئے بلند آواز سے کہا — "یہ سمجھو کہ گھوڑے میدان میں چلے جا رہے ہیں ورنہ ذرا سے کانپتے گھوڑے سے گر پڑو گے"۔

یوں لگتا تھا جیسے سوار نہیں بلکہ گھوڑے ڈر رہے ہوں۔ وہ تو پھونک پھونک کر قدم

Scanned by iqbalmt

رکھتے تھے اور ان کے جسموں کی حرکت بتا رہی تھی کہ گرنے سے ڈر رہے ہیں اور شاید آگے جانے سے انکار ہی کر دیں۔

"کسی کا گھوڑا رک جائے تو لگام کو جھٹکا نہ دینا" — ابو جندل نے ایک اور اعلان کیا — "ایسا نہ ہو کہ گھوڑا بدک کر پاؤں دائیں یا بائیں رکھ دے"۔

آخر اس پہاڑی کی یہ چوٹی ذرا چوڑی ہونے لگی لیکن اب بھی ہموار نہیں تھی اس لئے گھوڑوں کے پاؤں پھسلتے تھے۔ آگے جا کر یہ چوٹی زیادہ چوڑی ہو گئی اور اب گھوڑے دوسری پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ خطرناک حصہ ختم ہو گیا تھا اور اب جہاں گھوڑے چل رہے تھے یہ خاصی چوڑی جگہ تھی اور یہ پچھلا پہاڑ تھا جس کے اوپر جا کر آگے نیچے اترنا تھا۔

یہ قافلہ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا اور ابو جندل نے گھوڑا روک لیا۔ وہاں اوپر اتنی لمبی اور چوڑی جگہ تھی کہ سبھی گھوڑے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے۔ نیچے دیکھا تو بڑا ہی خوبصورت منظر نظر آیا۔ ہرا بھرا جنگل تھا' درختوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں اور لُو دے لُو دے بادل منڈلا رہے تھے۔ مغرب کی طرف سورج کچھ نیچے چلا گیا تھا اور اس کی کرنیں درختوں پر پڑتی تھیں تو بارش کے قطرے چمکتے تھے۔ کسی آبادی کا دور دور تک نشان نہ تھا۔ اس خوبصورت منظر کے دائیں بائیں ذرا اونچی پہاڑیاں تھیں لیکن بہت ہی دُور دُور۔ ان پر بھی سبزہ اور درخت تھے۔

"سبحان اللہ!" — شمیر ابلک نے بے ساختہ کہا — "یہ تو جنت کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ نے اس خطّے کو کیسا حسن بخشا ہے!"

"اللہ کا دیا ہُوا یہ حسن بڑا ہی خطرناک ہے شمیر بھائی!" — ابو جندل نے کہا — "یہاں سے دیکھنے سے تو یہ جنت کا ٹکڑا ہی لگتا ہے اور یہ کوسوں دُور تک پھیلا ہُوا ہے لیکن اس میں وہ شیر پایا جاتا ہے جس پر لمبی لمبی دھاریاں ہوتی ہیں۔ اس میں بھیڑیے بھی ہوتے ہیں جو اکیلے دکیلے نہیں بلکہ آٹھ آٹھ دس دس کے گروہ میں حملہ کرتے ہیں۔ یہاں اپنی برچھیاں اور تلواریں تیار رکھنا۔ اس خطّے کے اندر کوئی آبادی نہیں۔ آبادیاں بہت دُور ہیں۔ یہاں کبھی کوئی شکاری بھی نہیں آیا اس لئے شیروں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے کم نہیں ہوتی"۔

○

پہاڑی سے اترنا چڑھنے سے زیادہ خطرناک لگتا تھا۔ گھوڑے آخر اُتر گئے اور اس خوبصورت خطّے میں داخل ہو گئے۔ ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ سورج غروب ہونے کے لئے اُفق تک پہنچنے ہی والا تھا اور ان لوگوں نے دن بھر کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ وہاں کوئی خشک جگہ نظر آتی نہیں تھی لیکن ابو جندل ان علاقوں سے واقف تھا اس لئے وہ ذرا سا بھی پریشان نہیں لگتا تھا۔ اُس نے اپنے قافلے سے کہا کہ اب دن اور رات کا کھانا ایک ہی بار کھائیں گے اور ایک جگہ مجھے معلوم ہے جہاں ہم رات آرام بھی کریں گے۔

وہ چلتے چلے گئے۔ جنگل کچھ کم گھنا ہوتا جا رہا تھا اور اب جو زمین آ گئی تھی اس میں اونچے نیچے ٹیلے تھے اور گھاٹیاں بھی تھیں۔ کئی نشیبی جگہوں پر پانی بھرا ہُوا تھا۔ ایک جگہ بائیں طرف ایک ٹیلہ تھا جو دیوار کی طرح اونچا چلا گیا تھا اور اس کی شکل نیم دائرے جیسی تھی۔ اس کے وسط میں ایک غار صاف نظر آ رہا تھا جس کے آگے مٹی کا ڈھیر جم گیا تھا۔ اس کے سامنے پانی جمع تھا جو زیادہ لمبائی چوڑائی میں نہیں تھا۔

"وہ غار دیکھتے ہو؟" — ابو جندل نے آگے آگے جاتے پیچھے مڑ کر اپنے ساتھیوں سے کہا — "وہاں شیر رہتے ہیں اور اسے کچھار کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس وقت شیر اندر موجود ہو۔ وہ ایک بھی ہو سکتا ہے اور ایک سے زیادہ بھی"۔

"کیا شیر ہم اتنے آدمیوں پر حملہ کرے گا؟" — شمیر ابلک نے پوچھا۔

"اگر بھوکا ہُوا تو!" — ابو جندل نے کہا — "شیر کا پیٹ بھرا ہُوا تو اس کے قریب سے گزر جاؤ تو بھی وہ کچھ نہیں کہے گا"۔

اُس وقت یہ سب اس ترتیب میں جا رہے تھے کہ ابو جندل سب سے آگے تھا اُس کے پیچھے دونوں لڑکیوں کے گھوڑے تھے پھر شمیر ابلک کا گھوڑا تھا اور اس کے پیچھے سپاہی تھے۔ تین گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ تین فالتو گھوڑوں کی رسّیاں بندھی ہوئی تھیں اور وہ پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ ابو جندل ابھی انہیں بتا ہی رہا تھا کہ شیر بھوکا نہ ہو تو وہ حملہ نہیں کرتا کہ پیچھے سے زبردست آوازیں سنائی دیں جن میں ایک یہ تھی کہ ایک گھوڑا بہت ہی بُری طرح ہنہنایا اور اس کے ساتھ ہی غراہٹ سنائی دی تھی۔ سب نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو بڑا ہی خوفناک منظر نظر آیا۔ ایک دھاری دار شیر نے آخری خالی گھوڑے پر حملہ کر دیا تھا اور شیر کی پوزیشن یہ تھی کہ اس نے اوپر سے گھوڑے کی گردن اپنے منہ میں لے رکھی تھی اور اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ یہ گھوڑا ایک سپاہی کے گھوڑے کے پیچھے

Scanned by iqbalmt

بندھا ہُوا تھا۔ سپاہی کا گھوڑا ڈر کر دوڑ پڑا لیکن شیر نے اس کے ساتھ بندھے ہوئے گھوڑے کو بڑی مضبوطی سے دانتوں میں جکڑ رکھا تھا۔

شمیر ابلک نے نہایت پھرتی سے اپنا گھوڑا پیچھے موڑا اور ایڑ لگا دی۔ سپاہیوں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ شمیر ابلک نے سپاہی کے ہاتھ سے برچھی چھین لی اور شیر کے قریب سے گزرتے برچھی پوری طاقت سے ماری جو شیر کی پیٹھ میں اتر گئی۔ گھوڑے کی گردن سے شیر کے دانت اُکھڑ گئے اور شیر پیٹھ کے بل گرا۔

شمیر ابلک نے آگے جا کر گھوڑا روکا اور پیچھے کو مُڑا۔ شیر ایک ہی برچھی کے وار سے نہیں مرا کرتا۔ زخمی ہو کر وہ آخری وار کیا کرتا ہے۔ شیر برچھی کا زخم کھا کر پیٹھ کے بل گرا اور تیزی سے اٹھا۔ شمیر ابلک نے برچھی اس کی پیٹھ سے نکال لی تھی۔ شیر زخمی حالت میں بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ شیر نے شمیر ابلک کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس پر جھپٹنے کے لئے دوڑا لیکن اپنے گھوڑے کو موڑ کر اس کے قریب پہنچ چکا تھا اس نے شیر کو برچھی ماری جو اس کی گردن میں اتر گئی۔ اُدھر سے شمیر ابلک نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور شیر کے قریب سے گزرتے اسے برچھی ماری۔ اُس وقت شیر پہلو کے بل ہو گیا تھا۔ شمیر ابلک کی برچھی اس کے پہلو میں داخل ہو گئی۔ شمیر ابلک نے برچھی کھینچ لی اور آگے جا کر گھوڑا پھر موڑا لیکن اتنے میں دوسرے سپاہیوں نے برچھیوں سے شیر کو بے بس کر دیا اور شیر اٹھ نہ سکا۔

جس گھوڑے پر شیر نے حملہ کیا تھا وہ ٹھیک حالت میں معلوم نہیں ہوتا تھا۔ وہ زخمی بھی ہو گیا تھا اور خوفزدہ اتنا کہ بھاگنے کے لئے رسّی تڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ابُوجندل نے آ کر اس کی رسّی کھول دی۔ گھوڑا اتنا ڈرا ہُوا تھا کہ ایک طرف سرپٹ دوڑ پڑا۔

"گھوڑوں کے متعلق تو تم سب کچھ ضرور جانتے ہو گے" — ابُوجندل نے کہا — "لیکن تم شاید دیکھ ہی نہیں سکے تھے کہ یہ گھوڑا اب ہمارے کام کا نہیں رہا۔ اس کی گردن کی ہڈی اگرچہ ٹوٹی نہیں تھی تو ہل ضرور گئی تھی۔ تم نے دیکھا نہیں گھوڑا گردن اوپر نہیں اٹھا رہا تھا اور پھر یہ اتنا ڈر گیا تھا کہ ہم اسے ساتھ رکھتے تو ہمارے لئے مصیبت بنا رہتا۔ جانے دو اسے!"

گھوڑا تھا تو خوف زدہ ہی لیکن خوفزدگی کی سب سے زیادہ شکار دو لڑکیاں ہوئی تھیں جو تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ شمیر ابلک اور اس کے سپاہی فوجی تھے، وہ موت سے ڈرنے

والے نہیں تھے اور ابُوجندل ایسا مرد تھا جو ان جنگلوں میں سے اکثر گزرا تھا اور وہ ڈاکو تھا جو زندگی اور موت کا کھیل نہ جانے کب سے کھیل رہا تھا۔ ابُوجندل انہیں کچھ اور آگے لے گیا اور ایسی جگہ جا کر رُکا جہاں ایسا ہی ایک ٹیلہ تھا اور ٹیلے کے اندر کسی نے کھدائی کر کے چوکور سا کمرہ بنا رکھا تھا اور یہ مسافروں کے رکنے اور قیام کرنے کے کام آتا تھا۔ ابُوجندل نے انہیں بتایا کہ اس علاقے میں سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرا۔ قافلوں کے راستے بہت دُور تھے۔ ان علاقوں میں قافلوں کو لُوٹنے والے ہی آیا کرتے تھے۔

وہ اُس جگہ رُک گئے اور کھانا کھانے لگے۔ سورج غروب ہو گیا اور شام کا دھندلکا رات کے اندھیرے میں تبدیل ہو گیا تو انہوں نے مشعلیں جلا کر اس غار کے سامنے زمین میں گاڑ دیں۔ یہ مشعلیں روشنی کے لئے نہیں بلکہ درندوں کو ڈرانے اور انہیں دُور رکھنے کے لئے باہر گاڑی گئی تھیں۔

"ایک بات بتاؤ ابُوجندل!" — شمیر ابلک نے پوچھا — "تم نے اپنا خزانہ ایسی جگہ کیوں رکھا ہُوا ہے جہاں تک پہنچنے کے لئے موت کے منہ میں داخل ہونا پڑتا ہے؟"

"خزانے ایسی ہی جگہوں پر رکھے جاتے ہیں" — ابُوجندل نے جواب دیا — "اگر اتنے زیادہ زر و جواہرات اور اتنی زیادہ رقمیں گھروں میں رکھی جائیں یا آبادیوں کے قریب کہیں زمین کے اندر چھپا دی جائیں تو ڈاکو اس سے واقف ہو جاتے ہیں اور پھر خزانے کے مالک کی زندگی دو چار دن ہی رہ جاتی ہے۔ اسے قتل کر دیا جاتا ہے اور اس کا خزانہ قاتل لے اُڑتے ہیں"۔

پرانے زمانے کی کئی کہانیوں میں بادشاہوں اور ڈاکوؤں کے متعلق یہ ضرور پڑھا یا سنا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ یا فلاں ڈاکو نے فلاں جگہ اپنا خزانہ دبا کر رکھ دیا تھا۔ ان کہانیوں سے پتہ چلتا ہے کہ خزانے ایسی جگہوں پر لے جا کر چھپائے جاتے تھے جہاں تک پہنچنا بعض اوقات ناممکن ہو جاتا تھا۔ بحری قزاق تو اپنے خزانے اور بھی زیادہ دشوار گذار علاقوں میں لے جا کر کہیں چھپایا کرتے تھے کیونکہ ان کی زندگی سمندر میں گزرتی تھی۔ لُوٹ مار کر کے کبھی کبھی خشکی پر آیا کرتے تھے۔

خزانوں کے مالک اکثر اُس جگہ تک راستے کا نقشہ بنا کر اپنے پاس رکھتے تھے جس جگہ وہ خزانہ دباتے تھے۔ بعض اوقات مالک مر جاتا اور نقشہ کسی اور کے ہاتھ چڑھ جاتا تو وہ اس خزانے تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایسے مدفون خزانوں کے متعلق پُراسرار

Scanned by iqbalmt

کہانیاں بھی سنائی جاتی ہیں جو غلط معلوم نہیں ہوتیں۔ عام طور پر کہانیوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مالک خود یا اس کے بعد کوئی اور خزانہ نکالنے گئے تو وہاں ان پر ایسی مصیبت نازل ہوئی کہ وہ مارے گئے یا آپس میں لڑ پڑے اور انہوں نے ایک دوسرے کو ختم کر دیا۔

ان کہانیوں کو فرضی اور افسانوی سمجھا جاتا رہا ہے اور ان میں اکثر افسانوی ہی ہوا کرتی ہیں لیکن ابو جندل اور شمیر ایلک کی کہانی کو تاریخ میں جو مقام ملا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم یہ ایک سچی کہانی ہے۔ اسے حسن بن صباح کے دور کی ایک اہم واردات بنا کر غالباً اس لئے تاریخ میں شامل کیا ہے کہ لوگ سمجھ سکیں کہ مال و دولت اور عورت کی چکا چوند اچھے بھلے مردِ مومن کو کن رفعتوں سے گرا کر پستیوں میں غائب کر دیتی ہے۔

○

رات وہاں گذار کر صبح وہ چل پڑے اور آدھا دن گزر جانے کے بعد ایک سیلابی ندی نے ان کا راستہ روک لیا۔ ابو جندل نے انہیں بتایا کہ وہ ایسے وقت یہاں پہنچے ہیں جب ندی میں سیلاب آیا ہوا ہے، ورنہ یہ ندی تو بڑی خوبصورت اور پیاری ہے، اس کا پانی شفاف اور کم گہرا ہوتا ہے جس میں سے گھوڑے تو کیا آدمی بھی آسانی سے گزر جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر ابو جندل نے اپنا گھوڑا ندی میں ڈال دیا۔ یہ فوج کا گھوڑا تھا جو سیلاب سے لڑتا جھگڑتا پار چلا گیا۔ اس کے پیچھے باقی گھوڑوں نے بھی ندی پار کر لی۔ ندی اتنی گہری ہو گئی تھی کہ چند قدم گھوڑوں کو اس میں تیرنا پڑا تھا۔ پار جا کر شمیر ایلک نے اپنا گھوڑا ابو جندل کے ساتھ کر لیا۔

"شمیر بھائی!" — ابو جندل نے کہا — "مجھے ان جنگلوں میں گھومتے پھرتے اور ان میں سے راستہ بنانے کا اور پھر قافلے لوٹ کر انہی جنگلوں میں غائب ہو جانے کا اتنا زیادہ تجربہ ہے کہ میں ہوا میں خطرے کی بُو سونگھ لیا کرتا ہوں۔ میں ان ہی جنگلوں میں سے نہ جانے کتنی بار گزرا ہوں۔ ان خطروں میں سے ہمیشہ آگاہ رہا ہوں لیکن یوں نہیں ہُوا جیسے اب ہو رہا ہے۔ نہ کبھی کسی بدروح نے میرا راستہ روکا تھا نہ کبھی شیر نے حملہ کیا تھا۔ میں یہاں ناگ بھی دیکھتا رہا ہوں اور شیر بھی اور بھیڑیئے بھی لیکن میں یہاں سے ہر بار زندہ گزر گیا ہوں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ سفر کی ابتدا ہی ایک بہت بُرے شگون سے ہوئی ہے۔ پھر ایک شیر نے ہم پر حملہ کیا اور پھر معصوم سی ندی نے ہمارا راستہ روکنے کی

کوشش کی"۔

"تو پھر کیا کرنا چاہئے؟ — کیا ہمیں واپس چلے جانا چاہئے یا ان خطروں میں بڑھتے ہی چلے جائیں؟"

"میں نے تمہیں پہلے بتایا ہے کہ میں پیشہ ور قزاق ہوں" — ابو جندل نے کہا — "پیشہ ور قزاقوں کے اپنے عقیدے اور اپنے وہم ہوتے ہیں۔ ہم پر جب خطرے منڈلاتے ہیں اور ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ خطرے ہمیں دبوچ کر ہمیں ختم کر دیں گے تو ہم ایک کنواری لڑکی کی جان کی قربانی دیا کرتے ہیں لیکن یہاں میں ایسی قربانی نہیں دے سکتا۔ اگر یہ دو لڑکیاں میرے مرے بھائی کی بیٹیاں نہ ہوتیں تو میں ان میں سے ایک کی قربانی دے دیتا۔ میں اس سے بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ منزل تک پہنچ جاؤں اور ضرورت پڑے تو اپنی جان کی قربانی دے دوں.... میں اس لئے خبردار کر رہا ہوں کہ ہر وقت چوکس اور چوکنے رہنا۔ معلوم نہیں کس وقت کیا ہو جائے۔ اس جنگل کے حسن کو ہی نہ دیکھتے رہنا۔ تم نے جس طرح شیر مار لیا تھا اسی طرح ہر خطرے پر قابو پا لو گے۔ رات سوؤ بھی اس طرح جیسے تمہاری ایک آنکھ کھلی ہوئی ہو۔ رات کو مجھ پر بھروسہ نہ کرنا۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں رات حشیش پی کر سوتا ہوں اور مجھے اس دنیا کی کوئی ہوش نہیں رہتی"۔

اُس رات اس قافلے نے ایسی جگہ پڑاؤ کیا کہ ان پر چند ایک درختوں کا چھاتہ اور نور آسمان تھا۔ وہ الگ الگ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سوئے۔ آدھی رات سے کچھ پہلے شمیر ایلک کو ایک لڑکی نے جگایا وہ ہڑبڑا کر اٹھا جیسے کوئی خطرہ آگیا ہو۔ لڑکی نے کہا کہ گھبرانے والی کوئی بات نہیں اور وہ اس کے ساتھ تھوڑی دور تک چلے۔ وہ اٹھا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ چند قدم دور اس لڑکی کی دوسری بہن ایک درخت کے تنے کی کوکھ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ دونوں بھی اس کے قریب بیٹھ گئے۔ اس کا ایک ہاتھ ایک لڑکی نے اور دوسرا دوسری لڑکی نے پکڑ لیا۔ دونوں لڑکیوں نے اُس کے ہاتھ چومے۔

"ہمارے چچا سے نہ ڈ و" — ایک لڑکی نے کہا — "وہ حشیش پی کر سوتا ہے اور صبح ہوش میں آتا ہے۔ ہم دونوں صرف یہ بتانا چاہتی ہیں کہ ہم باقی عمر تمہارے ساتھ گذاریں گی۔ ہمیں لونڈیاں بنا کر رکھ لو چاہے شادی کر لو اور اگر تم ہمیں داشتہ بنا کر رکھو گے تو بھی ہمیں منظور ہے۔ ہم اپنے چچا کو اپنی ذمہ داری سے آزاد کرنا چاہتی ہیں اور

Scanned by iqbalmt

حقیقت یہ ہے کہ تم نے ہمارے دل جیت لئے ہیں"۔

"تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں تم دونوں کی خاطر تمہارے چچا کے ساتھ آیا ہوں" — شمیر ابلک نے کہا — "ورنہ اس شخص پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے تھا"۔

"لیکن ہمیں ایک ڈر ہے" — دوسری لڑکی نے کہا — "تمہیں جب خزانہ مل جائے گا تو تم ہمیں بھول جاؤ گے"۔

"ایسا نہیں ہو گا" — شمیر ابلک نے کہا — "میں ڈرتا ہوں کہیں تم مجھے دھوکہ نہ دے جاؤ"۔

دونوں لڑکیوں نے بڑے ہی والہانہ انداز سے محبت کا اظہار کیا۔ ان کا رویہ ایسا تھا جیسے دونوں نے اپنا آپ اس کے حوالے کر دیا ہو۔ شمیر ابلک کی ایک ہی بیوی تھی جس سے اس کے تین بچے تھے اور اس کی عمر چالیس برس ہو چکی تھی۔ اس پر تو دونوں لڑکیوں نے خود فراموشی کی کیفیت طاری کر دی۔ ابو جندل تو حشیش کے نشے میں گہری نیند سویا ہوا تھا' شمیر ابلک پر ان لڑکیوں کے حسن کا اور ان کی جوانی کا نشہ طاری ہو گیا۔ اُس نے چاہا کہ باقی رات یہ لڑکیاں اسی طرح اس کے پاس بیٹھی رہیں اور وہ ان کے نشے میں بدمست ہوتا چلا جائے۔ اُس کے ذہن میں اگر ابو جندل کے خلاف کچھ تھوڑا سا شک رہ گیا تھا تو وہ ان دونوں لڑکیوں نے صاف کر دیا۔

لڑکیاں چلی گئیں اور شمیر ابلک کچھ دیر وہیں بیٹھا ان لڑکیوں کے طلسماتی خیال میں کھویا رہا۔ اس سے پہلے سفر کے دوران یہ لڑکیاں اسے دیکھ دیکھ کر اس طرح مسکراتی رہی تھیں جیسے وہ اسے بہت پسند کرتی ہوں اور اس کے ساتھ الگ تھلگ میں بیٹھنا چاہتی ہوں۔ ان کا یہی انداز شمیر ابلک کو دیوانہ بنائے ہوئے تھا مگر اب لڑکیاں رات کی تاریک تنہائی میں اس کے پاس آ بیٹھیں اور اس کے اتنا قریب ہو گئیں کہ وہ ان کے جسموں کی بُو سُونگھ سکتا تھا تو وہ کسی اور ہی دنیا پہنچ گیا۔

کہیں قریب سے ہی اسے بھیڑیوں کی لمبی ہُو کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں اچانک اٹھی تھیں اور تمام بھیڑیے ایک ہی بار بولنے لگے تھے۔ شمیر ابلک بیداری کے خواب سے یک لخت ہڑبڑا کر بالکل ہی بیدار ہو گیا اور اٹھ کھڑا ہُوا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا اس جگہ پہنچا جہاں وہ سویا ہُوا تھا۔ وہاں لیٹا اور اس نے باقی رات جاگتے گذار دی۔

صبح ابھی دُھندلی تھی جب یہ قافلہ جاگا اور بڑی تیزی سے سامان سمیٹ کر اور گھوڑوں پر زینیں ڈال کر چل پڑا۔ جوں جوں صبح کا اُجالا نکھرتا آ رہا تھا زمین کے خدوخال بدلتے جا رہے تھے۔ درخت بہت کم ہو گئے تھے اور گھاس بھی کم ہوتی جا رہی تھی اور تھوڑی ہی دور آگے زمین ایسی آ گئی جیسے نہ جانے کتنی مدت سے پانی کی بوند کو ترس رہی ہو۔ درخت تو کہیں کہیں نظر آتے تھے اور یہ درخت بالکل خشک تھے جن کے تُھن تو تھے لیکن ٹہنیاں نہیں تھیں۔ جھاڑیاں بالکل خشک اور خاردار تھیں۔ زمین کئی پھٹی تھی۔ کہیں زمین اُبھری ہوئی تھی اور کہیں نشیب میں چلی جاتی تھی اور کہیں ٹیلے یوں کھڑے تھے جیسے زمین پر گاڑے ہوئے مخنی اور بھدے اور بدصورت سے ستون ہوں۔ زمین پر کسی گھوڑے یا اونٹ یا کسی انسان کا تازہ یا پرانا نقشِ پا نہ تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ اِدھر سے کبھی کوئی نہیں گزرا اور یہ پہلے انسان ہیں جو اس طرف آ نکلے ہیں۔

جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے مٹی ریت میں تبدیل ہوتی گئی اور دو تین میل آگے گئے تو لق و دق صحرا شروع ہو گیا۔ وہاں بھُربھرے سے ٹیلے بھی تھے اور دو منزلہ مکان جتنے اونچے ریت کے ڈھیر بھی تھے اور یوں لگتا تھا جیسے قدرت نے یہ گول گول ڈھیر بڑی محنت سے یہاں لگائے ہوں۔

"یہ ہے صحرا کا اصل خطرہ!" — ابو جندل نے اپنے ساتھیوں کو بتایا — "ناواقف مسافر ان ڈھیروں میں داخل ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ ان میں سے نکل جائے گا لیکن ان کے اندر ایسی بھول بھلیاں ہیں کہ بعض مسافر ان ڈھیروں میں سے دو تین کے اردگرد ہی گھومتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت فاصلہ طے کر لیا ہے لیکن وہ وہیں کے وہیں ہوتے ہیں حتیٰ کہ پیاس اور پھر بھوک انہیں وہیں گرا لیتی ہے اور ریت ان کے جسموں سے زندگی کا رس چُوس لیتی ہے.... میں ان سے واقف ہوں اس لئے میں جب بھی اِدھر آیا ہوں' دور کا چکر لگا کر گیا ہوں"۔

ابو جندل انہیں ایک طرف لے گیا۔ اس طرف زمین اوپر ہی اوپر اُٹھتی جا رہی تھی۔ نظر تو یوں آتا تھا جیسے یہ زمین پکی ہے اور پاؤں کے نیچے مٹی ہے لیکن جب پاؤں رکھتے تھے تو ریت میں دھنس جاتا تھا۔ بلندی پر جا کر ریت کی ان ڈھیریوں کو دیکھا تو وہ میلوں وسعت میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ابو جندل اپنے قافلے کو دُور دُور سے نکال کر آگے لے گیا۔

Scanned by iqbalmt

سورج سر پر آگیا تو آگے یوں نظر آتا تھا جیسے زمین جل رہی ہو اور اس سے شعلے اٹھ رہے ہوں۔ ان میں سے آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا کیونکہ یہ شفاف سے شعلے جھلمل کرتے تھے۔ قافلہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا تھا' یہ جھلملاتے ہوئے شفاف شعلے آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

پیاس ایک قدرتی امر تھا۔ ابو جندل نے پچھلے پڑاؤ سے روانگی سے پہلے ہی پانی کا ذخیرہ چھوٹے چھوٹے مشکیزوں میں بھر لیا تھا۔ ہر گھوڑے کے ساتھ ایک مشکیزہ بندھا ہوا تھا۔ سب نے پانی پیا اور چلتے چلے گئے۔

ابو جندل نے انہیں بتایا کہ یہ ریگستانی خطہ شام سے بہت پہلے ختم ہو جائے گا اور کچھ ہی دور آگے ایک نخلستان آئے گا جہاں رک کر کھانا کھائیں گے اور تھوڑا سا آرام کر کے آگے چلے جائیں گے۔

سورج جب مغرب کی طرف چلا گیا تو دور سے کھجور کے درخت نظر آنے لگے۔ گھوڑے پیاس سے بے چین ہوئے جا رہے تھے اور تھک بھی گئے تھے کیونکہ ان کے قدم ریت میں دھنس رہے تھے.... آخر نخلستان آ ہی گیا۔ وہاں پانی کا چھوٹا سا تالاب تھا اور کھجور کے درختوں کی اتنی افراط کہ سایہ ہی سایہ تھا حالانکہ کھجور کے درخت کا سایہ بے کار ہوتا ہے۔ گھوڑے سواروں کے اترتے ہی پانی کی طرف دوڑ پڑے اور پانی پینے لگے۔

قافلے نے کھانا کھایا' پانی پیا اور تھوڑا سا آرام کر لیا۔ گھوڑے پانی پی چکے تھے۔ یہ لوگ اٹھے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ گھوڑے تو تھکے ہوئے لگتے ہی تھے لیکن ان کے سواروں کے چہروں سے پتہ چلتا تھا کہ خزانے کا لالچ نہ ہوتا تو وہ وہیں تھکن سے گر پڑتے اور گہری نیند سو جاتے۔ ان کے جسم تو جیسے ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ زیادہ بُری حالت لڑکیوں کی تھی۔ ابو جندل انہیں اچھی اچھی اور پُر امید باتیں سناتا جا رہا تھا تاکہ یہ لوگ ذہنی طور پر بیدار اور مستعد رہیں۔

آگے پھر ویسا ہی صحرا تھا لیکن کچھ آگے جا کر ریت مٹی میں تبدیل ہونے لگی تھی اور دو اڑھائی میل دور ہرے بھرے درخت نظر آنے لگے تھے۔ ابو جندل آگے آگے جا رہا تھا۔ اس نے اچانک لگام کھینچ کر گھوڑا روک لیا اور ایک ہاتھ بلند کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ سب رُک جائیں۔ وہ گھوڑے سے کود کر اترا اور چند قدم آگے جا کر زمین پر جھک

شمیر ابلک بھی گھوڑے سے اترا اور اُس تک پہنچا۔

"یہ دیکھو شمیر!" — ابو جندل نے زمین کی طرف اشارہ کر کے کہا — "کیا تم کہہ سکتے ہو کہ یہ گھوڑوں کے نشان نہیں؟"

"ہاں ابو جندل!" — شمیر ابلک نے کہا — "یہ بلاشک و شبہ گھوڑوں کے پاؤں کے نشان ہیں.... اور یہ نشان پرانے نہیں ایک دو روز پہلے کے لگتے ہیں"۔

ابو جندل اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اُس طرف کچھ دُور تک چلا گیا جدھر سے یہ گھوڑے آ رہے تھے۔ کھُروں کے نشان صاف دکھائی دے رہے تھے کہ گھوڑے کدھر سے آئے ہیں اور کدھر گئے ہیں۔ ابُو جندل رک گیا۔ شمیر ابلک بھی گھوڑے پر سوار ہو کر اُن کے پیچھے چلا گیا تھا۔

"ادھر سے عام لوگ نہیں گزرا کرتے" — ابو جندل نے کہا — "ادھر کسی فوج کے گھوڑ سوار نہیں آ سکتے۔ یہ خطہ سلطانوں اور بادشاہوں اور اماموں کی دنیا سے بہت دور ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اس خطے پر خدا کا قہر برستا رہتا ہے۔ ادھر سے کوئی مجھ جیسا ہی اور ڈاکو ہی گزر سکتا ہے۔ ہمیں اب زیادہ ہوشیار ہو کر آگے جانا پڑے گا"۔

وہ قافلے کے باقی افراد کو لے کر آگے چل پڑے اور سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ وہ پھر ہرے بھرے خطے میں داخل ہو گئے۔ ابو جندل اور شمیر ابلک راستے میں زمین پر دیکھتے آئے تھے کہ قدموں کے اور نشان بھی ملیں گے۔ نشان ملے تھے لیکن وہ دوسری طرف چلے گئے تھے۔

انہوں نے اس سرسبز جگہ پر رات کو پڑاؤ کیا۔ زمین خشک تھی اور گھاس بڑی ملائم اور نرم تھی۔ ابو جندل نے سپاہیوں سے کہا کہ وہ چاروں رات کو اس طرح پہرہ دیں کہ ایک آدمی پہرے پر کھڑا رہے اور دوسرے باری باری پہرہ دیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ جو پہرے پر کھڑا ہو اس کے پاس کمان اور ترکش ضرور ہونے چاہئیں۔ ابُو جندل خطرہ محسوس کر رہا تھا جس کی نشاندہی گھوڑوں کے ان قدموں کے نشانوں نے کی تھی جو اس نے دیکھے تھے۔

کھانے کے بعد وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے اور جب سونے لگے تو ایک سپاہی پہرے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک جگہ کھڑا ہی نہیں رہنا تھا۔ انہوں نے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں آمنے سامنے دو ہری بھری ٹیکریاں تھیں اور ایک ٹیکری آگے تھی۔

Scanned by iqbalmt

پہرے والے سپاہی کو بتایا گیا تھا کہ وہ اپنے پہرے کے دوران ان ٹیکریوں کے پیچھے بھی جائے اور اوپر جا کر بھی دیکھے اور پوری طرح بیدار رہے۔

○

چاروں سپاہیوں نے باری باری رات بھر گھوم پھر کر پہرہ دیا اور صبح کا اُجالا آہستہ آہستہ نکھرنے لگا۔ آخری سپاہی جو پہرے پر تھا' وہ ایک ٹیکری کے پیچھے تھا۔ اسے غالباً معلوم تھا کہ اس کے ساتھی دیر سے جاگیں گے اس لئے اس نے پہرے پر ہی رہنا بہتر سمجھا۔

اُسے ٹیکری کے اُس طرف جدھر اس کے ساتھی سوئے ہوئے تھے' کچھ آوازیں اور آہٹیں سی سنائی دیں۔ وہ سمجھا کہ اس کے ساتھی جاگ اٹھے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ٹیکری کے اُس سرے پر آیا جہاں ٹیکری ختم ہوتی تھی۔ وہاں دو چوڑے تنوں والے درخت تھے۔ اس نے جب اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو وہاں کوئی اور ہی منظر نظر آیا۔ آٹھ آدمی تھے جنہوں نے منہ اور سر سیاہ پگڑیوں میں لپیٹ رکھے تھے۔ انہوں نے لمبے چُغے پہن رکھے تھے جو ان کے گھٹنوں تک گئے ہوئے تھے۔ آٹھ گھوڑے کچھ دور کھڑے گھاس کھا رہے تھے۔

دو آدمیوں نے دونوں لڑکیوں کو پکڑ رکھا تھا اور باقی آدمیوں نے تلواریں ہاتھوں میں لے رکھی تھیں اور ہر ایک نے تلوار کی نوک ایک ایک آدمی کی شہ رگ پر رکھی ہوئی تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ کوئی ڈاکو تھے جنہوں نے اس قافلے کو نیند میں دبوچ لیا تھا اور انہیں ہتھیار اٹھانے کی مہلت نہیں دی تھی۔ وہ لڑکیوں کو لے جانا چاہتے تھے جس میں کوئی شک ہی نہیں تھا۔ وہ ابو جندل اور شمیر ابلک سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ لڑکیاں ان دونوں آدمیوں کی گرفت میں تڑپ رہی تھیں۔

پہرے والے سپاہی نے اپنی کمان میں ایک تیر ڈالا۔ فاصلہ بیس بائیس گز ہو گا۔ اُس نے تیر کھینچ کر جو چھوڑا تو وہ ایک آدمی کی گردن میں اتر گیا۔ اُس آدمی نے ایک لڑکی کو پکڑ رکھا تھا۔ اس نے فوراً لڑکی کو چھوڑا اور اپنی گردن پر دونوں ہاتھ رکھے۔

سپاہی نے بڑی تیزی سے کمان میں دوسرا تیر ڈالا اور جس آدمی نے دوسری لڑکی کو پکڑا ہوا تھا' اس کو شست میں لے کر تیر چھوڑ دیا۔ اس کا نشانہ بے خطا تھا۔ تیر اپنے نشانے کے گال کے ایک طرف لگا اور دوسری طرف باہر ہو گیا۔ اس نے بھی لڑکی کو چھوڑا اور اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لئے۔

سپاہی نے اسی تیزی سے تیسرا اور چوتھا تیر چلایا اور اس کا ایک تیر بھی خالی نہ گیا۔ ڈاکوؤں میں ہڑبونگ بپا ہو گئی۔ انہیں یہ تو پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ تیر کس طرف سے آ رہے ہیں۔ ان کی ہڑبونگ سے قافلے والوں کو ہتھیار اٹھانے کا موقع مل گیا۔ ادھر سے جوابی تیر اندازی کر رہا تھا۔ اس نے پانچ آدمیوں کو مار لیا۔

تین ڈاکو بچ گئے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ابو جندل' شمیر ابلک اور باقی تین سپاہیوں نے تلواریں اور برچھیاں اٹھالی ہیں تو وہ تینوں بہت تیزی سے دوڑ پڑے۔ ان کا پیچھا کیا گیا لیکن وہ کود کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ایڑ لگا دی۔ گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ اس طرح ڈاکو اپنے پانچ ساتھیوں کی لاشیں اور پانچ گھوڑے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

"میرے دوستو!" — ابو جندل نے کہا — "ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور بھی ہماری منزل کے قریب آ گیا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ اب کیا ہو گا لیکن ڈرنے کی بھی ضرورت نہیں' البتہ پوری طرح ہوشیار اور بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔ ہر وقت ہتھیار پاس ہونا چاہئے اور ایک ہاتھ اپنے ہتھیار پر رکھو تاکہ خطرے کی صورت میں بچ سکو گے.... اور تم دونوں لڑکیاں سن لو.... تم کسی سلطان شہزادے کے حرم کی لڑکیاں نہیں ہو جن کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے آقا کو خوش رکھیں۔ تم میری بھتیجیاں ہو۔ اپنے باپ کو یاد کرو۔ وہ بڑا جری اور جابر مرد تھا۔ تم جانتی جانتی ہو۔ اگر کوئی خطرہ آ پڑا تو مردوں کی طرح لڑنا ہے' عورتوں کی طرح ڈرنا نہیں"۔

"یہ تو ہم نیند میں پکڑی گئی تھیں" — ایک لڑکی نے کہا — "میں نیند سے ہڑبڑا کر اٹھی تو ایک آدمی نے میرے بازو پیٹھ پیچھے جکڑ دیئے تھے۔ اگر ہم دونوں بیدار ہوتیں اور ہم پر ڈاکو حملہ کرتے تو پھر تم دیکھتے کہ ہم کیا کر سکتی ہیں"۔

ابو جندل نے انہیں کہا کہ فوراً" کوچ کرو تاکہ ہم شام سے پہلے پہلے منزل پر پہنچ جائیں۔

○

سورج غروب ہونے میں ابھی دو اڑھائی گھنٹے باقی تھے جب وہ اُس خطے میں پہنچ گئے جہاں کی منزل تھی۔

Scanned by iqbalmt

وہ بھی بے آب و گیاہ خطّہ تھا۔ وہ ویسا ہی تھا جیسا یہ لوگ پہلے ایک جگہ دیکھ آئے تھے۔ سلوں والی گہری سلیٹی رنگ کی چٹانیں تھیں اور کچھ اونچی پہاڑیاں بھی تھیں۔ پتھریلی ٹیکریاں بھی تھیں لیکن وہاں گھاس کی ایک پتی بھی نظر نہیں آتی تھی یوں لگتا تھا جیسے ان چٹانوں اور پہاڑیوں سے آگ کی طرح سورج کی تپش خارج ہو رہی ہو۔ ہوا بہت ہی تیز چل رہی تھی جو تیز ہی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یہ جب سلوں والی چٹانوں سے ٹکرا کر گزرتی تھی تو ہلکی ہلکی چیخیں سنائی دیتی تھیں جو انسانی چیخوں جیسی تھیں۔ کبھی تو یوں لگتا تھا جیسے عورتیں اور بچے ان پہاڑیوں کے اندر کہیں کسی مصیبت میں پڑے ہوئے ہیں اور چیخ چلّا رہے ہیں۔

یہ خطّہ بھی بدروحوں کا مسکن لگتا تھا۔ یہ سارا ماحول دل پر گھبراہٹ اور خوف کا بوجھ پیدا کرتا تھا لیکن ابو جندل کا چہرہ پُرسکون تھا اور اس کا انداز ایسا جیسے وہ یہاں ذرا سی بھی اجنبیت محسوس نہ کر رہا ہو۔

"اب ذرا ہوشیار رہنا شمیر ابلک!" — ابو جندل نے کہا — "ہمیں اِدھر اُدھر گھوم پھر کر اور اچھی طرح دیکھ بھال کر کے اندر جانا چاہئے تھا لیکن اتنا وقت نہیں۔ رات آ گئی تو مشعلوں کے باوجود ہمارا کام مشکل ہو جائے گا۔ میں تم سب کو سیدھا اندر لے جا رہا ہوں۔ اب جو ہوتا ہے ہوتا رہے، مقابلہ کریں گے"۔

"بات ذرا صاف کرو ابو جندل!" — شمیر ابلک نے کہا — "وہ خطرہ ہے کیسا جو تم محسوس کر رہے ہو؟ مجھے الفاظ میں بتا دو تاکہ میں اس کے مطابق خود بھی تیار رہوں اور اپنے ان ساتھیوں کو بھی تیار رکھوں"۔

"آسمان سے کوئی آفت نہیں گرے گی" — ابو جندل نے کہا — "یہ خطرہ انسانوں کا ہی ہو گا۔ وہ جو تین آدمی زندہ نکل گئے تھے، وہ کہیں دور نہیں چلے گئے، یہیں کہیں ہوں گے اور وہ یہاں آ سکتے ہیں"۔

"آنے دو" — شمیر ابلک نے کہا — "آنے دو انہیں.... اب ہم سوئے ہوئے نہیں ہوں گے.... چلو آگے!"

ابو جندل آگے آگے تھا۔ وہ چٹانوں کی بھول بھلیوں میں داخل ہو گیا۔ باقی سب پیچھے ایک قطار میں جا رہے تھے۔ اب ان کے پاس فالتو گھوڑے سات تھے۔ دو ڈاکوؤں کے گھوڑے بھی اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

ابو جندل کبھی دائیں مڑتا کبھی بائیں مڑتا اور یہ لوگ بھول ہی گئے کہ وہ کدھر سے آئے ہیں اور کتنے موڑ مڑ چکے ہیں۔ صرف ابو جندل راستے سے واقف تھا اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ واپس کس طرح آنا ہے۔ وہاں اندر چھوٹی بڑی بے شمار چٹانیں تھیں۔ ان کے ساتھ اونچی پہاڑی تھی۔ ہوا کی چیخیں اور بلند ہو گئی تھیں۔

آخر جگہ ایسی آ گئی کہ دائیں طرف اونچی پہاڑی تھی اور اس کے دامن میں ذرا ہٹ کر لمبی چٹان تھی اور ان کے درمیان گھوڑے گذارنے کے لئے کچھ جگہ تھی۔ پچاس ساٹھ گز آگے یہ چٹان پہاڑی کے دامن سے مل جاتی تھی اور وہاں ایک بڑی بلند چٹان نے راستہ روک لیا تھا۔ ابو جندل آگے ہی آگے بڑھتا گیا اور وہاں تک پہنچ گیا جہاں راستہ بند ہو جاتا تھا۔

وہ گھوڑے سے اُترا اور سب کو اُترنے کے لئے کہا اور یہ بھی کہ گھوڑے یہیں چھوڑ دیں۔ آگے دیکھا کہ یہ راستہ اس طرح نیچے کو چلا گیا تھا جس طرح کسی عمارت کے تہہ خانے میں سیڑھیاں اترتی ہیں۔ ابو جندل نے سپاہیوں سے کہا کہ وہ مشعلیں جلا کر نیچے آ جائیں۔ وہ، شمیر ابلک اور لڑکیاں نیچے اتر گئیں اور سپاہیوں نے مشعلیں جلائیں اور ان کے پیچھے پیچھے نیچے چلے گئے۔

وہ آٹھ دس گز نیچے چلے گئے۔ یہ تہہ خانے کی طرح بنا ہوا ایک غار تھا جس کی چھت بیس پچیس گز اونچی تھی اور یہ غار بہت ہی کشادہ تھا۔

غار کی چھت سے چٹانوں کے لمبوترے اور عجیب و غریب ٹکڑے لٹک رہے تھے۔ جونہی مشعلیں اندر داخل ہوئیں، بڑی ہی زور سے ایسی آواز آئی جیسے طوفان آ گیا ہو اور اس کے ساتھ چڑچڑ کی آوازیں آئیں جو ایک شور و غل کی طرح بلند ہوتی چلی گئیں۔ یہ چمگادڑ تھے جو غار کے اندر سے اُڑ کر باہر نکل گئے تھے۔ یہ چند ایک نہیں بلکہ سینکڑوں تھے۔ ابو جندل نے بلند آواز سے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ چمگادڑ ہیں، ان سے ڈریں نہیں۔

اس غار کے فرش پر بھی چٹانیں تھیں جن کی اونچائی دو گز یا تین گز تھی۔ مشعلوں کی روشنی میں ایک طرف ایک اور غار کا دہانہ سا نظر آیا۔ ابو جندل اس میں داخل ہو گیا۔ یہ دہانہ تو اتنا کشادہ نہیں تھا لیکن اندر جا کر دیکھا، غار خاصا کشادہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مشعلوں کی روشنی خاصی زیادہ تھی اور اندر کنکریاں بھی نظر آ رہی تھیں۔

Scanned by iqbalmt

پچیس تیس قدم گئے ہوں گے کہ آگے ایک اور دہانہ نظر آیا۔ ابُو جندل اس میں داخل ہو گیا اور اب یہ لوگ ایک اور غار میں چلے گئے تھے۔ ابو جندل نے کہا کہ مشعلیں آگے لاؤ۔ مشعلیں آگے گئیں تو سب نے دیکھا کہ وہاں تین بکس رکھے ہوئے تھے جو لکڑی کے بنے ہوئے تھے اور ان پر لوہے کی مضبوط پٹیاں چڑھی ہوئی تھیں۔

"یہ لو شمیر بھائی!" — ابو جندل نے کہا — "یہ ہے میرے باپ کی اور میری کمائی۔ یہ خزانہ اب صرف میرا نہیں' ہم سب کا ہے" — اس نے سپاہیوں سے کہا — "مشعلیں لڑکیوں کو دے دیں اور یہ بکس اٹھائیں"۔

سپاہی آگے بڑھ کر ایک بکس کو اٹھانے لگے تو شمیر ابلک نے کان کھڑے کر لئے اور ابو جندل سے کہا کہ اسے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی ہے۔ ابو جندل نے اسے کہا کہ اس کے کان بج رہے ہیں۔ یہاں اور کوئی نہیں آ سکتا۔

ابو جندل ابھی یہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ غار میں آواز آئی — "ان صندوقوں سے پیچھے ہٹ جاؤ"۔

سب نے چونک کر اُدھر دیکھا۔ ایک آدمی جس نے منہ اور چہرہ کالے رنگ کی پگڑی میں لپیٹ رکھا تھا' ہاتھ میں تلوار لئے کھڑا تھا۔ سب نے تلواریں نکال لیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے غار میں دس بارہ آدمی آ گئے۔ ان سب کے سر اور چہرے کالی پگڑیوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ سب کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔

"سب پیچھے کھڑے رہو دوستو!" — ابو جندل نے آگے بڑھ کر ان ڈاکوؤں سے کہا — "تم زندہ ان صندوقوں تک نہیں پہنچ سکو گے اور جب تک ہم زندہ ہیں ان صندوقوں کو ہاتھ تک نہیں لگا سکو گے"۔

"ابو جندل!" — کالی پگڑی والے ایک آدمی نے کہا — "تم بھی ہم میں سے ہو اور ہم تمہیں جانتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ تم ہمارے ہاتھوں مرو۔ یہ صندوق اور دونوں لڑکیاں یہیں چھوڑ جاؤ اور خود کو اور اپنے ساتھیوں کو زندہ لے جاؤ"۔

"اوہ' یہ تم ہو" — ابو جندل نے اس آدمی کو پہچانتے ہوئے کہا — "میرا خیال تھا کہ تم سب مارے گئے ہو یا کسی اور طرف نکل گئے ہو..... نہ تم ہمارے ہاتھوں مرو نہ ہم تمہارے ہاتھوں مرنا چاہتے ہیں۔ ان صندوقوں میں جو کچھ ہے' آؤ برابر برابر بانٹ لیتے ہیں"۔

"یہ مال اُس کا ہے جس کے پاس طاقت ہے" — کالی پگڑی والے نے کہا — "ہم تمہیں باتوں کا وقت نہیں دیں گے۔ ہم سارا مال لے جانے آئے ہیں"۔

ابو جندل نے شمیر ابلک کو اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی ان دونوں نے اور چاروں سپاہیوں نے اور لڑکیوں نے بھی ڈاکوؤں پر حملہ کر دیا۔ ڈاکو تیار تھے۔ وہ تو لڑنے اور مرنے کے لئے آئے تھے۔

پھر اس غار میں تلواریں ٹکرانے کی آوازیں آتی رہیں' زخمی گرتے رہے' خون بہتا رہا۔ مشعلیں زمین پر پڑی جل رہی تھیں۔ دو تین زخمی جلتی مشعلوں پر گرے اور ان کے کپڑوں کو آگ لگ گئی۔ وہ اٹھ کر اِدھر اُدھر دوڑے اور آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگے لیکن ناکام رہے۔ وہ پہلے ہی زخمی تھے' پھر کپڑے جل کر ان کے جسموں کو جلانے لگے تو وہ جلدی ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اتنے میں تین چار اور زخمی مشعلوں پر گرے اور اسی انجام کو پہنچے۔ لڑنے والے لڑتے لڑتے مشعلوں پر آئے تو ان کے کپڑوں کو بھی آگ لگ گئی۔

غار میں اگر کسی کو فتح حاصل ہوئی تو وہ آگ کو ہوئی۔ اندر آگ کے شعلے تھے اور غار دھوئیں سے بھر گیا تھا۔ کچھ تو تلواروں کے زخموں سے مر گئے اور جو زخموں سے نہ مرے انہیں مشعلوں کی آگ نے مار ڈالا اور تھوڑی ہی دیر بعد غار میں صرف شعلوں کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

قاتلوں سے لُوٹا ہُوا خزانہ موت کے ہاتھ آیا۔

Scanned by iqbalmt

جب غار میں قتل و غارت ہو رہی تھی، شعلوں کے شعلے لڑنے، مرنے اور زخمی ہو ہو کر گرنے والوں کو چاٹ رہے تھے، اُس وقت سورج اونچی چٹانوں کی اوٹ میں چلا گیا پھر غار کے ہولناک راز کو اپنے جلتے ہوئے سینے میں چھپائے اُفق میں اتر گیا۔ بھول بھلیوں جیسی بدرنگ اور بدشکل چٹانوں نے شام کے دھندلکے کو تھوڑی سی دیر میں گہرا کر دیا۔ ان میں بعض چٹانیں ستونوں کی طرح اوپر کو اُٹھی ہوئی تھیں اور کچھ میناروں کی طرح اوپر سے نوکیلی تھیں۔ شام کے تیزی سے گہرے ہوتے دھندلکے میں یہ چٹانیں بھوتوں جیسی لگتی تھیں۔ ان میں پُراسراریت اور خوف کا نمایاں تاثر تھا۔

غار کے اندر جو آگ لگی ہوئی تھی، اس کی ہلکی سی، بڑی ہی مدھم سی روشنی غار کے دہانے تک آتی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے یہ روشنی رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی کے ڈر سے باہر نہیں آ رہی.... ایک سایہ سا حرکت کر رہا تھا۔ اس سائے کو غار نے اُگل کر باہر پھینک دیا تھا یا جیسے موت نے اسے قبول نہ کیا اور اگل دیا تھا۔ یہ سایہ غار کے دہانے سے نکلا تھا اور غار کے اندر کسی مرنے والے کی بدروح جیسا لگتا تھا۔

چٹانوں کے درمیان بس اتنی سی ہی جگہ تھی کہ ایک انسان چل سکتا تھا۔ یہ سایہ اس تنگ و تاریک راستے پر سرکتا رینگتا جا رہا تھا۔ یہ کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا یا ایسا بھی نہیں تھا کہ کچھ دُور جا کر اِدھر یا اُدھر مڑتا ہو۔ یہ تو ہر دس پندرہ قدموں پر مُڑتا تھا اور کہیں دو اطراف کو مڑتا تھا اور کہیں یہ چوراستہ بن جاتا تھا۔ چلنے والا جان ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ کدھر کو مُڑے تو ان بھول بھلیوں سے نکل جائے گا۔

یہ سایہ سا سرکتے رینگتے دیکھتا کہ آگے سے ایک اور چٹان نے راستہ روک رکھا ہے

تو وہ ذرا رُکتا، دائیں بائیں دیکھتا اور کسی بھی طرف مُڑ جاتا۔ ایسے کئی موڑ مُڑ کر اس نے اپنے آپ کو چٹانوں کے نرغے میں ہی پایا۔ کچھ آگے جا کر ایک جگہ ایسی آ گئی کہ راستے دونوں بلکہ تین اطراف کو جاتے تھے۔ سایہ رُک گیا اور اُس کے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھے۔ ایک انسانی آواز بلند ہوئی — "یا اللہ، تُو نے زندگی عطا کی ہے تو وہ راستہ بھی دکھا دے جو زندہ انسانوں کی دنیا کی طرف جاتا ہے۔ میرا چچا باطنی ابلیس کا پجاری تھا تو اس کی سزا مجھے نہ دے جس نے آج تک اپنی عصمت کو بے داغ رکھا ہے۔ گناہگار چچا کی یتیم بھتیجی نے اپنے دامن کو گناہوں سے پاک رکھا ہے.... یا اللہ.... یا اللہ" — اور اس کی آواز رندھیا کر رات کی خاموشی میں تحلیل ہو گئی۔

وہ ابو جندل کی بڑی بھتیجی شافعیہ تھی۔ اُس کی عمر پچیس چھبیس سال تھی۔ اُس کی چھوٹی بہن جس کی عمر بیس اکیس سال تھی، غار کے اندر ماری گئی تھی۔ جب غار میں ڈاکو اور لٹیرے آ گئے اور کشت و خون شروع ہو گیا تھا، اُس وقت شافعیہ غار کے اندر ہی ذرا بلند ایک چٹان کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ غار خاصا کشادہ تھا۔ اس کے اندر چھوٹی چھوٹی نوکیلی چٹانیں اُبھری ہوئی تھیں اور کہیں کہیں گڑھے سے بھی بنے ہوئے تھے۔ شافعیہ اتنی الگ ہٹ کر چھپی تھی کہ جب مشعلوں نے لڑنے والوں اور گرنے والوں کے کپڑوں کو آگ لگا دی اور غار روشن ہو گیا تو بھی وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ وہ یہ خونچکاں منظر دیکھتی رہی تھی لیکن جس چیز کو وہ زیادہ دیکھ رہی تھی وہ نکل بھاگنے کا راستہ تھا۔ راستہ ایک ہی تھا اور وہ غار کا دہانہ تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اس دہانے سے لڑنے والے ذرا ایک طرف ہوں تو وہ چھپ کر نکل بھاگے۔ اُس نے اپنی چھوٹی بہن کو مرتے دیکھا تھا۔

شافعیہ چٹان کے پیچھے سے اپنی حسین و جمیل اور نوجوان بہن کو دیکھ رہی تھی کہ وہ نکل بھاگنے کے لئے اِدھر اُدھر دوڑ رہی ہے اور کہیں چھپنے کی کوشش نہیں کر رہی۔ روشنی اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ غار میں کنکر بھی نظر آ رہے تھے۔ ایک ڈاکو نے شافعیہ کی چھوٹی بہن کا بازو پکڑ لیا۔ ایک اور ڈاکو نے اُس کا دوسرا بازو پکڑ لیا اور دونوں اُسے اپنی اپنی طرف کھینچنے لگے۔ لڑکی چیخنے چلّانے لگی لیکن اُسے ان لٹیروں سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ سب ایک دوسرے کا خون بہا رہے تھے۔ اُس وقت تک ابو جندل مارا جا چکا تھا۔ شافعیہ نے اپنے چچا کو بُری طرح زخمی ہو کر گرتے دیکھا تھا۔

ایک لٹیرے نے دیکھا کہ اُس کے دو ساتھی ایک لڑکی کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہے

Scanned by iqbalmt

ہیں اور آخر ہو گا یہ کہ دونوں اس لڑکی کی ملکیت پر ایک دوسرے کا خون بہا دیں گے۔"

اُس نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار سیدھی لڑکی کے پیٹ میں اتار دی اور اتاری بھی اتنی زور سے کہ اس کی نوک پیٹھ کی طرف سے باہر آ گئی۔

"بدبختو!" — اُس نے لڑکی کے پیٹ سے تلوار نکال کر کہا — "ایک لڑکی کے پیچھے ایک دوسرے کے دشمن نہ بنو۔ پہلے یہ خزانہ باہر نکالو پھر تمہارے لئے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں رہے گی"۔

تھوڑی ہی دیر بعد یہ تینوں بھی تلواروں اور برچھیوں سے کٹ کر گر پڑے اور ان کے کپڑوں کو بھی آگ لگ گئی۔ شافعیہ کو نہ کوئی دیکھ سکا نہ کوئی اُس تک پہنچا۔ اُس نے جب دیکھا کہ صرف دو آدمی ایک دوسرے کا خون بہانے کے لئے رہ گئے ہیں تو وہ جھکی جھکی سی اور کچھ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل وہاں سے نکلی اور غار کے دہانے سے باہر آ گئی۔

○

شافعیہ چٹانوں کی جن بھول بھلیوں میں پھنس گئی تھی ان سے اُس کا صرف چچا ابو جندل واقف تھا جو سب کو بڑی آسانی سے غار تک لے گیا تھا لیکن وہ چچا غار میں ہی رہ گیا تھا اور وہ زندہ نہیں تھا۔ شافعیہ کو تو یاد ہی نہیں رہا تھا کہ کدھر سے اندر آئے تھے۔ اگر دن کی روشنی ہوتی یا چاند پوری طرح روشن ہوتا تو شاید اسے یہاں سے نکلنے میں اتنی دشواری نہ ہوتی لیکن رات بڑی ہی تاریک تھی۔ وہ اب سوائے اللہ کے کسی سے بھی مدد نہیں مانگ سکتی تھی۔ اللہ ہی تھا جو اُسے راستے پر ڈال سکتا تھا۔ اُس کا یہ کہنا صحیح تھا کہ گناہگار چچا کے پاس رہتے ہوئے اُس نے اپنا دامن گناہوں سے پاک رکھا تھا۔ داستان گو پہلے سنا چکا ہے کہ ابو جندل نے شمیر ایلک کو بتایا تھا کہ یہ دونوں لڑکیاں اُس کی اپنی بیٹیاں ہوتیں تو وہ انہیں حسن بن صباح کی جھولی میں ڈال دیتا لیکن یہ دونوں اُس کے مرے ہوئے بھائی کی بیٹیاں تھیں اور انہیں وہ امانت سمجھتا تھا۔ شافعیہ کی چھوٹی بہن کے انداز کچھ اور تھے لیکن گمراہ ہونے سے پہلے ہی وہ تلوار کے ایک ہی وار سے مر گئی تھی۔ شافعیہ نے اپنے ایمان کو اور اپنی عصمت کو اللہ کی امانت سمجھ کر محفوظ رکھا تھا۔ اب وہ اللہ سے ہی رہنمائی اور روشنی مانگ رہی تھی۔

اُسے چلتے سرکتے خاصی دیر گزر گئی تھی۔ اُسے اچانک ایک گھوڑے کے ہنہنانے

کی آواز سنائی دی۔ وہ چونک کر رُک گئی اور فوراً بعد تین چار گھوڑے اکٹھے ہنہنائے۔ شافعیہ نے ان آوازوں سے سمت کا اندازہ کیا اور اُسے یہ اندازہ ہوا کہ گھوڑے زیادہ دور نہیں اور ہیں کس طرف۔ ان گھوڑوں میں اس کے اپنے گھوڑے بھی تھے جن پر یہ پارٹی یہاں آئی تھی۔ ان میں اُن ڈاکوؤں کے گھوڑے بھی تھے جو بعد میں غار تک پہنچے تھے۔ نہ جانے کیا وجہ تھی کہ گھوڑے اندر نہیں لے جائے جاتے تھے۔

تھوڑے تھوڑے وقفے سے ایک دو گھوڑے ہنہناتے تھے۔ اس سے شافعیہ کو اندازہ ہو جاتا تھا کہ کس سمت کو جا رہی ہے اور کس سمت کو جانا چاہئے۔ اس کے مطابق وہ مڑتی اور آگے بڑھتی رہی اور آخر وہ ان بھول بھلیوں سے نکل گئی۔ باہر اگر کچھ روشنی تھی تو وہ ستاروں کی تھی۔ اُسے گھوڑے نظر آ گئے۔ تاریکی میں اپنا گھوڑا پہچاننا آسان نہ تھا۔ پہچاننے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ تمام گھوڑے تنومند اور اچھی نسل کے تھے۔

شافعیہ نے دو گھوڑے پکڑے، ایک کی باگ دوسرے گھوڑے کی زین کے پیچھے باندھ لی پھر تین چار گھوڑوں سے کھانے پینے کی اشیاء کے تھیلے اتارے اور پانی کے دو مشکیزے بھی اتار لئے۔ ان تھیلوں اور مشکیزوں کو اُس نے پیچھے بندھے ہوئے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا اور اگلے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ اُس کے پاس دو ہتھیار تھے۔ ایک تلوار اور دوسرا خنجر۔ گھوڑ سواری کی وہ بڑی اچھی سوجھ بوجھ رکھتی تھی۔ اُس زمانے میں بچہ جب بھاگنے دوڑنے کے قابل ہو جاتا تھا تو اُسے جو کام سب سے پہلے سکھایا جاتا وہ گھوڑ سواری تھی۔

شافعیہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی لیکن ایسی نہیں کہ گھوڑا سرپٹ دوڑ پڑتا۔ وہ یہ خطرہ محسوس کر رہی تھی کہ غار میں سے کوئی ڈاکو زندہ نکل آیا ہو گا۔ وہ اگر دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ سنتا تو اُس کے تعاقب میں آ جاتا۔ شافعیہ نے گھوڑے کو عام چال پر رکھا۔ ذہن پر زور دے کر اسے یاد کرنا پڑا کہ وہ اپنے چچا کے ساتھ کس طرف سے اِدھر آئی تھی۔ اُسے صحیح طور پر سمت یاد نہیں رہی تھی۔ اُس نے بہت سوچا اور بہت یاد کیا، آخر ایک طرف چل پڑی اور اپنے آپ کو یہ یقین دلا لیا کہ اِدھر سے ہی آئی تھی۔ وہ اگر مرد ہوتی تو کوئی خوف نہ ہوتا۔ اُس کے پاس تلوار تھی، خنجر تھا اور اس کے پاس دو گھوڑے بھی تھے۔ وہ خنجر اور تلوار چلانا جانتی تھی لیکن اُس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ بڑی ہی حسین اور

Scanned by iqbalmt

جوان لڑکی تھی۔ حسین بھی ایسی کہ کوئی اچھے کردار کا آدمی بھی اُسے دیکھتا تو نظرانداز نہ کر سکتا اور اُسے روک لیتا۔

وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ ریگستان میں چلی جا رہی ہے۔ کوئی ایک بھی درخت نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے دل پر خوف و ہراس تھا جس نے اُس کی نیند غائب کر دی تھی۔ یہ بھی اچھا تھا کہ وہ غنودگی میں نہ گئی اور بیدار رہی۔ وہ کان کھڑے کر کے سننے کی کوشش کر رہی تھی کہ اُس کے تعاقب میں کوئی آتو نہیں رہا۔ زمین خاموش تھی' آسمان خاموش تھا اور رات پر ایسا سکوت طاری تھا کہ وہ اپنے دل کی دھڑکن بھی سن رہی تھی۔ اُس نے گھوڑے کو دوڑایا نہیں تاکہ گھوڑا تھک نہ جائے۔

صبح طلوع ہونے لگی اور شافعیہ کو زمین و آسمان نظر آنے لگے۔ وہ صحرا میں جا رہی تھی جہاں افق تک ریت ہی ریت تھی۔ صرف ایک طرف اسے افق پر یوں نظر آیا جیسے عمارتیں کھڑی ہوں۔ وہ اُسی طرف جا رہی تھی۔ سورج اوپر آتا چلا گیا اور تپش میں اضافہ ہوتا گیا۔ سورج جب سر پر آ گیا تو اُس نے گھوڑا روک لیا اور نیچے اُتری۔ دوسرے گھوڑے کے ساتھ باندھے ہوئے تھیلے میں سے کھانے کو کچھ نکالا اور مشکیزہ کھول کر پانی پیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ وہ چلتے گھوڑے پر کھاتی رہی۔ وہ زیادہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔ اُسے صرف یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ گھوڑوں نے نہ جانے کب سے پانی پیا ہُوا ہے اور یہ پیاس محسوس کریں گے جو صحرا میں ایک خطرہ بن سکتا ہے۔ اصل خطرہ تو وہ محسوس کرنے ہی لگی تھی۔ وہ یہ تھا کہ وہ جب اپنی پارٹی کے ساتھ اِدھر آئی تھی تو ایک صحرا راستے میں آیا تو تھا لیکن وہ یہ نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ غلط راستے پر چل نکلی تھی۔ وہ جدھر دیکھتی' اُسے صحرا نظر آتا اور جب پیچھے دیکھتی تو اُسے وہ پہاڑیاں اور چٹانیں نظر آتی تھیں جن میں وہ غار تھا اور جہاں سے وہ آ رہی تھی۔ وہ رات بھر سوئی نہیں تھی اور اُس پر خوف بھی طاری تھا اور پھر اُس نے جو کشت و خون دیکھا تھا' وہ یاد آتا تو وہ اندر باہر سے کانپنے لگتی تھی۔ ہُوا یہ کہ اُس کا دماغ سوچنے کے قابل رہا ہی نہیں تھا۔

وہ اللہ کو یاد کرتی جا رہی تھی۔ اُس میں تبدیلی صرف یہ آئی تھی کہ پہلے وہ اللہ سے مدد مانگتی تو رو پڑتی لیکن اب اس نے اپنا حوصلہ اتنا مضبوط کر لیا کہ رونا چھوڑ دیا اور اپنے آپ میں دلیری پیدا کر لی۔ اب وہ اللہ سے یہی کہتی تھی کہ صرف اُس کی ذات اُسے راستہ دکھا سکتی ہے۔ وہ یہ بھی کہتی کہ اللہ' مجھے ہمت و استقلال دے کہ میں ہر مصیبت کا

سامنا کر سکوں۔

سورج غروب ہو رہا تھا جب وہ اُس جگہ پر پہنچ گئی جو اس نے دیکھی اور اُسے دیواریں سی نظر آئی تھیں۔ یہ صحرا کے اندر ٹیلے تھے جن کی ساخت دو منزلہ اور سہ منزلہ دیواروں جیسی تھی۔ ان میں سے بعض ٹیلے ایسی شکل کے تھے جیسے کسی اونچی عمارت کا سامنے والا حصہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہو۔ یہ جگہ نشیبی علاقے میں تھی اور وہاں ریت کم اور مٹی زیادہ تھی۔ کہیں کہیں چھوٹے بڑے پتھر بھی نظر آتے تھے۔ ان بڑے ٹیلوں میں چھوٹے ٹیلے بھی تھے جن کی شکلیں عجیب و غریب تھیں۔ یہ سارا ماحول بڑا ہی ڈراؤنا تھا۔ گھاس کی ایک پتی نظر نہیں آتی تھی۔ جوں جوں شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا' ان چھوٹے ٹیلوں کی شکلیں یوں لگتا تھا تبدیل ہوتی جا رہی ہوں۔ ان میں کوئی انسانی شکل کا اور کوئی ہاتھیوں جیسا تھا۔

شافعیہ کا گھوڑا اپنے آپ ہی تیز ہو گیا۔ تیز ہوتے ہوتے گھوڑا دوڑنے لگا اور آگے جا کر ایک ٹیلے سے بائیں کو گھوم گیا۔ وہاں ٹیلہ ختم ہوتا تھا۔ کچھ دُور ہی جا کر ایسی جگہ آ گئی جس کے اردگرد ایسے ہی ٹیلے کھڑے تھے اور درمیان میں کچھ ہرے پودے تھے۔ شافعیہ سمجھ گئی کہ گھوڑے نے پانی کی مُشک پا لی ہے۔ صحراؤں میں چلنے والے گھوڑے پانی کی بُو پا لیا کرتے ہیں۔ شافعیہ نے لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور گھوڑا دوڑتا ہُوا پانی پر جا کھڑا ہُوا۔ یہ تھوڑا سا پانی جمع تھا اور اس کے اردگرد ہری جھاڑیاں تھیں۔ پانی میں آسمان کا عکس نظر آ رہا تھا۔ شافعیہ گھوڑے سے اُتر آئی اور اس گھوڑے کی زین سے اُس نے دوسرے گھوڑے کو بھی کھول دیا تاکہ دونوں گھوڑے پانی پی لیں۔

گھوڑے پانی پی رہے تھے اور شافعیہ سوچ رہی تھی کہ اُسے رات یہیں گزارنی چاہئے لیکن پانی کے قریب نہیں کیونکہ اتنا وہ جانتی تھی کہ صحرائی درندے رات کو پانی پینے آتے ہیں اور وہ اُس کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔

شافعیہ نے گھوڑے سے ایک تھیلا کھولا اور پانی کا مشکیزہ بھی اتارا اور ایک طرف بیٹھ کر کھانے لگی۔ اُس نے پانی پیا اور دیکھا کہ گھوڑے بھی پانی پی چکے تھے اور جھاڑیاں کھا رہے تھے۔ اُس نے گھوڑوں کو آزاد ہی رہنے دیا تاکہ وہ پیٹ بھر لیں۔

رات پوری طرح تاریک ہو گئی تھی۔ شافعیہ اُٹھی اور گھوڑوں کو پکڑ کر ایک طرف چل پڑی۔ وہ پانی سے دُور رہنا چاہتی تھی۔ اُس نے رات وہیں بسر کرنی تھی اور گھوڑوں

Scanned by iqbalmt

کو کہیں باندھنا تھا لیکن وہاں کوئی درخت نہیں تھا نہ کوئی اتنا بڑا پتھر تھا جس کے ساتھ وہ گھوڑے باندھ دیتی۔ اُس نے سوچا گھوڑوں کو اللہ کے سپرد کر کے سو جائے گی۔ ایک جگہ جا کر وہ لیٹ گئی اور گھوڑوں کو چھوڑ دیا۔ وہ اس قدر تھکی ہوئی تھی کہ لیٹتے ہی اُس کی آنکھ لگ گئی۔

کوئی گھوڑا ذرا سا بھی ہلتا تھا تو شافعیہ کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ جاتی اور اندھیرے میں ہر طرف دیکھتی۔ گھوڑے جہاں اُس نے چھوڑے تھے وہیں کھڑے تھے۔ اس طرح چار پانچ مرتبہ اُس کی آنکھ کھلی اور اُس نے بیٹھ کر ہر طرف دیکھا اور جب دیکھا کہ گھوڑے وہیں کھڑے ہیں تو پھر لیٹ گئی۔

○

آخری بار اُس کی آنکھ اُس وقت کھلی جب سورج کی پہلی کرنیں ٹیلوں کے اس خطّے میں داخل ہو چکی تھیں اور یہ خطّہ اللہ کے نور سے منوّر ہو گیا تھا۔ شافعیہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ دیکھا' دونوں گھوڑے غائب تھے۔ وہ اُس طرف دوڑ پڑی جدھر پانی تھا اور گھنی جھاڑیاں بھی تھیں۔ دونوں گھوڑے جھاڑیاں کھا رہے تھے۔ اُس کے پاس کھانے کا سامان کافی تھا۔ اس نے گھوڑے کی زین سے ایک تھیلا کھولا اور اس میں سے کھانے کی اشیاء نکال کر ایک طرف بیٹھ گئی اور اطمینان سے کھانے لگی۔ پھر پانی پیا اور ایک گھوڑے کو دوسرے کے پیچھے باندھ کر سوار ہوئی اور چل پڑی۔ وہ اب اللہ کے بھروسے جا رہی تھی۔ اُس نے سوچا تھا کہیں نہ کہیں تو جا ہی نکلے گی۔

زمین کو دیکھا تو اُسے کچھ اطمینان ہونے لگا۔ وہ اس لئے کہ زمین اب پہلے کی طرح ریتیلی نہیں رہی تھی بلکہ مٹی بڑھتی جا رہی تھی اور گھوڑے کے سُموں سے دُھول اُڑتی تھی۔ اُس نے یہ بھی دیکھا کہ زمین پر کسی انسان کے نقشِ پا نہیں تھے نہ کسی جانور کے پاؤں کے نشان نظر آتے تھے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ اس راستے سے کبھی کوئی نہیں گزرا یا عرصے سے اِدھر سے کسی مسافر کا گزر نہیں ہُوا۔ زمین اوپر کو جا رہی تھی اور ٹیلے کم ہوتے جا رہے تھے۔

کچھ اور آگے گئی تو اُسے سورج نظر آیا جو اُفق سے کچھ اور اوپر اُٹھ آیا تھا۔ اُس نے گھوڑا روک لیا اور اس پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُس نے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور آسمان کی طرف دیکھا۔

"رات کی سیاہ کالی تاریکیوں سے اتنا روشن سورج طلوع کرنے والے اللہ!" — اُس نے بلند آواز سے اللہ کو پکارا — "میری زندگی کو اتنا تاریک نہ ہونے دینا اور مجھے جو تاریکیاں نظر آ رہی ہیں ان میں سے اپنے نُور کی صرف ایک کرن عطا کر دینا۔ میری آبرو کی حفاظت کرنا' جان جاتی ہے تو چلی جائے"۔

دعا سے اُسے روحانی تسکین سی محسوس ہوئی اور اُس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اُس کا حوصلہ جو دم توڑتا جا رہا تھا' پھر سے مضبوط ہو گیا ہے اور ایک غیبی ہاتھ ہے جو اُس کی حفاظت کر رہا ہے.... اُس کے نیچے گھوڑا عام چال سے چلا جا رہا تھا۔ شافعیہ نے یہ نہ سوچا کہ گھوڑے کو دوڑائے اور جہاں کہیں بھی پہنچنا ہے جلدی پہنچ جائے۔ اس نے دماغ حاضر رکھا۔ وہ جانتی تھی گھوڑا دوڑایا تو راستے میں ہی جواب دے جائے گا۔ اُس نے دوسرا گھوڑا اس لئے ساتھ لے لیا تھا کہ ایک تھک جائے تو دوسرے پر سوار ہو جائے۔ اب اس جگہ سے چلی تو دوسرے گھوڑے پر سوار ہوئی تھی۔ اب تو اسے امید کی ایک کرن نظر آنے لگی تھی جو یہ کہ زمین ذرا ذرا اوپر جا رہی تھی اور کہیں کہیں ہری ہری گھاس بھی نظر آنے لگی تھی۔ اسی طرح اِکّا دُکّا درخت بھی دکھائی دینے لگا لیکن ان درختوں کی شکل و صورت ویسی نہیں تھی جیسی جنگلات کے درختوں کی ہوتی ہے۔ ٹنڈ تھے اور کچھ ٹہنیاں تھیں لیکن پتّے بہت ہی تھوڑے۔

آخر ٹیلوں کا خطّہ ختم ہو گیا اور وہ جب بلندی پر پہنچی تو اس کے سامنے ایسی زمین تھی جس پر درخت بھی تھے اور ہریالی بھی نظر آ رہی تھی۔ اُس نے رُک کر پیچھے دیکھا تو اُسے ایسا لگا جیسے جہنم سے نکل آئی ہو اور آگے اس کے لئے جنّت ہی جنّت ہے۔ وہاں اونچی نیچی ٹیکریاں بھی تھیں اور زمین ہموار تو نہیں تھی لیکن اس کی جیسی بھی شکل تھی' اچھی لگتی تھی کیونکہ اس میں ہریالی تھی۔ وہ ناک کی سیدھ میں چلتی چلی گئی۔

سورج اوپر آ کر مغرب کی طرف چل پڑا تھا اور اُس وقت شافعیہ ایک جنگل میں داخل ہو چکی تھی۔ ہر طرف ہریالی تھی۔ اب گھوڑوں کے بھوکا اور پیاسا رہنے کا کوئی خطرہ نہیں رہا تھا البتہ یہ خطرہ بڑھ گیا تھا کہ وہ حسین اور جوان لڑکی ہے اور اس جنگل میں اُسے ضرور کوئی نہ کوئی آدمی ملے گا۔ اُس نے اپنے آپ کو ایسے خطرے کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنا شروع کر دیا۔ اُس نے یہ بھی سوچا کہ خزانے والی پہاڑیوں تک پہنچنے سے پہلے ایک ایسی پہاڑی آئی تھی جس پر وہ سب چڑھے تھے اور اس کی پُل صراط جیسی چوٹی

Scanned by iqbalmt

پر کچھ دُور تک گئے تھے جہاں ذرا سا پاؤں پھسل جاتا تو گھوڑا اپنے سوار سمیت دور نیچے تک لڑھکتا چلا جاتا۔ یہ پہاڑی ایک روز پہلے آجانی چاہئے تھی لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ یہ تو شافعیہ نے پہلے ہی قبول کر لیا تھا کہ وہ بھٹک گئی ہے لیکن اس پہاڑی کو نہ دیکھ کر اُسے یقین ہو گیا کہ وہ راستے سے بہت دُور چلی آئی ہے اور اب نہ جانے کہاں جا نکلے یا کس انجام کو پہنچے۔

اُسے آسمان پر برسات کے بادلوں کے ٹکڑے منڈلاتے نظر آنے لگے۔ اُس نے دل ہی دل میں دعا کی کہ مینہ نہ برس پڑے۔ خزانے والے غار کی طرف جاتے ہوئے موسلا دھار مینہ برسا تھا اور اُس کی پارٹی کو بڑی ہی سخت دشواری بھی پیش آئی تھی۔ اب وہ اکیلی تھی اور ڈرتی تھی کہ آگے سیلابی ندی آگئی تو اس کے لئے ایسی مشکل پیش آئے گی جو اس کے بس سے باہر ہو گی۔

وہ ایک بڑی اچھی جگہ رک گئی۔ گھوڑے سے کھانا کھول کر کھانے بیٹھ گئی اور گھوڑوں کو کھلا چھوڑ دیا کہ وہ بھی اپنا پیٹ بھر لیں۔ وہاں تو اب گھاس ہی گھاس تھی اور جھاڑیوں کی بھی بہتات تھی۔ اُسے غنودگی آنے لگی لیکن دن کے وقت وہ سونے سے گریز کر رہی تھی.... یہ خطرہ تو اُس کے ذہن میں ہر وقت موجود رہا کہ اُس کے تعاقب میں کوئی آ رہا ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی اُس کے ذہن سے اٹھا کہ اس غار میں کوئی ڈاکو لٹیرا زندہ بھی رہا تھا یا نہیں؟ اُسے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ وہ ڈرتی اس لئے تھی کہ تعاقب میں اگر کوئی آ رہا ہے تو گھوڑوں کے قدموں کے نشان دیکھتا اس طرف پہنچ جائے گا۔ پھر وہ اپنے آپ کو یوں تسلی دیتی کہ کوئی ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا۔

گھنٹہ ڈیڑھ آرام کر کے وہ پھر گھوڑے پر سوار ہوئی اور چل پڑی۔ شام تک اسے دو ندیوں میں سے گزرنا پڑا۔ دونوں کی گہرائی گھوڑوں کے گھٹنوں تک ہی تھی۔ اُسے وہ ندی یاد آئی جس میں سے گزر کر وہ گئی تھی۔ وہ سیلابی تھی اور خاصی گہری تھی۔ یہ دو ندیاں جو اب دیکھ رہی تھی، جاتے وقت یہ دو ندیاں راستے میں نہیں آئی تھیں۔ جنگل خوبصورت ہوتا جا رہا تھا۔

سورج غروب ہو گیا اور جنگل کے حُسن پر رات کا سیاہ پردہ پڑتا چلا گیا۔ اب اُس کے دل میں یہ ڈر پیدا ہو گیا کہ رات کو سوئی تو درندے آ جائیں گے۔ وہ جانتی تھی کہ ایسے جنگلوں میں شیر اور بھیڑیے ہوتے ہیں۔ خزانے کی طرف جاتے ہوئے ان کا تصادم ایک

شیر کے ساتھ ہوا تھا اور پھر انہوں نے بڑا زہریلا اور بڑا ناگ بھی دیکھا تھا۔ انہوں نے مل جل کر ناگ کو مار لیا تھا اور شیر کو بھی لیکن ایک گھوڑا ضائع ہو گیا تھا۔ اُس نے سوچا کوئی ایسا درخت نظر آ جائے جس کا تنہ خاصا چوڑا ہو اور وہ اس پر چڑھ کر سو جائے لیکن یہ خیال اس خطرے سے ذہن سے نکال دیا کہ سوتے سوتے اوپر سے گر پڑے گی اور ہو سکتا ہے اتنی چوٹ لگے کہ وہ سفر کے قابل ہی نہ رہے۔

اللہ توکل وہ ایک ٹیکری کے دامن میں رُک گئی اور دونوں گھوڑے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیئے۔ وہ جہاں بیٹھی تھی وہاں ٹیکری تھوڑی سی عمودی تھی۔ اس نے وہیں ٹیکری کے اس حصے کے ساتھ پیٹھ لگا لی اور ارادہ کیا کہ جتنی دیر جاگ سکتی ہے جاگے گی۔ اس نے تلوار نیام سے نکال کر اپنے پاس رکھ لی.... اس نے جاگنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جوانی کی عمر تھی اور تھکان بھی تھی، بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھ لگ گئی۔

○

گھوڑے بڑی زور سے ہنہنائے اور بدکے۔ شافعیہ ہڑبڑا کر جاگ اُٹھی اور اُس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر گیا اور بڑی تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ گھوڑے رسیاں تڑوا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی شافعیہ نے دوڑتے قدموں کی آوازیں اور ایسی آوازیں سُنیں جیسے کُتے غرّا اور بھونک رہے ہوں۔ چاند اوپر آ گیا تھا۔ اُن دنوں چاند آدھی رات کے بعد اوپر آتا تھا۔ اس چاندنی میں اُسے ایک ہرن نظر آیا جو بھاگا جا رہا تھا اور اس کے پیچھے چار پانچ بھیڑیئے لگے ہوئے تھے۔

ہرن اور بھیڑیئے گھوڑوں کے قریب سے گزرے تھے۔ معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی کہ ہرن گر پڑا۔ ابھی وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ بھیڑیئے اُس پر جا پڑے اور پھر اُسے بھاگنے نہ دیا۔ شافعیہ مطمئن ہو گئی کہ بھیڑیوں کو پیٹ بھرنے کے لئے شکار مل گیا ہے۔ درندہ بھوکا ہو تو بہت بڑا خطرہ بن جاتا ہے۔ اس لحاظ سے بھیڑیوں والا خطرہ ٹل گیا تھا لیکن گھوڑے بُری طرح بدکے تھے۔ شافعیہ گھوڑوں تک گئی اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر دونوں کی گردنوں کو تھپتھپانے لگی اور باری باری ان کے منہ کے ساتھ منہ لگایا جس سے گھوڑے کچھ سکون میں آ گئے۔ اچانک شافعیہ کو خیال آیا کہ جہاں بھیڑیئے ہیں وہاں شیر بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ ڈرنے لگی کہ شیر آ گیا تو وہ بھیڑیوں سے ان کا شکار چھینے گا اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیر جب دیکھے کہ وہ شکار تو بھیڑیوں نے مار لیا ہے تو وہ گھوڑوں کی طرف آ

Scanned by iqbalmt

جائے گا۔

اس خیال نے اسے خاصا ڈرایا لیکن اس کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا سوائے اس کے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اس نے گھوڑوں پر پہرا دینا شروع کر دیا۔ اُس نے دوسرے ہاتھ میں خنجر لے لیا۔ اُسے چاند سے اندازہ ہُوا کہ رات آدھی سے کچھ زیادہ گزر گئی ہے۔ اس نے اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا اور اپنے دل میں سلامتی کی دعائیں مانگنے لگی۔ جب ٹہلتے ٹہلتے تھک گئی تو بیٹھ گئی اور پیٹھ اسی درخت کے ساتھ لگا لی جس کے ساتھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ اُس نے نیند پر قابو پانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی اور بیٹھے بیٹھے اُس کی آنکھ لگ گئی۔

بہت دیر گزر گئی تو گھوڑے ایک بار پھر بدکے اور ہنہنائے۔ شافعیہ بڑی تیزی سے اٹھی اور تلوار اور خنجر آگے کر لئے۔ اُس نے دیکھا' پندرہ بیس قدم دُور بھیڑیے بڑے آرام سے واپس جا رہے تھے۔ انہیں اب کسی اور شکار کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے پیٹ بھر گئے تھے۔ شافعیہ نے چاند کو دیکھا جو خاصا آگے نکل گیا تھا۔ وہ پھر درخت کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی اور ایک بار پھر نیند نے اُسے خوابوں کی دنیا میں پہنچا دیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو اس دن کا سورج افق سے اٹھ آیا تھا۔ شافعیہ اٹھی اور اُس نے گھوڑوں کی رسّیاں کھول دیں تاکہ یہ چر چگ لیں۔ اُسے اب آگے جانا تھا۔ معلوم نہیں یہ کون سا خطہ تھا کہ اسے کوئی آبادی' کوئی چھوٹی سی بستی اور ایک بھی انسان نظر نہیں آیا تھا نہ کسی انسان کے قدموں کے نشان نظر آتے تھے۔

گھوڑے گھاس چر رہے تھے اور شافعیہ ایک تھیلا کھول کر اپنا پیٹ بھرنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھی اور پہلے کی طرح ایک گھوڑے کو دوسرے کے پیچھے باندھ کر سوار ہو گئی اور اللہ کا نام لے کر چل پڑی۔

جنگل ویسا ہی تھا جیسا وہ دیکھتی چلی آ رہی تھی' اب یہ تبدیلی آئی تھی کہ ٹیکریاں ذرا بڑی ہو گئی تھیں اور ان ٹیکریوں پر بھی گھاس تھی' جھاڑیاں تھیں اور درخت بھی تھے۔ وہ چلتی چلی گئی اور تقریباً" آدھا دن گزر گیا۔ وہ کچھ دیر کے لئے رکنے کی سوچ رہی تھی کہ اُسے دوڑتے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ پہلے تو اُس نے اپنے آپ کو یہ دھوکا دیا کہ اُس کے کان بج رہے ہیں لیکن دوڑتے گھوڑے کے قدموں کی دھمک بلند ہوتی جا رہی تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ گھوڑا اسی طرف آ رہا ہے۔

شافعیہ نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ چھپنے کی کوئی جگہ نظر آ جائے لیکن دو گھوڑوں کو چھپانا ممکن تھا۔ وہ اکیلی ہوتی تو کسی گھنی جھاڑی کے پیچھے چھپ سکتی تھی۔ شافعیہ کو اس گھوڑ سوار کا سامنا کرنا ہی تھا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ جس ٹیکری کے ساتھ لگ کر وہ بیٹھی تھی' اسی کی اوٹ میں یعنی پچھلی طرف چلی جائے۔ وہ یہ ارادہ اس امید پر باندھ رہی تھی کہ گھوڑ سوار اس طرف سے آگے نکل جائے گا لیکن اب چھپنے کو وقت گزر گیا تھا۔ ایک ہرن اپنی پوری رفتار سے دوڑا آ رہا تھا اور یہ ہرن اُس کے قریب سے گزر گیا۔ شافعیہ نے دیکھا کہ ہرن کی دم کے ساتھ پیٹھ پر تیر اترا ہُوا تھا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ جو گھوڑ سوار اس کے تعاقب میں آ رہا ہے' تیر اسی نے اس پر چلایا ہو گا اور وہ کوئی شکاری ہو گا۔

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کھڑی رہے یا وہاں سے ہٹ جائے کہ اتنے میں ایک گھوڑ سوار ایک ٹیکری کے عقب سے سامنے آیا جس کا گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے شافعیہ کے قریب آ گیا اور شافعیہ کو دیکھ کر اُس نے باگ کھینچی۔ گھوڑا دو چار قدم باؤں جماتے جماتے آگے نکلا اور رُک گیا۔ گھوڑ سوار سیاہ فام تھا۔ اُس کے پیچھے دو اور گھوڑ سوار آ گئے۔ وہ بھی سیاہ فام تھے۔ آگے والے گھوڑ سوار کا لباس ظاہر کرتا تھا کہ وہ کسی قبیلے کا سربراہ یا سردار ہے اور جو گھوڑ سوار اس کے پیچھے آ رہے تھے' وہ اس کے نوکر یا غلام لگتے تھے۔

شافعیہ کو یاد آیا کہ اُسے کسی نے بتایا تھا کہ جنگلوں میں کچھ قبیلے ہیں جو تہذیب و تمدن سے دور رہتے ہیں اور یہ قبیلے خاصے وحشی ہیں۔ اُسے یہ بھی معلوم ہُوا تھا کہ ان قبیلوں کا اپنا ہی تہذیب و تمدن اور اپنا ہی مذہب ہے۔ کبھی یہ بُت پرست ہُوا کرتے تھے لیکن انہوں نے اسلام کا اتنا سا ہی اثر قبول کیا کہ بُت پرستی چھوڑ دی لیکن اپنے اپنے عقیدوں اور مذہبی رسم و رواج کو نہ چھوڑا۔

وہ گھوڑ سوار وحشی تھا یا تہذیب یافتہ' اس سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ شافعیہ کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جس میں حیرت بھی تھی اور ہوس کاری کا تاثر بھی تھا۔ شافعیہ اُسے چپ چاپ دیکھے جا رہی تھی۔ اُس نے خوف و ہراس جھٹک ڈالا اور چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہ آنے دیا جس سے پتہ چلتا کہ وہ اس سیاہ فام سے خوف و ہراس محسوس کر رہی ہے۔ یہ سوار گھوڑے سے اُتر آیا اور آہستہ آہستہ شافعیہ کے قریب آ گیا۔ اُس کے دونوں نوکر گھوڑوں سے اُترے اور اس طرح کھڑے ہو گئے جیسے آقا ابھی انہیں کوئی حکم

Scanned by iqbalmt

دے گا۔ آقا نے اپنی زبان میں شافعیہ کے ساتھ بات کی۔ شافعیہ نے سر ہلایا جس کا مطلب تھا کہ وہ اُس کی زبان نہیں سمجھتی۔ وہ مسکرایا۔

"کیا تم انسان ہو؟" — گھوڑ سوار نے اب اس خطّے کی زبان میں پوچھا — "یقین نہیں آتا"۔

"ہاں، میں انسان ہوں" — شافعیہ نے جواب دیا۔

شافعیہ کے لب و لہجے اور انداز میں ذرا سا بھی خوف و ہراس نہیں تھا۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ ذرا سے بھی خوف کا اظہار کیا یا اس پر اپنی مجبوری اور بے بسی ظاہر کی تو یہ شخص شیر ہو جائے گا۔

"کون ہو تم؟" — سوار نے جو یقیناً" اپنے قبیلے کا سردار تھا' پوچھا — "اور اس جنگل میں اکیلی کیا کر رہی ہو؟.... معلوم ہوتا ہے تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں"۔

"ہوں تو انسان لیکن روح بھی ہو" — شافعیہ نے کہا — "حسن بن صباح کا نام تو تم نے سنا ہی ہو گا!"

"شیخ الجبل.... امام!" — سردار نے کہا — "میں نے اُس کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔ وہ آسمان سے آگ کی آغوش میں زمین پر اُترا تھا۔ میں نے یہ بھی سنا ہے اور ٹھیک سنا ہے کہ وہ آسمانی جنّت کو زمین پر لے آیا ہے"۔

"میں اس جنّت کی حوُر ہوں" — شافعیہ نے کہا اور اس سے پوچھا — "کیا تم نے امام کی بیعت نہیں کی؟"

"نہیں!" — سردار نے جواب دیا — "ہمارا اپنا مذہب ہے۔ ہمارا یہ رواج ہے کہ جو قبیلے کا سردار ہوتا ہے وہ مذہبی پیشوا بھی ہوتا ہے۔ میں اپنے قبیلے کا سردار اور مذہبی پیشوا ہوں.... تم اکیلی کیوں ہو؟"

"شکار کے لئے آئی تھی" — شافعیہ نے کہا — "ایک ہرن کے تعاقب میں یہاں تک آ نکلی۔ میں دانستہ چھُپ گئی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ میرے ساتھ جو آدمی شکار کھیلنے آئے تھے' وہ مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہو جائیں اور واپس چلے جائیں۔ میں دراصل آزاد گھومنا پھرنا چاہتی تھی۔ اب واپس جا رہی ہوں لیکن راستہ یاد نہیں رہا"۔

شافعیہ نے کچھ اور ایسے ہی جھوٹ بولے اور اپنا دماغ حاضر رکھا۔

"میں نے اس جنگل میں کسی اور آدمی کو نہیں دیکھا" — سردار نے کہا — "کیا لوگ تمہیں اکیلا چھوڑ کر چلے گئے ہوں گے؟"

"چلے گئے ہوں گے!" — شافعیہ نے جواب دیا — "میں اکیلے جانا چاہتی ہوں لیکن ابھی میں واپس نہیں جاؤں گی کیونکہ میں ایک اور جگہ جانا چاہتی ہوں۔ میں بھٹک نہ جاتی تو اب تک یہاں سے نکل گئی ہوتی۔ مجھے کچھ خیال نہیں رہا ہم کس طرف سے آئے تھے"۔

"کہاں جانا چاہتی ہو؟" — سردار نے پوچھا۔

"قلعہ دسم کوہ!" — شافعیہ نے جواب دیا — "کیا تم مجھے وہاں تک کا راستہ بتا سکتے ہو؟.... میں نہیں جانتی میں کس سمت کو جا رہی ہوں"۔

"کیا شیخ الجبل میں اتنی روحانی طاقت نہیں؟" — سردار نے پوچھا اور کہا — "اسے تو گھر بیٹھے معلوم ہو جانا چاہئے کہ تم کہاں ہو۔ میں نے تو سنا ہے کہ اُس میں ایسی روحانی قوّت ہے کہ زمین کی ساتویں تہہ تک کے راز پا لیتا ہے"۔

"اُسے کوئی بتائے گا تو وہ میرا پتہ چلائے گا" — شافعیہ نے کہا — "اُسے کوئی بھی نہیں بتائے گا کہ میں جنگل میں اکیلی رہ گئی ہوں.... کیا تم مجھے راستہ بتا سکتے ہو؟"

"بتا سکتا ہوں" — سردار نے جواب دیا — "لیکن یہاں نہیں بتاؤں گا۔ تم میرے علاقے میں ہو اور میں تمہارا میزبان ہوں۔ میں تمہیں اپنی بستی میں نہیں لے جاؤں گا' بستی بہت دُور ہے۔ یہاں میں ایک جگہ خیمہ زن ہوں' تمہیں وہاں لے جاؤں گا اور وہاں تمہیں راستہ سمجھاؤں گا"۔

"اگر میں تمہارے خیمے میں نہ جاؤں تو؟" — شافعیہ نے پوچھا۔

"تو پھر اس جنگل میں بھٹکتی رہو" — سردار نے مسکراتے ہوئے کہا — "اس جنگل سے نکلنا آسان کام نہیں اور یہاں خطرہ یہ ہے کہ یہاں بھیڑیئے بھی ہیں' شیر بھی ہیں اور ایک سیاہ رنگ کا شیر بھی دیکھنے میں آیا ہے جو بہت خطرناک درندہ ہے۔ ہو سکتا ہے تمہاری تلاش میں آنے والوں سے پہلے ان درندوں میں سے کوئی تم تک پہنچ جائے۔ تمہیں خیمے میں اس لئے لے جا رہا ہوں کہ تم زبانی دسم کوہ تک کا راستہ نہیں سمجھ سکو گی۔ میں سفید کپڑے پر راستہ بنا کر تمہیں دوں گا اور جو نمایاں نشانیاں راستے میں آئیں گی وہ نشان لگا کر تمہیں بتاؤں گا۔ بہتر ہے میرے ساتھ چلی چلو"۔

Scanned by iqbalmt

شافعیہ نے کچھ دیر سوچا اور بہتر یہی سمجھا کہ یہ خطرہ مول لے لیا جائے اور اس شخص سے راستہ سمجھ لیا جائے۔ اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ اُس نے اس سردار فارم سردار کے ساتھ جانے پر رضامندی کا اظہار کر دیا۔

○

شافعیہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور اُس کے ساتھ چل پڑی۔ اُس کا سیلہ فام میزبان اپنے شکار کو بھول گیا اور واپس اپنے خیمے کی طرف چل پڑا۔ وہ بوتا کم تھا اور شافعیہ کو اوپر سے نیچے تک بار بار دیکھتا اور حیران بھی ہوتا اور خوش بھی۔ اُس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس ہرن کے ساتھ اُسے کوئی دلچسپی نہیں رہی جس کی پیٹھ میں اس کا تیر اُترا ہُوا تھا۔ اُسے بڑا ہی خوبصورت شکار مل گیا تھا۔ شافعیہ شاید اس کی نظروں کو سمجھ رہی تھی۔

"میرا نام زرتوش ہے" — راستے میں سردار نے شافعیہ کو بتایا — "میں ابھی تین چار دن اسی جنگل میں رہوں گا۔ جب واپس جاؤں گا تو میرے ساتھ دو تین ہرن ہوں گے اور شاید ایک شیر بھی ہو"۔

شافعیہ کو اُس کے شکار کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اس سے صرف راستہ سمجھنا چاہتی تھی۔ وہ اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ اس جنگل سے خیریت سے نکل بھی جائے گی یا نہیں!

"میں اپنے آدمی تمہارے ساتھ بھیج دوں گا" — زرتوش نے کہا — "وہ تمہیں خطرناک علاقے سے نکال کر واپس آئیں گے"۔

زرتوش کی خیمہ گاہ وہاں سے بہت دُور تھی۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے ڈیڑھ دو گھنٹے گزر گئے تھے۔ وہاں چار پانچ خیمے لگے ہوئے تھے اور ان کے باہر پانچ سات آدمی کوئی نہ کوئی کام کر رہے تھے۔ زرتوش نے شافعیہ کو بتایا کہ وہ سب اس کے نوکر چاکر ہیں اور ان میں باورچی بھی ہے.... ایک خیمہ جو دوسروں سے بڑا اور شکل و صورت میں مختلف تھا، الگ تھلگ نظر آ رہا تھا۔ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، یہ زرتوش کا خیمہ تھا۔ زرتوش اور شافعیہ گھوڑوں سے اترے اور نوکر دوڑے آئے اور گھوڑے انہوں نے پکڑ لئے۔ زرتوش شافعیہ کو اپنے خیمے میں لے گیا۔

فرش پر ایک بستر بچھا ہُوا تھا۔ نیچے روئی کے گدّے تھے اور ان پر بڑی خوبصورت اور قیمتی چادر بچھی ہوئی تھی۔ خیمے میں کچھ اور چیزیں بڑے قرینے سے اور سلیقے سے

رکھی ہوئی تھیں۔ زرتوش نے شافعیہ کو بستر پر بٹھایا اور ایک خادم کو بلا کر کہا کہ وہ کھانا لے آئے۔

کھانا آیا تو شافعیہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ یہ بھنے ہوئے مختلف پرندے تھے۔ یہ اتنے زیادہ تھے کہ دس بارہ آدمی کھا سکتے تھے۔ ان کے ساتھ روٹی نہیں تھی۔

"شکار پر آ کر میں صرف شکار کھایا کرتا ہوں" — زرتوش نے کہا — "تم بھی یہ پرندے کھاؤ گی، روٹی نہیں ملے گی نہ تمہیں روٹی کی ضرورت محسوس ہوگی"۔

خادم پھر آیا اور ایک صراحی اور دو پیالے رکھ کر چلا گیا۔ زرتوش نے صراحی سے دونوں پیالے بھرے اور ایک پیالہ شافعیہ کے آگے کر دیا۔ شافعیہ بُو سے سمجھ گئی کہ یہ شراب ہے۔ اُس نے شراب پینے سے انکار کر دیا۔

"کیوں؟" — زرتوش نے حیرت سے کہا — "شیخ الجبل حسن بن صباح کی حُور ہو کر تم شراب پینے سے انکار کرتی ہو؟.... کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

"ہاں، اس کی ایک وجہ ہے" — شافعیہ نے کہا — "مجھے ایک بزرگ نے بتایا تھا کہ شراب چہرے کی رونق ختم کر دیتی ہے۔ میں بڑھاپے میں بھی جوانوں جیسی رہنا چاہتی ہوں"۔

شافعیہ محتاط تھی کہ اُس کے منہ سے یہ نہ نکل جائے کہ وہ مسلمان ہے۔

وہ کھانا کھاتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ زرتوش نے بہت اصرار کیا کہ وہ تھوڑی سی شراب پی لے لیکن اُس نے نہ پی۔ کھانے سے فارغ ہوئے اور نوکر برتن اُٹھا کر لے گیا تو شافعیہ نے زرتوش سے کہا کہ اب وہ اُسے راستہ سمجھا دے۔

"کیا جلدی ہے؟" — زرتوش نے کہا — "تم اسی وقت تو روانہ نہیں ہو سکتیں!"

"میں اسی وقت روانہ ہونا چاہتی ہوں" — شافعیہ نے کہا — "صبح تک میں اپنی منزل کے کچھ اور قریب ہو جاؤں گی۔ میں رات ضائع نہیں ہونے دوں گی"۔

"میری میزبانی کا تقاضہ کچھ اور ہے" — زرتوش نے کہا — "میں اپنے قبیلے کے رسم و رواج کا پابند ہوں۔ میرے خادم سارے قبیلے میں مشہور کر دیں گے کہ میں نے مہمان کو رات کو رخصت کر دیا تھا۔ مجھ پر لعنت ہے کہ میں مہمان کو اور وہ بھی ایک عورت کو رات کو ہی رخصت کر دوں"۔

Scanned by iqbalmt

"تو پھر مجھے راستہ بنا کر دکھائیں" — شافعیہ نے کہا۔

سورج غروب ہو گیا تھا اور خیمے میں مٹی کے دو دیئے جلا کر رکھ دیئے گئے تھے۔ زرتوش نے ایک نوکر کو بلایا اور اُسے کہا کہ وہ گز بھر سفید کپڑا لے آئے اور جلی ہوئی لکڑیوں کے دو تین کوئلے بھی لیتا آئے۔

کپڑا آگیا جو ایک چادر سے پھاڑا گیا تھا۔ نوکر تین چار کوئلے بھی رکھ کر خیمے سے نکل گیا۔ زرتوش نے یہ کپڑا لکڑی کی اُس چوکی پر رکھا جس پر کچھ دیر پہلے انہوں نے کھانا کھایا تھا۔ کپڑے کو ہر طرف سے کھینچ کر زرتوش اس پر کوئلے سے لکیریں ڈالنے لگا۔ اس دوران اس نے شافعیہ کو کچھ بھی نہ بتایا سوائے اس کے کہ جہاں سے اس کی لکیر شروع ہوئی تھی' وہ بتایا کہ تم اس وقت یہاں ہو۔ پھر وہ لکیر ڈالتا ہی چلا گیا۔ یہ سیدھی لکیر نہیں تھی بلکہ ٹیڑھی میڑھی سی تھی اور زرتوش اس پر کچھ نشان سے بھی لگاتا جا رہا تھا۔

بہت دیر بعد کپڑے پر کئی ایک لکیریں اس طرح بن گئیں جس طرح نقشے پر دریا دکھائے جاتے ہیں۔ اُس نے یہ کپڑا شافعیہ کو دکھایا اور کہا کہ یہ کپڑا وہ اپنے ساتھ لے جائے گی اور اس کے بغیر وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکے گی۔ زرتوش نے اُسے بتانا شروع کر دیا کہ اس راستے پر اس سمت کو جائے گی تو اتنی دور ایک چشمہ ملے گا۔ اس طرح وہ اُسے تفصیلات بتاتا رہا اور پھر یہ بھی بتایا کہ اس مقام پر آکر کوہستانی علاقہ شروع ہو گا اور اس میں فلاں فلاں نشانیاں دیکھ کر راستہ دیکھنا ہو گا۔

شافعیہ نے محسوس کیا کہ راستہ زبانی یاد نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ کپڑا ساتھ ہونا لازمی تھا۔ اُسے امید یہی تھی کہ اس کا میزبان اُسے کہے گا کہ یہ کپڑا اپنے پاس رکھنا اور اسے دیکھ دیکھ کر چلنا لیکن میزبان نے کپڑا تہہ کر کے اپنے چغے کی اندر والی جیب میں رکھ لیا۔

"کیا یہ کپڑا مجھے نہیں دو گے؟" — شافعیہ نے پوچھا۔

"تمہارے لئے ہی تو یہ ٹیڑھی سیدھی لکیریں ڈالی ہیں" — زرتوش نے جواب دیا — "لیکن ایک شرط ہے جو پوری کرو گی تو یہ کپڑا تمہارے حوالے کر دوں گا اور اپنے دو آدمی تمہارے ساتھ محافظوں کے طور پر بھیجوں گا۔ کھانے پینے کا ایسا سامان ساتھ دوں گا جو تم نے حسن بن صباح کی جنت میں بھی کبھی نہیں کھایا ہو گا"۔

شافعیہ نے صاف طور پر محسوس کیا کہ اس شخص کا لب و لہجہ بدلا ہُوا ہے۔ اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں بھی کوئی اور ہی تاثر آگیا تھا۔ اُس پر شراب کا نشہ بھی طاری

تھا۔

"شرط کیا ہے؟" — شافعیہ نے پوچھا۔

"آج رات تم میری مہمان ہو گی" — زرتوش نے بازو لمبا کر کے شافعیہ کو اپنے بازوؤں میں لیتے ہوئے کہا — "کل رات بھی تم میرے ساتھ گزارو گی۔ اب خود ہی سمجھ لو میری شرط کیا ہے"۔

"ہاں میں سمجھ گئی ہوں" — شافعیہ نے کہا — "تم میری عصمت اور آبرو کا سودا کر رہے ہو۔ اگر میں یہ سودا قبول نہ کروں تو؟"

"تو ہمیشہ میرے ساتھ رہو گی" — زرتوش نے کہا — "میں تمہیں اپنی لونڈی بنا کر رکھوں گا۔ اگر مجھے پریشان کرو گی یا بھاگنے کی کوشش کرو گی تو میں تمہیں بڑی ہی بُری موت ماروں گا"۔

"کیا تم بھول گئے ہو میں کون ہوں؟" — شافعیہ نے کہا — "میں شیخ الجبل کی بڑی قیمتی ملکیت ہوں۔ تم جانتے ہو حسن بن صباح اللہ کا اُتارا ہُوا الہام ہے اور اس میں اتنی طاقت ہے کہ اُسے پتہ چل جائے گا میں کہاں ہوں۔ تم یہ نہیں جانتے کہ وہ تمہیں کس انجام کو پہنچائے گا۔ آدھا زمین میں گاڑ کر وہ تم پر خونخوار کتے چھوڑ دینے کا حکم دے گا اور تمہارے قبیلے کی تمام لڑکیوں کو یہاں سے اٹھوا کر قلعہ الموت میں اکٹھا کر لے گا"۔

"جانتا ہوں" — زرتوش نے کہا — "بڑی اچھی طرح جانتا ہوں۔ حسن بن صباح اللہ کا نہیں ابلیس کا بھیجا ہُوا الہام ہے اور ان کے پاس وہی طاقت ہے جو ابلیس کے پاس ہوتی ہے اور مجھ جیسے سردار ایسی طاقت سے محروم ہوتے ہیں۔ تم جس عصمت اور آبرو کا سودا قبول نہیں کر رہیں' وہ عصمت اور آبرو تمہارے پاس ہے ہی نہیں۔ میں نے تم جیسی حسین لڑکیاں تو دیکھی ہیں لیکن کبھی کسی کو ہاتھ لگا کر نہیں دیکھا۔ میں تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ زندگی میں پہلی بار تم جیسی شگفتہ کلی میرے ہاتھ آئی ہے۔ میں تمہارے حسن اور جوانی سے پورا پورا لطف اٹھاؤں گا۔.... کیا تم میری اس شرافت کی قدر نہیں کرو گی کہ میں نے تمہیں صرف دو راتیں رکھنے کے لئے کہا ہے؟ اس کے بعد تم آزاد ہو گی اور میرے آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے"۔

"میں نے بڑے ہی بدصورت اور شیطان فطرت آدمی دیکھے ہیں" — شافعیہ نے

Scanned by iqbalmt

کہا — "لیکن کبھی کسی کے ساتھ واسطہ نہیں پڑا تھا۔ تم پہلے بدصورت آدمی ہو جس کے جال میں پھنسی ہوں۔ تم دو راتیں کہتے ہو؟ میں دو لمحے بھی یہاں ٹھہرنا گوارا نہیں کروں گی.... اپنا انجام سوچ لو"۔

زرتوش طنزیہ سی ہنسی ہنس پڑا اور شافعیہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں نے تمہیں پہلی نظر دیکھا تو یقین نہیں آیا تھا کہ تم انسان ہو" — زرتوش نے کہا — "پھر یقین ہو گیا کہ تم انسان ہی ہو.... یہ بتا دو کہ تمہیں اکیلی کس طرح آئی ہو اور کس طرح راستہ بھول گئی ہو؟ یہ سُن لو کہ تم میری شرط پوری کئے بغیر یہاں سے جا نہیں سکو گی۔ اگر جان کی بازی لگاؤ گی تو میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا.... بولو' کہاں سے آئی ہو اور کہاں جا رہی ہو؟"

شافعیہ گہری سوچ میں کھو گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ اس شخص کو اپنی اصلیت بتا دے اور یہ بھی کہ وہ اپنے چچا وغیرہ کے ساتھ ایک خزانہ اٹھانے گئی تھی اور وہاں سب قتل ہو گئے ہیں۔ خزانے کے خیال سے شافعیہ کا دماغ روشن ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ اس شخص کو خزانے کا لالچ دیا جائے تو یہ بہت خوش ہو گا اور جان بخشی کر دے گا.... شافعیہ نے اُسے خزانے کے متعلق سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی کہ کس طرح وہ بھی اپنے چچا کے ساتھ اس غار تک گئی تھی اور کس طرح کچھ ڈاکو اور لٹیرے آ گئے جو جانتے تھے کہ یہاں خزانہ ہے۔ شافعیہ نے اسے یہ ساری واردات سنا دی لیکن اپنے متعلق یہی بیان رکھا کہ وہ حسن بن صباح کی جنت کی حور ہے اور خزانے کے لالچ میں آ گئی تھی۔

"میں تمہیں اس جگہ کا راستہ بتا دیتی ہوں" — شافعیہ نے کہا — "دو دنوں کی مسافت ہے۔ وہاں اب سوائے کٹی اور جلی ہوئی لاشوں کے کچھ نہیں ہو گا۔ جاؤ اور وہ بکس اٹھا کر لے آؤ"۔

"بدقسمت اور بے عقل لڑکی!" — زرتوش نے کہا — "میں جانتا ہوں تم جھوٹ نہیں بول رہیں۔ تم جانتی ہو میں خزانے کی طرف چل پڑا تو تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ تم نے مجھے دھوکہ نہیں دیا لیکن وہ سب لوگ جو اس غار میں خزانے پر مارے گئے ہیں' انہوں نے اپنے آپ کو دھوکا دیا تھا۔ ہم لوگ اس خزانے کے لالچ میں کبھی نہیں آئے۔ ان خزانوں پر بڑے بڑے جابر بادشاہ کٹ مرے ہیں"۔

"تم وہاں جاؤ تو سہی!" — شافعیہ نے کہا — "اب وہاں مرنے مارنے والا کوئی

نہیں آئے گا۔ وہ جو آئے تھے وہ اس خزانے کے حصہ دار تھے اور وہ تمام خزانہ خود لے جانا چاہتے تھے"۔

"میں کہہ رہا ہوں یہ لالچ مجھے نہ دو" — زرتوش نے کہا — "ہم لوگ تمہاری تہذیب سے' تمہارے رہن سہن سے اور تمہارے شاہانہ طور طریقوں سے دُور جنگلوں میں رہنے والے لوگ ہیں۔ تم ہمیں جنگلی کہہ لو' وحشی اور درندے کہہ لو لیکن ہم جو کچھ بھی ہیں' اپنے آپ میں خوش اور مطمئن ہیں.... تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ یہ لوگ چھپا ہوا خزانہ اٹھانے گئے تو سب مارے گئے بلکہ جل بھی گئے۔ ہمارے بزرگ ہمیں بتا گئے ہیں کہ کبھی کسی چھپے ہوئے اور مدفون خزانے کے لالچ میں نہ آنا۔ لوٹا ہوا خزانہ جہاں کہیں بھی چھپا کر رکھا جائے' وہاں بدروحوں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ یہ بدروحیں سانپوں کی شکل میں ظاہر ہو سکتی ہیں یا بڑے زہریلے بچھو بن جاتی ہیں۔ خزانے تک پہنچنے والے جونہی خزانے پر ہاتھ رکھتے ہیں' سانپ یا بچھو نکل آتے ہیں اور ڈس کر انہیں وہیں ختم کر دیتے ہیں۔ کہا تو یہ بھی جاتا ہے کہ بدروحیں نہ ہوں تو وہاں جنات پہنچ جاتے ہیں جو انسانوں کی شکل میں سامنے آتے ہیں اور خزانے کی حفاظت کرتے ہیں۔ تمہارے آدمیوں پر جن لوگوں نے حملہ کیا تھا' انہیں بدروحیں یا جنات لائے تھے اور وہاں تک پہنچایا تھا۔ چونکہ وہ بھی خزانہ اٹھانے گئے تھے اس لئے آپس میں لڑ مرے اور بدروحوں یا جنات نے مشعلوں سے انہیں جلا ڈالا۔ کیا تم نے کبھی سنا نہیں کہ مدفون خزانوں پر سانپ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں؟"

"میں تمہیں جانے پر اُکسا نہیں رہی" — شافعیہ نے کہا — "میں نے ایک خزانے کی نشاندہی کی ہے۔ تمہارے جی میں آئے تو وہاں چلے جانا"۔

"میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گا" — زرتوش نے کہا — "تم جس حسن بن صباح کو اللہ کا بھیجا ہوا امام کہتی ہو' اُس کے بڑے ہی دلکش اثرات میرے قبیلے تک آئے تھے۔ مجھے بڑی ہی حسین لڑکیوں کے اور ایسے ہی خزانوں کے لالچ دیئے گئے تھے۔ حسن بن صباح کے بھیجے ہوئے آدمی اس امید پر آئے تھے کہ قبیلے کا سردار جال میں آ گیا تو سمجھو پورا قبیلہ ہاتھ آ گیا۔ میرا قبیلہ جنگجو ہے' شہسوار ہے' حسن بن صباح مجھے اور قبیلے کو اپنی طاقت بنانا چاہتا تھا۔ میں نے اپنا مذہب نہیں چھوڑا۔ ہمارے کچھ اپنے عقیدے ہیں۔ ہاں' اسلام کا کچھ اثر قبول کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ اسلام کوئی لالچ نہیں دیتا' اسلام کوئی

Scanned by iqbalmt

لالچ قبول نہیں کرتا۔ اگر مسلمانوں کے سلطان حکمرانی کو دماغ پر سوار کرلیں اور ان کے امیر امارت کو اپنا نشہ بنالیں تو پھر حسن بن صباح جیسے ابلیس کامیاب نہ ہوں تو کیوں نہ ہوں۔ ان کی نسبت تو ہم جنگلی کبور وحشی اچھے ہیں جنہوں نے حسن بن صباح کی ابلیسیت کو قبول نہیں کیا"۔

"ایک بات سنو" — شافعیہ نے کہا — "تم باتیں کتنی اچھی اور عقل کی کرتے ہو لیکن ایک بے بس' بھٹکی ہوئی اور کمزور سی لڑکی پر رحم نہیں کرتے"۔

"تو نے مجھے حسن بن صباح سے ڈرانے کی کوشش کی ہے" — زرتوش نے کہا۔

"اگر میں کہوں کہ میں مسلمان ہوں اور حسن بن صباح کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں تو میرے ساتھ تمہارا سلوک کیا ہوگا؟" — شافعیہ نے کہا۔

"میں کہوں گا تم مجھے دھوکہ دے رہی ہو" — زرتوش نے کہا — "مجھے کچھ بھی کہہ لو.... میں وحشی ہوں' درندہ ہوں.... میں دو راتیں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا۔ کیا یہ رحم نہیں کہ میں تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنا قیدی نہیں بنا رہا؟.... تم مجھے اس خواہش سے محروم نہیں کر سکو گی۔ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ دو راتوں کے لئے مجھے قبول کر لو"۔

شافعیہ پھر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اُسے اپنے حُسن کا اچھی طرح اندازہ تھا وہ جب اُس سیاہ فام شخص کو دیکھتی تھی تو اُس کا دل ڈوبنے لگتا تھا۔ سوچتے سوچتے اسے ایک روشنی نظر آئی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" — زرتوش نے کہا — "میں تم پر کوئی ظلم نہیں کر رہا۔ اس کے بعد تم آزاد ہو گی اور یہ ایک مرد کا وعدہ ہے"۔

"صرف آج کی رات!" — شافعیہ نے کہا — "میری یہ شرط مان لو.... صرف آج کی رات.... صبح مجھے رخصت کر دینا"۔

"چلو' مان لیا" — زرتوش نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کپڑا مجھے دے دو" — شافعیہ نے کہا۔

"کپڑا صبح ملے گا" — زرتوش نے کہا — "یہ کپڑا صبح تمہارا ہو گا۔ رات کو یہ میرا ہے"۔

اس دوران زرتوش شراب ایک ایک گھونٹ پیتا رہا تھا۔ شافعیہ کو رضامند دیکھ کر

اُس نے کچھ اور شراب چڑھالی۔ اُس نے بڑے پیار سے شافعیہ کو بستر پر لٹا دیا۔ اُس پر ایک تو شراب کا نشہ طاری تھا اور اس کے ساتھ شافعیہ کے حُسن و جوانی کا نشہ بھی شامل ہو گیا۔ وہ دیکھ نہ سکا کہ شافعیہ کا دایاں ہاتھ اپنے نیفے کے اندر چلا گیا ہے۔ زرتوش اُس کے اوپر جھکا تو شافعیہ نے پوری طاقت سے خنجر اُس کے دل کے مقام پر اتار دیا۔ زرتوش پیچھے ہٹا۔ شافعیہ بڑی تیزی سے اٹھی اور خنجر کا ایک وار اور کیا۔ زرتوش پیٹھ کے بل گرا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ وہاں رکھ لئے تھے جہاں اس کو خنجر لگے تھے۔ اُس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ خنجر صحیح مقام پر لگے تھے۔ خون کا فوارہ پھوٹ آیا تھا۔ شافعیہ اسے دیکھتی رہی۔ زرتوش کے دونوں ہاتھ جو سینے پر رکھے ہوئے تھے ڈھیلے پڑ گئے اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

شافعیہ نے اس کے چغے کے اندر ہاتھ ڈالا اور وہ کپڑا نکال لیا جس پر زرتوش نے کوئلے سے راستے بنائے تھے۔ یہ کپڑا اس نے اپنے کپڑوں کے اندر نیفے میں اُڑس لیا۔ اب اسے یہ خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ زرتوش کے نوکر چاکر جاگ رہے ہوں گے۔

وہ آہستہ آہستہ باہر نکلی۔ باہر خاموشی تھی۔ کسی اور خیمے میں روشنی نہیں تھی۔ وہ سب شاید سو گئے تھے اور وہ اس خیال سے سو گئے ہوں گے کہ ان کے سردار کو بڑا خوبصورت شکار مل گیا ہے اور وہ اب شراب اور بدکاری میں مگن ہو گا۔ شافعیہ دبے پاؤں گھوڑوں تک پہنچی۔

زینیں قریب ہی رکھی تھیں۔ اس نے اپنے دونوں گھوڑوں پر زینیں رکھیں اور اچھی طرح کس لیں۔ خیمے میں جا کر اُس نے اپنی تلوار اٹھائی اور کمر کے ساتھ باندھ لی۔ باہر جا کر اُس نے دیکھا کہ ایک گھوڑے پر اس کے کھانے والے تھیلے بندھے ہوئے تھے اور ایک مشکیزے میں پانی اچھا خاصا موجود تھا۔ اب اسے پانی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ یہ جنگل تھا اور جنگل میں پانی کی کمی نہیں ہوتی۔

اسے ایک خیال آگیا۔ یہ تو اس نے دیکھا نہیں تھا کہ کس طرف جانا ہے۔ وہ پھر خیمے میں چلی گئی۔ دو دیئے جل رہے تھے۔ شافعیہ نے کپڑا نیفے سے نکال کر اپنے سامنے زمین پر پھیلایا اور دیکھا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔ یہ راستہ اچھی طرح دیکھ لیا۔ کپڑا لپیٹ کر پھر نیفے میں اُڑس لیا اور خیمے سے نکل آئی۔

وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور گھوڑا چل پڑا لیکن اُس نے گھوڑے کو زیادہ تیز نہ چلنے

Scanned by iqbalmt

دیا تاکہ اس کے قدموں کی آواز خیموں کے اندر تک نہ پہنچ سکے۔ خاصی دُور جا کر اُس نے باگوں کو جھٹکا دیا تو گھوڑے کی رفتار تیز ہو گئی۔

○

دسم کوہ میں امن قائم ہو چکا تھا۔ باغیوں کی لاشیں گھسیٹ کر قلعے سے دور چھ ایک لمبے چوڑے گڑھے کھود کر ان میں پھینک دی گئیں اور اوپر مٹی ڈال دی گئی تھی۔ سالار اوریزی کے لشکر کے شہیدوں کو الگ الگ قبروں میں پورے احترام سے دفن کیا گیا تھا۔

سلطان برکیارق اپنے دونوں بھائیوں محمد اور سنجر کے ساتھ دسم کوہ پہنچ گیا تھا اور تینوں بھائیوں نے سالار اوریزی، مزمّل آفندی اور ابنِ یونس کو دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔

"لیکن سالار اوریزی!" — برکیارق نے پہلے روز یہاں پہنچ کر کہا تھا — "صرف قلعہ سر کر کے ہمارا کام ختم نہیں ہو جاتا۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ حسن بن صباح اور اس کے اثرات کو اور اس کے پھیلائے ہوئے غلط عقائد کو ختم کیا جائے۔ اس کے لئے قلعہ اَلمُوت کو سر کرنا ضروری ہے ورنہ ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو گی"۔

"آپ پوری سلطنت کا لشکر قلعہ اَلمُوت کے محاصرے کے لئے لے جائیں" — مزمّل آفندی نے کہا — "آپ اس قلعے کو سر نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے نہیں کہ باطنی بڑے زبردست جنگجو ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ قلعہ بلندی پر بنایا گیا ہے اور اس کے تین اطراف سے دریا گزرتا ہے۔ آپ ایک بار اس قلعے کو دیکھ لیں"۔

"میں نے یہ قلعہ بڑی اچھی طرح دیکھا ہُوا ہے" — سالار اوریزی نے کہا — "میں خود کہا کرتا ہوں کہ اس قلعے کو سر کرنا اگر ناممکن نہیں تو بہت ہی مشکل ضرور ہے۔ لیکن سوچنے والی بات یہی ہے کہ اصل طاقت کہاں ہے۔ وہ ہے حسن بن صباح۔ اگر اس ایک شخص کو سر کر لیا جائے تو صرف قلعہ اَلمُوت ہی نہیں بلکہ ان باغیوں کے تمام قلعے اور ان کے تمام اسرار ہمارے قدموں میں آ گریں گے۔ ہمیں تین چار ایسے جانبازوں کی ضرورت ہے جو قلعہ اَلمُوت میں داخل ہو کر حسن بن صباح کو اُسی طرح قتل کر دیں جس طرح حسن بن صباح کے فدائی ہمارے علماء اور حاکموں کو قتل کر چکے ہیں اور کرتے جا رہے ہیں"۔

"میں آج تک کیا کہتا آ رہا ہوں" — مزمّل آفندی نے کہا — "دو جانباز تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ایک میں ہوں اور دوسرا ابنِ یونس..... میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہم سیدھے جا کر حسن بن صباح کو قتل نہیں کر سکتے۔ ہمیں کچھ چالبازیاں کرنی پڑیں گی۔ آپ اجازت دیں تو میں کچھ اور جانباز تیار کر لوں"۔

اس مسئلے پر بہت دیر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا اور یہ سب اس نتیجے پر پہنچے کہ جس طرح حسن بن صباح زمین دوز وار کرتا ہے اور سامنے لڑنے کے لئے نہیں آتا، اسی طرح اسے ختم کرنے کے لئے بھی کوئی طریقۂ کار طے کرنا پڑے گا..... تاریخ کے دامن میں جو واقعات اب تک محفوظ ہیں، ان سے یہ شہادت ملتی ہے کہ مسلمان سالار اور دوسرے حاکم آپس میں اس قسم کی باتیں تو کر لیتے تھے لیکن عملی طور پر وہ ایسے طریقے اختیار نہیں کرتے تھے جو حسن بن صباح کے طریقوں کے توڑ ثابت ہو سکتے۔ مسلمان میدانِ جنگ میں لڑنے کی مہارت اور جذبہ رکھتے تھے لیکن حسن بن صباح لشکروں کی دُو بدُو لڑائی کا قائل نہیں تھا۔ وہ سانپوں اور بچھوؤں کی طرح ڈنک مارا کرتا تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اُس نے اپنے فدائی تیار کر رکھے تھے اور وہ فدائی زہریلے ناگوں اور بچھوؤں جیسے ہی تھے۔

سلطان برکیارق نے اپنا ایک مسئلہ پیش کر دیا۔ اس نے کہا کہ اُس کی صحت اس قابل نہیں رہی کہ سلطانی کے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکے۔ مسلمان مؤرخوں میں سے اکثر نے تو سلطان برکیارق کی بیماری کا ذکر ہی نہیں کیا اور جن دو مسلمان مؤرخوں نے ذکر کیا ہے، وہ اتنا ہی کیا ہے کہ سلطان برکیارق علیل ہو گیا تھا۔ البتہ ایک یورپی تاریخ دان جیمز سٹیفن نے تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ سلطان برکیارق ذہنی طور پر ٹھیک نہیں رہا تھا۔

اس نے لکھا ہے کہ سلطان برکیارق ایک باطنی لڑکی کے زیرِ اثر آ گیا تھا اور اس نے اس دوران بڑے غلط فیصلے کئے تھے اور اپنی ماں تک کی بے ادبی کی تھی۔ برکیارق نے اس لڑکی کو جو اس کی بیوی بن گئی تھی، اپنے ہاتھوں قتل کیا تھا اور اس سے برکیارق کے ضمیر سے گناہ کا بوجھ اُتر جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہ ہُوا۔

خانہ جنگی کا بوجھ بھی برکیارق نے اپنے ضمیر پر لے رکھا تھا۔ اس نے اپنی ماں کے قدموں میں جا سر رکھا تھا اور معافیاں مانگی تھیں۔ اُس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بہت

Scanned by iqbalmt

عبادت کی تھی اور وہ اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا رہتا تھا لیکن خانہ جنگی میں جو لوگ مارے گئے تھے' برکیارق اپنے آپ کو ان سب کا قاتل سمجھتا تھا۔ اس نے سلطنت کے امور کے سلسلے میں بڑے اچھے فیصلے کئے تھے اور اس نے اپنی زندگی سلطنت کے استحکام کے لئے اور عوام کی خوشحالی کے لئے اور حسن بن صباح کی تباہی کے لئے وقف کر دی تھی۔ اسے علماء نے یقین دلایا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف کر دیئے ہیں لیکن جب وہ تنہا ہوتا تو اپنے ضمیر کا سامنا کرنے سے گھبراتا اور پریشان ہو جاتا تھا۔

یہ ایسا ذہنی مرض تھا جس نے اس کے دماغ پر یعنی سوچنے کی قوت پر اور جسم پر بھی اثر کیا۔ اس کی جسمانی حالت یہ ہو گئی تھی کہ جوانی میں ہی وہ بوڑھا نظر آنے لگا تھا۔ طبیبوں نے اس کے علاج میں دن رات ایک کر دیا تھا۔ اسے ایسی ایسی دوائیاں تیار کر کے دی تھیں جن کا کوئی عام آدمی تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن مرض بڑھتا ہی گیا اور برکیارق ایسے مقام پر آ پہنچا جہاں اس نے محسوس کیا کہ وہ جسمانی اور ذہنی لحاظ سے معذور ہو گیا ہے۔

"ہم تینوں بھائیوں نے سلطنت آپس میں تقسیم کر لی تھی" — برکیارق نے کہا — "مجھے توقع تو یہ تھی کہ یہ تقسیم سلطنت کے اندرونی مسائل اور دفاعی ضروریات کے لئے اچھی ثابت ہو گی۔ یہ اچھی ہی ثابت ہو رہی تھی کیونکہ ہم تینوں بھائیوں میں اتفاق اور اتحاد قائم رہا اور انہوں نے میرے ہی فیصلوں کو تسلیم کیا لیکن میں اب شدت سے محسوس کر رہا ہوں کہ میں اب سلطنت کا کاروبار سنبھالنے کے قابل نہیں رہا۔ میں تم سب سے مشورہ نہیں لے رہا بلکہ فیصلہ سنا رہا ہوں کہ آج سے میرے دونوں بھائی' محمد اور سنجر سلطنت کے سلطان ہوں گے اور سلطنت تین کی بجائے دو حصوں میں تقسیم ہو گی لیکن اس کا مرکز مرو میں ہی رہے گا"۔

سب پر سناٹا سا طاری ہو گیا۔ برکیارق کا یہ فیصلہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔ سالار اوریزی نے برکیارق کے اس فیصلے کے خلاف کچھ کہا اور دوسروں نے اس کی تائید کی لیکن برکیارق اپنے فیصلے پر قائم رہا اور اس نے یہ بھی کہا کہ تم لوگ میرے معاملے میں جذبات میں آ گئے تو اس کا سلطنت کو نقصان ہو سکتا ہے۔ کچھ دیر بحث مباحثہ جاری رہا لیکن برکیارق نے سختی سے اپنا آخری فیصلہ ایک بار پھر سنایا اور سب کو خاموش کر دیا۔

"میں سلطنت سے لاتعلق نہیں ہو جاؤں گا" — برکیارق نے کہا — "جہاں

کہیں تمہیں میری ضرورت محسوس ہوئی' میں پہنچوں گا اور میری جان اور میرا مال سلطنت کے لئے وقف رہے گا"۔

برکیارق بظاہر خوش و خرم نظر آتا تھا اور وہ ہر بات بڑے ہی خوشگوار انداز میں کرتا تھا۔ اس نے اگر کبھی اپنی بیماری کا ذکر کیا تو اس میں مایوسی اور اداسی کی جھلک نہیں تھی۔ اس نے مزمل کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"مزمل!" — برکیارق نے مسکراتے ہوئے کہا — "شمونہ میرے ساتھ آئی تھی اور وہ میرے ساتھ واپس نہیں جائے گی۔ میں حیران ہوں کہ راستے میں اس نے میرے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ اب تمہارے ساتھ شادی کر ہی لینا چاہتی ہے بلکہ وہ ایک ہی بات کرتی ہے کہ وہ جو جہاد کرنا چاہتی ہے اس کا اسے موقع نہیں مل رہا.... کیا تم پسند نہیں کرو گے کہ وسم کوہ کی فتح کی خوشی میں تمہارا نکاح آج ہی پڑھا دیا جائے؟"

سب نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے برکیارق کی تائید کی۔ یہ شادی بہت عرصہ پہلے ہو جانی چاہئے تھی اور ہونی ہی تھی لیکن مزمل اور شمونہ پر ایسی کیفیت طاری رہتی تھی کہ شادی کو وہ نظرانداز کرتے چلے آ رہے تھے۔ دونوں نے اپنی زندگی کا ایک ہی مقصد بنا لیا تھا اور وہ تھا حسن بن صباح کا قتل اور باطنیوں کا قلع قمع.... مزمل اور شمونہ جوانی کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکے تھے۔ شمونہ کو جب اطلاع ملی تھی کہ وسم کوہ فتح کر لیا گیا ہے اور اس میں مزمل آفندی اور بن یونس کا خاصا ہاتھ ہے اور ان دونوں نے کامیابی سے باطنیوں کو دھوکا دیا ہے تو وہ اُڑ کر مزمل کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی لیکن اکیلے وہاں تک جانا ممکن نہیں تھا۔ اسے پتہ چلا کہ سلطان برکیارق وسم کوہ جا رہا ہے تو وہ فوراً برکیارق کے پاس جا پہنچی اور کہا کہ وہ بھی جانا چاہتی ہے۔ اس طرح برکیارق اسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

اسی شام وسم کوہ میں مزمل اور شمونہ کی شادی ہو گئی۔

اگلے روز برکیارق نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسے محمد اور سنجر کے ساتھ ایک روز بعد مرو کے لئے روانہ ہو جانا تھا۔ یہ لوگ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ کوئی سلطان پسند نہیں کرتا کہ وہ جب کھانے پر بیٹھا ہوا ہو تو دربان اندر آ کر اسے اطلاع دے کہ فلاں شخص آیا ہے یا فلاں واقعہ ہو گیا ہے لیکن برکیارق نے اپنے دربانوں کو کہہ رکھا تھا کہ وہ

Scanned by iqbalmt

کھانے پر بیٹھا ہو یا گہری نیند سویا ہُوا ہو' کوئی خاص واقعہ ہو جائے یا کوئی خاص آدمی اسے ملنے آ جائے تو اسے جگا لیا جائے۔ یہ دربانوں کی صوابدید پر تھا کہ وہ ملاقاتیوں کی چھان بین کر کے دیکھیں کہ یہ ملاقات فوری طور پر ضروری ہے یا نہیں۔

قلعہ وسم کوہ میں برکیارق کھانے پر بیٹھا ہُوا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کے دو بھائی تھے' سالار اوریزی تھا' مزمّل آفندی اور بن یونس تھے اور وسم کوہ کا نیا امیر بھی تھا جسے برکیارق نے مقرر کیا تھا۔ دربان اندر آیا اور کہا کہ ایک خاتون بہت ہی بُری حالت میں آئی ہے اور کہتی ہے کہ بہت عرصے سے سفر میں تھی اور مرتے مرتے منزل پر پہنچی ہے۔ برکیارق نے کہا کہ اسے فوراً اندر بھیج دو۔

ایک جواں سال عورت کھانے کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے کپڑوں پر گرد اَٹی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے سے پتہ چلتا تھا جیسے لاش قبر سے نکل آئی ہو۔ اُس کی آنکھیں نیم وا تھیں اور اُس کا منہ کھلا ہُوا تھا۔ اگر دربان اُسے سہارا نہ دیتا تو وہ گر پڑتی۔ برکیارق کے کہنے پر اسے بٹھا دیا گیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔

"میرا نام شافعیہ ہے" — عورت نے بڑی ہی مشکل سے یہ الفاظ باہر کو دھکیلے — "میں یہیں کی رہنے والی ہوں اور ابو جندل کی بھتیجی ہوں...." — اتنا کہہ کر وہ ایک طرف کو لڑھک گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

"اسے اٹھا کر فوراً طبیب کے پاس لے جاؤ" — برکیارق نے کہا — "یہ بیمار تو ہے ہی' بھوکی اور پیاسی بھی لگتی ہے۔ یہ ہوش میں آ جائے تو اسے کھانے کو کچھ دے دینا۔ اس کے بعد میں اگر یہاں ہُوا تو مجھے بتانا۔ میں چلا گیا تو سالار اوریزی کو اطلاع دے دینا"۔

شافعیہ سولہ سترہ دنوں کے بعد وسم کوہ پہنچی تھی۔

○

برکیارق مَرو پہنچا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ ہر طرف اعلان کروا دیا کہ وہ اب سلطان نہیں اور اب محمد اور سنجر سلطان ہیں۔ برکیارق نے عوام میں مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ لوگوں نے یہ فیصلہ سنا تو چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ بعض یہ سمجھے کہ بھائیوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور چھوٹے دونوں بھائی جیت گئے ہیں' انہوں نے بڑے بھائی کو سلطانی سے معزول کر دیا ہے۔

عوام کا یہ ردِعمل برکیارق تک پہنچا تو اس نے یہ انتظام کیا کہ سرکاری اہلکار لوگوں کو تمام سلطنت میں بتا دیں کہ یہ فیصلہ اس نے خود بیماری کی وجہ سے کیا ہے اور لوگ محمد اور سنجر کے وفادار ہو جائیں۔

لوگوں کو جب یہ معلوم ہُوا کہ برکیارق بیمار ہے تو مسجدوں میں اس کی صحت یابی کی دعائیں ہونے لگیں۔ اس کی بیماری کی خبر تمام تر سلطنت میں پھیل گئی اور اصفہان تک بھی پہنچی۔

اصفہان کی جامعہ مسجد کا خطیب اُس وقت کا ایک بڑا ہی مشہور عالم قاضی ابو العلاء صاعد بن ابو محمد نیشاپوری تھا۔ عالم ہونے کے علاوہ وہ مردِ میدان بھی تھا۔ اس کے خطبوں میں جہاد کی تلقین زیادہ ہوتی تھی۔ وہ جب خطبہ دیتا تو اس میں الفاظ کا ہیر پھیر اور پیچیدگیاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایسی سادہ زبان میں خطبہ دیا کرتا کہ معمولی سے ذہن کے لوگ بھی اصل بات سمجھ جاتے تھے۔ وہ باطنیوں کا بہت بڑا دشمن تھا۔ اسے پتہ چلا کہ برکیارق بیمار ہو گیا ہے اور بیماری نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ اس نے سلطانی چھوڑ دی ہے تو وہ اسی وقت مَرو کے لئے روانہ ہو گیا۔

بڑے ہی لمبے سفر کے بعد وہ مَرو پہنچا اور برکیارق کا مہمان ٹھہرا۔ برکیارق اسے اپنا دینی اور روحانی پیشوا سمجھا کرتا تھا۔ قاضی ابو العلاء نے برکیارق سے پوچھا کہ اس کی بیماری کیا ہے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ برکیارق وقت سے پہلے مرجھا گیا ہے لیکن اسے ظاہری طور پر کوئی بیماری نہیں۔ برکیارق نے اسے بتایا کہ وہ خود نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے ذہن پر کیا اثر ہو گیا ہے کہ وہ کھویا کھویا سا رہتا ہے اور یوں خوف سا محسوس کرتا ہے جیسے کوئی ناخوشگوار واقعہ یا حادثہ ہونے والا ہو۔

قاضی ابو العلاء نے اس سے تمام علامات پوچھیں اور اس کے طبیب کو بلایا۔ طبیب آیا تو قاضی نے طبیب سے پوچھا کہ اس نے برکیارق میں کیا بیماری دیکھی ہے۔

"یہ پتہ چل جاتا تو میں اب تک انہیں صحت یاب کر چکا ہوتا" — طبیب نے کہا — "میں اپنا تمام تر علم اور تجربہ آزما چکا ہوں لیکن سلطان ٹھیک نہیں ہو رہے۔ معلوم ہوتا ہے ان کے ذہن اور دل پر کوئی ایسا بوجھ ہے جسے یہ بیان نہیں کر سکتے یا سمجھ ہی نہیں سکتے"۔

قاضی نے برکیارق سے بہت پوچھا کہ وہ دل پر کیا بوجھ لئے ہوئے ہے لیکن برکیارق

Scanned by iqbalmt

نے بتانا مناسب نہ سمجھا یا وہ بیان ہی نہ کر سکا کہ اسے اندر ہی اندر کیسی دیمک کھا رہی ہے۔

"مجھے اچھی طرح یاد ہے" ___ قاضی ابوالعلاء صاعد نے کہا ___ "آپ کے والد محترم ملک شاہ کو باطنیوں نے دھوکے میں ایسا زہر پلا دیا تھا جو آہستہ آہستہ انہیں کھاتا رہا اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو بھی باطنیوں نے کوئی چیز کھلا دی ہے جس کا آپ کو پتہ ہی نہیں چلا"۔

"میں نے اس شک کے پیش نظر بھی دوائیاں دی ہیں" ___ طبیب نے کہا ___ "اگر انہیں کسی بھی قسم کا زہر پلا دیا گیا ہوتا تو اس کے اثرات ان دوائیوں سے ختم ہو جاتے۔ یہ کچھ اور ہی ہے"۔

"میں آج رات تنہائی میں بیٹھوں گا" ___ قاضی نے کہا ___ "اللہ نے مجھے کشف کی کچھ طاقت عطا فرمائی ہے۔ مجھے کچھ شک ہے کہ یہ سفلی تعویذ کا اثر ہے۔ حسن بن صباح سفلی عمل سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ وہ یہ عمل اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال بھی کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے آج رات پتہ چل جائے گا"۔

برکیارق نے قاضی ابوالعلاء صاعد کے لئے ایک خاص کمرہ تیار کروایا جس میں مصلّیٰ' قرآن پاک اور جو کچھ بھی قاضی نے کہا رکھ دیا گیا۔ رات عشاء کی نماز کے بعد قاضی ابوالعلاء نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور مصلّے پر بیٹھ گیا....وہ رات کے آخری پہر تک مراقبے میں رہا اور پھر تہجد ادا کی' اذان کے بعد فجر کی نماز پڑھی اور سو گیا۔ طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد وہ کمرے سے نکلا اور برکیارق کے پاس گیا۔

"میرا شک صحیح نکلا ہے" ___ اس نے برکیارق سے کہا ___ "یہ سفلی تعویذ کا اثر ہے لیکن یہ حسن بن صباح نے نہیں کیا بلکہ یہاں کوئی آدمی ہے جس نے اپنے طور پر آپ کو ختم کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ میں اس کا توڑ کر دوں گا لیکن یہاں نہیں۔ میں کل صبح اصفہان کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔ اس تعویذ کے لئے کم از کم تین راتوں کا چلّہ کرنا پڑے گا پھر تعویذ لکھا جائے گا۔ جب یہ تعویذ تیار ہو گیا تو میں آپ کو بھیج دوں گا۔ اسے کس طرح استعمال کرنا ہو گا' وہ میں تعویذ لانے والے کو بتا دوں گا"۔

برکیارق کو باطنی معاف نہیں کر سکتے تھے۔ داستان گو پہلے تفصیل سے سنا چکا ہے کہ برکیارق ایک لڑکی کے ساتھ شادی کر کے نادانستہ طور پر حسن بن صباح کا آلۂ کار بن گیا

تھا۔ یہ اس لڑکی کا کمال تھا لیکن وقت نے ایسا پلٹا کھایا کہ برکیارق کی آنکھیں کھل گئیں اور اس کی عقل سے پردہ اُٹھ گیا۔ یہ شمونہ کا کمال تھا۔ برکیارق نے اپنی اس بیوی کو اپنے ہاتھوں قتل کیا اور اس کے بعد اس نے حکم دے دیا کہ جہاں کہیں کوئی باطنی نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے۔ باطنی اپنے اتنے زیادہ ساتھیوں کا خون کیسے معاف کر دیتے! انہوں نے جس طرح دوسری کئی ایک شخصیات کو قتل کیا تھا' برکیارق کو بھی قتل کر دیتے لیکن انہیں موقع نہیں مل رہا تھا کیونکہ برکیارق جدھر بھی جاتا تھا' اس کے اِردگرد محافظوں کا حصار ہوتا تھا۔ اگر قاضی ابوالعلاء کی تشخیص صحیح تھی تو یہ عمل باطنیوں نے ہی کیا تھا۔

قاضی ابوالعلاء اگلے روز فجر کی نماز کے فوراً بعد واپس اصفہان کو چل پڑا۔ اُس کے ساتھ دس بارہ آدمی تھے جو اس کے ایسے مرید تھے کہ اس پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ وہ قاضی کو کہیں اکیلا نہیں جانے دیتے تھے کیونکہ اُس وقت تک باطنی کئی ایک علماءِ دین کو قتل کر چکے تھے۔

اصفہان میں اہلِ سنّت کی اکثریت تھی۔ وہ اپنے خطیب قاضی ابوالعلاء صاعد کی غیر حاضری بڑی بُری طرح محسوس کر رہے تھے۔ وہ پوچھتے تھے خطیب کہاں گئے۔ انہیں جتایا گیا کہ سلطان برکیارق بیمار ہے اور اس کی عیادت کو گئے ہیں۔ یہ تو لوگوں کو پہلے پتہ تھا کہ برکیارق بیمار ہے لیکن جب انہیں یہ پتہ چلا کہ جامع مسجد کا خطیب اس کی عیادت کو گیا ہے تو لوگ متفکر ہوئے کہ برکیارق کچھ زیادہ ہی بیمار ہو گیا ہے۔ وہاں کے لوگ برکیارق کو اس لئے زیادہ عزیز رکھتے تھے کہ اس نے باطنیوں کے قتلِ عام کا حکم دیا تھا۔ اصفہان میں باطنیوں نے مسلمانوں کا اچھا خاصا کشت و خون کیا تھا۔

آخر ایک روز اصفہان کے لوگوں کو پتہ چلا کہ ان کا خطیب واپس آ گیا ہے۔ کئی لوگ اس کے گھر جا پہنچے اور برکیارق کی صحت کے متعلق پوچھا۔ قاضی ابوالعلاء نے انہیں کہا کہ اتفاق سے کل جمعہ ہے' میں مسجد میں سب کو بتاؤں گا کہ برکیارق کس بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے اور اب اس کی حالت کیا ہے۔

اگلے روز جمعہ تھا۔ جمعہ کے روز تو جامع مسجد نمازیوں سے بھر جایا کرتی تھی لیکن اس جمعہ کی نماز کے وقت یہ حالت ہو گئی تھی کہ مسجد کے اندر تِل دھرنے کو جگہ نہیں رہی تھی اور بہت سے نمازیوں کو مسجد کے باہر صفیں بچھانی پڑیں۔ سب سلطان برکیارق

Scanned by iqbalmt

کی بیماری کے متعلق تازہ اطلاع سننے آئے تھے۔ خطبے سے پہلے قاضی ابوالعلاء صاعد منبر پر کھڑے ہو کر بڑی ہی بلند آواز سے برکیارق کی بیماری کے متعلق بتانے لگا۔

"برکیارق بن ملک شاہ کو کوئی جسمانی بیماری نہیں" ــــ قاضی ابوالعلاء نے کہا ــــ "میں نے مراقبے میں بیٹھ کر کشف کے ذریعے معلوم کیا ہے۔ برکیارق پر سفلی تعویذ کا اثر ہو گیا ہے اور یہ کارستانی کسی باطنی کی ہے۔ سب لوگ برکیارق کی صحت یابی کے لئے دعا کریں۔ کوئی پتہ نہیں کس کی اللہ سُن لے اور برکیارق کی صحت بحال ہو جائے۔ میں اس کے لئے ایک تعویذ تیار کر رہا ہوں جس میں تین چار دن لگ جائیں گے۔ اس تعویذ سے انشاء اللہ اس پر جو سُفلی اثرات ہیں رفع ہو جائیں گے"۔

نماز کے بعد برکیارق کی صحت یابی کے لئے خصوصی دعا کی گئی۔

قاضی ابوالعلاء نے یہ اعلان کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی کہ وہ تعویذ تیار کر رہا ہے۔ اس کے ذہن سے شاید یہ حقیقت نکل گئی تھی کہ باطنی نظر نہ آنے والے سائے کی طرح ہر جگہ موجود رہتے ہیں اور ذرا ذرا خبر اوپر پہنچا کر اس کے خلاف جو کارروائی ضروری ہو کرتے ہیں۔

اگلے روز فجر کی نماز کے وقت جماعت کھڑی ہوئی تو قاضی ابوالعلاء امامت کے لئے مصلّے پر جا کھڑا ہُوا۔ عموماً یوں ہوتا تھا کہ اس کے پیچھے پہلی صف میں اُس کے خاص آدمی کھڑے ہوتے تھے تاکہ قاضی پر کوئی حملہ نہ کر سکے۔ اُس روز فجر کی نماز کے وقت جب قاضی مصلّے پر کھڑا ہُوا اور تکبیر پڑھی جا رہی تھی تو دوسری صف سے ایک آدمی بڑی تیزی سے آگے بڑھا اور اگلی صف کے دو آدمیوں کو زور سے دھکا دیا۔ دونوں آدمی اس دھکے سے سنبھل نہ سکے اور امام کے ساتھ ٹکرائے۔ اس شخص نے اتنی دیر میں خنجر نکال لیا تھا۔ قاضی ابوالعلاء چونک کر پیچھے مُڑا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ پیشتر اس کے کہ اُسے پتہ چلتا یہ کیا ہُوا ہے خنجر اس کے دل میں اُتر چکا تھا۔ خنجر باہر نکلا اور پھر اُس کے دل میں اتر گیا۔

نمازی تو کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔ اِدھر قاضی مصلّے پر گرا اُدھر اس کا قاتل منبر پر چڑھ گیا اور خنجر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر کیا اور بڑی زور سے نعرہ لگایا ــ "شیخ الجبل امام حسن بن صباح کے نام پر" ــــ اور اس نے خنجر نیچے کو کھینچا اور اپنے سینے میں اتار لیا۔

ایک اور عالمِ دین باطنیوں کی نذر ہو گیا۔۔۔۔ یہ پانچویں صدی ہجری کا آخری سال تھا۔

○

قاضی ابوالعلاء صاعد بن ابو محمد نیشاپوری کے قتل کی اطلاع مَرو پہنچی تو تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ سلطان کے محل میں کیا ردِّ عمل ظاہر ہُوا ہو گا۔ وہ تو ایک دھماکہ تھا جس نے پہلے تو سب کو سُن کر دیا اور اس کے بعد سب شعلوں کی طرح بھڑک اٹھے۔ برکیارق کا سب سے چھوٹا بھائی سنجر کچھ زیادہ ہی جوشیلا تھا لیکن وہ ایسا جذباتی نہیں تھا کہ عقل پر جذبات کو غالب کر دیتا۔ پھر اسے فنِ حرب و ضرب میں بہت ہی دلچسپی تھی اور اس میں قیادت کے جوہر بھی تھے۔ ابھی وہ جوان تھا اور جوانی نے ایسا جوش مارا کہ اُس نے اعلان کر دیا کہ وہ باطنیوں کے قلعوں پر حملے کرے گا اور واپس مَرو میں اس وقت آئے گا جب باطنیوں کا نام و نشان مِٹ چکا ہو گا۔

اس وقت سلطنتِ سلجوقیہ کا وزیرِ اعظم فخرالملک ابوالمظفر علی تھا۔ وہ اس سلطنت کے مشہور وزیرِ اعظم نظام الملک خواجہ طوسی مرحوم کا بیٹا تھا۔ پندرہ برس پیشتر ایک باطنی نے نظام الملک خواجہ طوسی کو قتل کر دیا تھا۔ اب اس کا بیٹا ابوالمظفر علی وزیرِ اعظم تھا اور سلطان نے اسے فخرالملک کا خطاب دیا تھا۔ وہ اپنے باپ جیسا دُور اندیش اور دانشمند تھا۔ اُسے قاضی ابوالعلاء کے قتل کی خبر ملی تو وہ اُسی وقت سلطان کے محل پہنچا۔

وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سلطان محمد اور سلطان سنجر کا ردِّ عمل کیا ہے۔ اس نے دیکھا کہ ردِّ عمل بڑا ہی شدید ہے تو اسے خطرہ محسوس ہُوا کہ یہ دونوں بھائی غم و غصے سے مغلوب ہو کر کوئی غلط فیصلہ یا جلد بازی کر گزریں گے۔ اس نے انہیں مشورہ دیا کہ یہ منصوبہ بنا لینے دیں کہ انتقامی کارروائی کیسے کی جائے اور کب کی جائے۔

"اب ہم سوچنے میں مزید وقت ضائع نہیں کریں گے" ــــ محمد نے کہا ــــ "اب ہمیں الموت پر یا باطنیوں کے دوسرے بڑے اڈے قلعہ شاہ در پر حملہ کر دینا چاہئے۔ میں یہی فیصلہ کرتا ہوں اور میں اس فیصلے کی تائید چاہتا ہوں۔ قلعہ شاہ در میں حسن بن صباح کا استاد رہتا ہے۔ ہم پہلے اس اڈے کو تباہ کریں گے"۔

شاہ در وہ قلعہ بند شہر تھا جہاں سے حسن بن صباح اپنے استاد احمد بن عطاش سے تربیت حاصل کر کے نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک وسیع و عریض علاقے پر چھا گیا تھا اور اس نے الموت میں جنّت بھی بنالی تھی۔

Scanned by iqbalmt

وزیرِ اعظم ابوالمظفر علی اپنے مرحوم باپ کی طرح صرف وزیرِ اعظم ہی نہیں تھا بلکہ سالار بھی تھا یعنی جنگجو تھا اور میدانِ جنگ میں قیادت کی اہلیت بھی رکھتا تھا۔ اُس نے برکیارق، محمد اور سنجر سے کہا کہ اسے اجازت دیں کہ وہ قلعہ شاہ در کے محاصرے کا منصوبہ تیار کرے اور اپنے لشکر کو اپنی نگرانی کے تحت تیار کرے۔

"آپ ضرور کریں" — محمد نے کہا — "لیکن تین چار دنوں سے زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔ اس حملے اور محاصرے کی قیادت میں خود کروں گا۔ آپ منصوبہ تیار کرلیں اور لشکر کو بھی ضروری تربیت دے لیں"۔

اُدھر قلعہ وسم کوہ میں شافعیہ اگلے روز ہوش میں آئی۔ اُس نے ہوش میں آتے ہی پہلی بات طبیب کو یہ بتائی کہ وہ چار پانچ دنوں سے بھوکی ہے اور صرف پانی پیتی رہی ہے۔ طبیب نے اپنے ایک آدمی سے کہا کہ وہ مریضہ کے منہ میں قطرہ قطرہ شہد اور قطرہ قطرہ دودھ ٹپکاتا رہے۔ اسے فوراً" اتنی غذا نہیں دینی تھی جس سے پیٹ بھر جاتا کیونکہ اس کا جسم اتنی زیادہ غذا کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس وقت برکیارق مرو جانے کے لئے وسم کوہ سے رخصت ہو چکا تھا۔

طبیب نے سالار اوریزی کو اطلاع دی کہ مریضہ ہوش میں آگئی ہے۔ سالار اوریزی اُسی وقت پہنچا اور مریضہ کی حالت دیکھی۔ وہ تو زندہ لاش تھی۔ ابھی کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی۔ وہ شافعیہ کو تسلی دلاسہ دے کر وہاں سے آگیا۔ اس نے بہتر یہ سمجھا کہ مریضہ کے ساتھ کوئی عورت ہونی چاہئے۔ وہاں عورتوں کی تو کمی نہیں تھی لیکن محسوس یہ کیا گیا کہ اس لڑکی کے ساتھ کوئی عقل والی عورت ہو۔ اوریزی نے اس لئے یہ محسوس کیا تھا کہ شافعیہ نے سرگوشی میں ایک آدھ بات بڑی مشکل سے کہی تھی اور یہ بات ایسی تھی کہ اوریزی سمجھ گیا کہ یہ کوئی عام سی قسم کی لڑکی نہیں اور اس کا کوئی خاص پس منظر ہے۔ اسے یہ شک بھی ہوا تھا کہ یہ باطنیوں کی ہی لڑکی ہوگی۔

سالار اوریزی نے مزمل کے ساتھ بات کی تو مزمل نے کہا کہ وہ شمونہ لڑکی کے پاس بھیج دے گا جس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ عورت عورت کے ساتھ دل کی بات کر دیا کرتی ہے۔ شمونہ تجربہ کار عورت تھی جس سے یہ امید رکھی جا سکتی تھی کہ وہ شافعیہ کے سینے سے راز کی کوئی بات اگر ہوئی تو نکال لے گی۔

دن گزر گیا اور رات گہری ہونے لگی۔ شافعیہ کو اتنا زیادہ شہد دودھ دیا جا چکا تھا

کہ اس کے جسم میں جان آگئی اور وہ تھوڑا تھوڑا بولنے لگی۔ رات کو اُس نے اپنے ہاتھ سے شہد ملا دودھ پیا اور پھر اسے تھوڑی سی ٹھوس غذا دی گئی۔ شمونہ اس کے ساتھ رہی۔ شافعیہ بے ہوشی کی نیند سو گئی اور اگلے روز سورج نکل آنے کے خاصا بعد جاگی۔ شمونہ نے دیکھا کہ اب وہ اچھی طرح بول سکتی تھی۔

شمونہ نے اس سے پوچھا وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ شافعیہ نے کہا کہ وہ یہیں سے گئی تھی اور واپس یہیں آگئی ہے۔

"یہاں سے گئی تھی تو میرے ساتھ میری چھوٹی بہن تھی اور چچا بھی تھا" — شافعیہ نے کہا — "واپس آئی ہوں تو اکیلی ہوں"۔

شافعیہ نے شمونہ کو اپنی پوری داستان سنا ڈالی کہ وہ کس طرح اور کیوں یہاں سے رخصت ہوئی تھی اور کہاں تک گئی اور کس طرح واپس آئی ہے۔ اُس نے کسی بات پر پردہ نہ ڈالا۔

شمونہ اُسی وقت گھر گئی اور مزمل کو شافعیہ کی ساری داستان سنائی۔ مزمل اُسی وقت سالار اوریزی کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ لڑکی نے اپنے متعلق کیا سنایا ہے۔ سالار اوریزی نے کہا کہ وہ حیران تھا کہ اس کا یہ عہدیدار شمیر ابلک کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اُس کی کہیں لاش نہیں ملی تھی نہ ہی وہ کہیں زخمی حالت میں پڑا تھا۔ اب شافعیہ نے سالار اوریزی کو اس سوال کا جواب دے دیا۔

شافعیہ زرتوش کو قتل کر کے وہاں سے نکلی تو نقشے نے اُس کی صحیح رہنمائی کی۔ وہ تین چار دن گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھی سفر طے کرتی رہی۔ اسے اس جنگل میں کوئی بستی اور کوئی انسان نہ ملا۔ اس نے بہت مشکلات برداشت کیں۔ اسے یہ احساس رہا ہی نہیں تھا کہ کتنے دن اور کتنی راتیں گزر گئی ہیں۔ وہ جنگل سے نکل کر بنجر ویرانوں میں داخل ہوئی جہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نظر نہیں آتا تھا نہ وہاں کوئی سبزہ تنکا دکھائی دیتا تھا۔ وہ وہاں سے بھی نکل آئی۔

سفر کے آخری آٹھ دس دن اس کے لئے قیامت کے دن تھے۔ اُس پر ایک آفت یہ پڑی کہ ایک گھوڑے کو رات کے وقت زہریلے سانپ نے ڈس لیا اور گھوڑا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اب اس کے پاس ایک گھوڑا رہ گیا تھا۔ وہ اس پر سوار ہوئی اور دو دنوں بعد پھر ایک ہرے بھرے جنگل میں داخل ہوئی اور طوفانِ باد و باراں میں پھنس گئی۔ بڑا

Scanned by iqbalmt

ہی خوفناک طوفان تھا۔ بجلی کڑکتی تھی اور دو مرتبہ بجلی دو درختوں پر گری اور ٹہن ٹوٹ کر نیچے آ پڑے۔ آگے ایک ندی تھی جس میں سیلاب آگیا تھا۔ شافعیہ نے رکنے کی بجائے گھوڑا ندی میں اُتار دیا لیکن سیلاب اس قدر تیز و تند تھا کہ گھوڑے کو اپنے ساتھ بہانے لگا۔ بہت دُور جا کر پانی پھیلا تو گھوڑا پانی میں چل کر باہر نکل آیا لیکن شافعیہ یہ معلوم نہ کر سکی کہ وہ اب کہاں ہے۔ اس نے کپڑا نکالا۔ اس کپڑے پر کوئلے کی لکیریں ڈالی گئی تھیں۔ مصیبت یہ آ پڑی کہ وہ سیلاب میں اتری تھی اور تمام کپڑے بھیگ گئے تھے اس لئے اس کپڑے سے کوئلے کی لکیریں مٹ گئی تھیں۔

وہ اللہ کے بھروسے آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔ ایک اور دن کی مسافت کے بعد اس کے راستے میں ایک اور چشمہ آگیا۔ وہاں وہ گھوڑے کو پانی پلانے کے لئے رُک گئی۔ اس نے خود بھی پانی پیا لیکن اس کے پاس کھانے کا سامان ختم ہو چکا تھا۔ وہ جب پانی پی چکی تو اسے یاد آیا جب وہ خزانے والی غار کی طرف جا رہی تھی تو یہ چشمہ راستے میں آیا تھا۔ اس چشمے کے قریب ایک اونچی ٹیکری تھی۔ وہ اس ٹیکری پر چڑھ گئی اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے دو اور نشانیاں نظر آگئیں اور یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ ایک دن زیادہ سے زیادہ دو دن کی مسافت دور رہ گئی ہے اور اب اس کی منزل آئی کہ آئی۔

پھر یوں ہُوا کہ وہ ایک جنگل میں جا رہی تھی۔ اب اس کے دل پر ایسا بوجھ نہیں تھا کہ وہ ایک بار پھر راستہ بھول گئی ہے۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ صحیح راستے پر جا رہی ہے۔ پہلے وہ اللہ کی مدد اور رہنمائی مانگتی تھی اب اس نے اللہ کا شکرانہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ وہ جا رہی تھی کہ اچانک سات آٹھ بھیڑیئے کہیں سے نکلے اور اُس کی طرف دوڑ پڑے۔ گھوڑے کو ایڑ لگانے کی ضرورت نہیں تھی، گھوڑا ڈر کر ہی خود بھاگ اُٹھا اور بہت ہی تیز بھاگا۔ بھیڑیے بھی رفتار کے بہت تیز تھے اور یقیناً" بھوکے تھے اس لئے وہ دوڑے ہی چلے آ رہے تھے اور فاصلہ بہت کم ہوتا جا رہا تھا۔

شافعیہ نے سوچا کہ بھیڑیوں نے گھوڑے کو پکڑ لیا تو گھوڑا گرے گا اور وہ بھی گھوڑے کے ساتھ گرے گی اور کچھ بھیڑیئے گھوڑے کو اور کچھ اسے مار کر کھانا شروع کر دیں گے۔ وہ سوچنے لگی کہ گھوڑے سے کس طرح کود کر اُترے اور کسی اور طرف دوڑ پڑے لیکن کودنا تو شاید آسان تھا لیکن خطرہ یہ تھا کہ دو چار بھیڑیئے اس کے پیچھے دوڑ کر اسے پکڑ لیں گے۔

شافعیہ نے سامنے دیکھا ایک پھیلا ہُوا بہت بڑا درخت راستے میں آ رہا تھا۔ درخت کا ایک ٹہن زمین سے متوازی تھا۔ شافعیہ نے سوچ لیا کہ وہ اس ٹہن کو پکڑ لے گی اور گھوڑا اس کے نیچے سے نکل جائے گا۔ گھوڑا پوری رفتار سے جا رہا تھا اور بھیڑیئے اس کے اتنے قریب آ گئے تھے کہ آدھے دائیں طرف اور آدھے بائیں طرف ہو گئے تھے۔ درخت قریب آگیا۔ شافعیہ نے رکابوں سے پاؤں نکال لئے اور جب وہ درخت کے نیچے سے گزری تو ہاتھ اوپر کر کے ٹہن پکڑ لیا۔ اس کا خیال تو یہ تھا کہ ٹہن بڑے آرام سے اُس کے ہاتھ میں آ جائے گا اور گھوڑا نیچے سے نکل جائے گا لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ وہ کس رفتار سے جا رہی ہے۔ اُس نے ٹہن پکڑ لیا اور ٹہن نے جب اُسے اتنی زیادہ رفتار سے روک لیا تو اسے یوں لگا جیسے اس کے بازو ٹہن کے ساتھ رہ گئے ہیں اور باقی جسم گھوڑے کے ساتھ چلا گیا ہے۔ اسے اپنے بازو کندھوں سے الگ ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ وہ گر پڑی۔ کچھ چوٹ گرنے سے آئی اور دونوں بازو کندھوں سے شدید درد کرنے لگے۔ اُسے حاصل صرف یہ ہُوا کہ بھیڑیوں سے بچ گئی تھی۔ گھوڑا اور بھیڑیئے دُور نکل گئے تھے۔

شافعیہ نے ذرا بلند زمین پر کھڑے ہو کر دیکھا۔ اسے کچھ ایسی امید تھی کہ شاید گھوڑا اتنا تیز دوڑے کہ بھیڑیئے ہار کر اسے چھوڑ دیں اور گھوڑا واپس آ جائے لیکن یہ امید ایک جھوٹی امید تھی۔ گھوڑا ایک طرف مڑا تھا اور بھیڑیئے لپک جھپٹ کر اُس کی ٹانگوں پر منہ ڈال رہے تھے۔ آخر شافعیہ نے اپنے گھوڑے کو گرتے دیکھا۔ وہ ایک بار اُٹھا لیکن بھیڑیوں نے اسے پھر گرا لیا اور اس کے بعد وہ اُٹھ نہ سکا۔

اب شافعیہ نے منزل تک پیدل پہنچنا تھا۔ وہ گھوڑے کی پیٹھ پر رہتی تو ایک یا زیادہ سے زیادہ دو دن بعد منزل پر پہنچ جاتی لیکن نہ جانے کتنے دن اسے اپنا جسم اپنی ٹانگوں پر گھسیٹنا تھا۔ وہ بھیڑیوں کی طرف سے مطمئن ہو گئی تھی کیونکہ بھیڑیوں کو پیٹ بھرنے کے لئے اتنا بڑا اور اتنا تندرست گھوڑا مل گیا تھا۔ اب بھیڑیوں کو شافعیہ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ پھر بھی شافعیہ اس راستے سے ہٹ کر چلنے لگی۔

وہ چھٹے یا ساتویں دن وسم کوہ پہنچی لیکن اس حالت میں جیسے وہ اپنی لاش اپنے کندھوں پر اُٹھائے وہاں پہنچی ہو۔

سالار اوریزی نے شافعیہ کی یہ داستان سنی تو اُس نے کہا کہ اس لڑکی کو سرکاری

Scanned by iqbalmt

حیثیت دے کر خصوصی مہمان بنا کر رکھا جائے۔

○

مرو میں روز و شب بڑے ہی سرگرم تھے۔ فوج کو محاصرے کی اور قلعہ توڑنے کی اور پھر دست بدست لڑائی لڑنے کی تربیت دی جا رہی تھی۔ یہ راز چھپایا نہ گیا کہ قلعہ شاہ در کو محاصرے میں لیا جائے گا۔ اس ٹریننگ کی نگرانی وزیرِاعظم فخرالملک ابوالمظفر علی کر رہا تھا۔ محمد اور سنجر اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ وہ لشکر کو فوراً کوچ کے لئے تیار کرے لیکن ابوالمظفر علی جلد بازی کا قائل نہیں تھا۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ بے شک قیادت محمد اور سنجر ہی کریں لیکن وہ خود ساتھ ہو گا۔ وہ لوگوں کو بھی ترغیب دے رہا تھا کہ اپنی فوج میں شامل ہو جائیں اور باطنیوں کے خلاف جہاد میں شریک ہوں۔

لوگ جوق در جوق فوج میں شامل ہو رہے تھے اور ابوالمظفر علی ان سب کو بڑی تیزی سے ٹریننگ دلوا رہا تھا۔ برچھیاں اور تیر الگ بن رہے تھے اور وزیرِاعظم ان کی بھی نگرانی کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ ہر طرف ابوالمظفر علی ہی نظر آتا تھا۔ اپنے عوام میں وہ پہلے ہی مقبول تھا لیکن اب لوگوں نے اسے باطنیوں کے خلاف ان تیاریوں میں دیکھا تو اس کے کردار کے اور زیادہ قائل ہو گئے اور اسے بڑی ہی اونچی اور قابلِ قدر شخصیت سمجھنے لگے۔ وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ خانہ جنگی میں جو لوگ مر گئے تھے ان کا انتقام لینے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ ایک ایسی خلش تھی جو لوگوں کو فوج میں شامل ہونے پر اکسا رہی تھی۔

مشہور تاریخ دان ابنِ اثیر نے ایک بڑا ہی دردناک واقعہ لکھا ہے۔ وہ یوں ہے کہ محرم کی دس تاریخ تھی، اُس روز ابوالمظفر علی نے روزہ رکھا۔ صبح کے وقت وہ روزمرہ معمولات کے لئے باہر نکلا تو اُس نے محمد اور سنجر سے اور اپنے تین چار احباب سے کہا کہ گزشتہ رات اُس نے حضرت حسینؓ کو خواب میں دیکھا ہے۔ حضرت حسینؓ اسے کہتے ہیں ـــ "جلدی آ جاؤ، آج کا روزہ تم نے ہمارے پاس آ کر افطار کرنا ہے"۔

"فخرالملک!" ـــ ایک بڑے قریبی دوست نے ابوالمظفر علی سے کہا ـــ "ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ خواب مبارک ہے لیکن میری ایک بات مان لیں۔ آج کا دن اور آنے والی رات آپ گھر سے باہر نہ نکلیں۔ مجھے کچھ خطرہ سا محسوس ہو رہا ہے"۔

"حضرت حسینؓ یاد فرمائیں، اور میں گھر میں چھپ کر بیٹھ جاؤں!" ـــ ابوالمظفر

علی نے مسکراتے ہوئے کہا ـــ "بلاوا آیا تو میں حاضری ضرور دوں گا"۔

اُس روز ابوالمظفر علی نے روزمرہ معمول سے ہٹ کر یوں کیا کہ گھر چلا گیا اور زیادہ وقت نفل پڑھنے اور تلاوتِ قرآن میں گزارا۔ کچھ صدقہ بھی دیا۔ عصر کے وقت گھر سے باہر نکلا۔ اسے گھر کے سامنے ہی ایک مفلوک الحال شخص ملا جو رونی صورت بنائے اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"مسلمان تو جیسے ختم ہی ہو گئے ہیں" ـــ اس شخص نے مایوسی کے لہجے میں کہا ـــ "کوئی ایک بھی نہیں رہا جو مجھ مظلوم کی فریاد سنے"۔

"میں سنوں گا میرے بھائی!" ـــ ابوالمظفر نے اُس کے اور قریب ہو کر پوچھا ـــ "بتاؤ تو سہی تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟"

اس شخص نے اپنی جیب میں سے ایک کاغذ نکالا اور ابوالمظفر علی کی طرف بڑھا کر بولا کہ میں نے اپنی فریاد لکھ لی ہے اور یہ پڑھ لے۔ ابوالمظفر علی اس کے ہاتھ سے کاغذ لے کر پڑھنے لگا تو اس شخص نے بڑی تیزی سے کپڑوں کے اندر سے چھری نکالی اور ابوالمظفر علی کے پیٹ میں گھونپ کر ایسی پھیری کہ ابوالمظفر علی کا پورا پیٹ چاک ہو گیا۔

ابوالمظفر علی تو گر پڑا لیکن اتفاق سے کچھ آدمی وہاں سے گزر رہے تھے، انہوں نے دیکھ لیا، یہ پہلا باطنی تھا جس نے فوراً ہی اپنے آپ کو مار نہ لیا۔ اسے شاید خودکشی کی مہلت نہ ملی کیونکہ ان آدمیوں نے اسے پکڑ لیا تھا اور اس کے ہاتھ سے چھری بھی لے لی تھی۔

فخرالملک ابوالمظفر علی کے قتل کی خبر فوراً ہی شہر میں پھیل گئی اور لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ برکیارق، محمد اور سنجر بھی پہنچ گئے۔ اُس وقت ابوالمظفر علی فوت ہو چکا تھا۔ قاتل ابھی وہیں تھا۔ سلطان سنجر نے کہا کہ اسے اسی چھری سے یہیں اس طرح قتل کیا جائے کہ اس کی گردن کاٹ کر اور سر الگ کر کے پھینک دیا جائے۔

"او باطنی کافر!" ـــ محمد نے اُس سے پوچھا ـــ "تو نے دوسرے باطنی قاتلوں کی طرح خودکشی کیوں نہیں کر لی؟"

"میں جانتا ہوں مجھے قتل کے بدلے قتل کیا جائے گا" ـــ قاتل نے کہا ـــ "میں مرنے سے پہلے تم لوگوں کے ساتھ ایک نیکی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تمہارے اپنے اردگرد ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں تم اپنا مخلص اور ہمدرد سمجھتے ہو لیکن وہ باطنی ہیں اور

Scanned by iqbalmt

وہ ایک ایک آدمی کو قتل کریں گے"۔

باطنی نے سات آٹھ آدمیوں کے نام لئے۔ وہ کوئی اونچے عہدوں والے آدمی نہیں تھے لیکن ان کی کچھ نہ کچھ سرکاری حیثیت تھی۔ اُس وقت برکیارق، محمد اور سنجر پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ ان کی آنکھوں میں خون اُترا ہُوا تھا۔ ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے اُسی وقت ان سات آٹھ آدمیوں کو بلوا لیا اور جلّاد کو بھی بلا کر حکم دیا کہ اس باطنی کے قتل سے پہلے ان سات آٹھ آدمیوں کی گردنیں اُڑا دی جائیں۔ وہ سب آدمی چیختے چلّاتے رہے کہ یہ سب جھوٹ ہے لیکن اُن کی گردنیں اُڑا دی گئیں۔

جلّاد آخری آدمی کو قتل کر چکا تو ابوالمظفر علی کے قاتل نے پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ اُس سے پوچھا وہ کیوں ہنسا ہے۔

"ہنسوں نہ تو اور کیا کروں!" — باطنی نے کہا — "یہ سب بے گناہ تھے۔ میں نے یہ سوچ کر ان کے نام لئے تھے کہ میں تو مر ہی رہا ہوں تو کیوں نہ چند مسلمانوں کو ساتھ لے کر مروں۔ تم سب جاہل اور گنوار ہو کہ عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتے"۔

سلطان کے حکم سے اسے بھی جلّاد کے حوالے کر دیا گیا۔ جلاد نے اس کی گردن اپنی تلوار سے نہ کاٹی بلکہ حکم کے مطابق اُسے نیچے گرایا اور اسی کی چھُری سے اس کا سر اس کے جسم سے الگ کر دیا گیا۔

"اب ہم قلعہ شاہ در کا محاصرہ کریں گے" — سنجر نے انتہائی غصے کے عالم میں کہا — "کل صبح کوچ ہو گا"۔

ابوالمظفر علی کے قتل نے مَرْو کی آبادی کو تو جیسے آگ لگا دی تھی۔ لوگ مقتول کے گھر کی طرف دوڑ پڑے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ روکے ہوئے سیلاب کی طرح یہ ہجوم بے قابو ہُوا جا رہا تھا اور انتقام انتقام کے فلک شگاف نعرے زمین و آسمان کو جھنجھوڑ رہے تھے۔ ابوالمظفر علی کے قتل کی خبر صحیح معنوں میں جنگل کی آگ کی طرح شہر سے نکل کر مضافاتی علاقوں میں پہنچ گئی۔ وہاں کے لوگ بھی شہر کی طرف دوڑ پڑے۔

برکیارق کے چھوٹے بھائی سنجر نے ابوالمظفر کی لاش کے قریب کھڑے ہو کر اعلان کر دیا تھا کہ اب قلعہ شاہ در کا محاصرہ ہو گا اور کل کوچ کیا جائے گا لیکن ان کے بزرگ مشیروں نے کہا کہ ایسے فیصلے غصے اور جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کئے جاتے ورنہ جلد بازی میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ ان مشیروں کا مشورہ یہ تھا کہ اطمینان سے بیٹھ کر کوچ کا اور محاصرے کا منصوبہ تیار کر لیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کوچ چند دنوں بعد کیا جائے کیونکہ شہریوں کا جوش و خروش اور جذبۂ انتقام ایسا نظر آ رہا ہے کہ لشکر میں کچھ اور شہری شامل ہو جائیں گے۔

محاصرے کا منصوبہ تو بالکل تیار تھا جو ابوالمظفر علی مرحوم نے بنایا تھا۔ اس کے مطابق لشکر کو اُسی کی نگرانی میں ٹریننگ دی گئی تھی۔ اب کوچ کا دن ہی مقرر کرنا تھا۔ مقتول وزیرِ اعظم کی تجہیز و تکفین ہو چکی تو برکیارق، محمد، سنجر اور جنگی امور کے مشیروں کی کانفرنس ہوئی۔ اس میں سالاروں کو بھی شامل کیا گیا۔ اسی کانفرنس میں ضروری امور طے کر لئے گئے اور کوچ کا دن بھی مقرر ہو گیا۔ اس روز مَرْو میں اور اردگرد کے علاقوں میں

Scanned by iqbalmt

منادی کرا دی گئی کہ جو لوگ لشکر میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ فوراً مرو پہنچ جائیں۔

تین چار دنوں میں اس لشکر کی نفری بے انداز ہو گئی اور کوچ کا دن آ گیا۔ کسی بھی مؤرخ نے یہ نہیں لکھا کہ اس لشکر کی تعداد کتنی تھی اور اس میں سوار کتنے اور پیادے کتنے تھے۔ صرف یہ لکھا ہے کہ ایک تو باقاعدہ فوج تھی اور اس کے ساتھ ایک لشکر غیر فوجیوں کا تیار کیا گیا تھا۔ یہ لوگ گھوڑے اپنے لائے تھے اور ہتھیار بھی ان کے اپنے تھے۔

ایک فیصلہ یہ بھی کیا گیا کہ اس لشکر کی قیادت سنجر نہیں بلکہ اس کا بڑا بھائی محمد کرے گا۔

پھر صبح طلوع ہوئی۔ تمام تر لشکر جس میں باقاعدہ فوج بھی تھی اور تربیت یافتہ شہری بھی، میدان میں ترتیب سے کھڑا ہو گیا۔ محمد گھوڑے پر سوار لشکر کے سامنے آیا اور اس نے لشکر سے خطاب کیا۔

"اسلام کے مجاہدو!" —— محمد نے بلند آواز میں کہا —— "یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں اور کیوں جا رہے ہیں۔ ہم کوئی ملک فتح کرنے نہیں جا رہے۔ ہم ابلیسیت کو جڑوں سے اکھاڑنے جا رہے ہیں۔ یہ کسی سلطان کی جنگ نہیں اور یہ کسی سلطنت کی بھی جنگ نہیں۔ یہ ہم سب کی ذاتی جنگ ہے۔ ہم سب کا اللہ ایک، رسولؐ ایک اور ایمان ایک ہے۔ ہم سب ایک ہی جذبے سے سرشار ہو کر ایک ہی ہدف پر جا رہے ہیں۔ ہم نے کوئی ملک فتح نہیں کرنا۔ فتح ہو گی تو یہ اسلام کی فتح ہو گی اور اگر خدانخواستہ ہم پسپا ہو آئے تو ہم پر اللہ کی لعنت پڑے گی۔ میں تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم نے حسن بن صباح کے ابلیسی فرقے کو ختم کرنا ہے، بے گناہوں کے خون کا انتقام لینا ہے، خون خرابہ روکنا ہے اور مت بھولو کہ یہ وہ ابلیسی فرقہ ہے جس نے یہاں بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیا اور بھائی نے بھائی کا خون بہا دیا تھا۔ ان باطنیوں نے ہمارے علمائے دین کو قتل کیا، نظام الملک خواجہ حسن طوسی جیسی شخصیت کو قتل کیا اور اب ان کے بیٹے ابو المظفر علی کو قتل کر دیا ہے.... اور یہ تو تم جانتے ہو کہ اس فرقے نے اصفہان میں، شاہ در میں اور کئی دوسری جگہوں پر کس بے رحمی سے مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔ تم نے لڑنا ہے اور کسی اجر کے لالچ کے بغیر لڑنا ہے۔ فتح تبھی حاصل کر سکو گے جب اللہ کی راہ میں خون کے نذرانے پیش کرو گے۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ اللہ کسی کا جذبۂ جہاد اور جذبۂ ایثار فراموش نہیں کیا کرتا۔ میں ایک آخری بات کہوں گا۔ تم میں سے کسی کے دل میں کوئی

شک اور شبہ ہے یا کوئی وہم ہے یا وہ دلی طور پر اس جہاد کے لئے تیار نہیں تو میں اُسے اجازت دیتا ہوں کہ وہ ابھی لشکر سے نکل جائے۔ کوچ شروع ہو گیا اور کسی نے پیٹھ دکھانے کی کوشش کی تو اُسے وہیں قتل کر دیا جائے گا"۔

ایک فلک شگاف نعرہ بلند ہوا۔ اس نعرے میں اُن عورتوں اور بچوں کی آوازیں بھی شامل تھیں جو لشکر کو رخصت کرنے کے لئے اور خدا حافظ کہنے کے لئے وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔ مکانوں کی چھتوں پر بھی عورتیں کھڑی تھیں۔ لشکر وہاں سے چلا تو عورتوں نے ہاتھ پھیلا کر اللہ سے لشکر کی سلامتی اور فتح کی دعائیں مانگیں۔

○

قلعہ اَلمُوت میں حسن بن صباح کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ وزیرِ اعظم ابو المظفر علی کو قتل کر دیا گیا ہے اور قاتل نے خودکشی کر لی ہے۔ کچھ دنوں بعد اسے دوسری اطلاع یہ دی گئی کہ سلطنتِ سلجوقیہ کا ایک بہت بڑا لشکر شاہ در کی طرف کُوچ کر گیا ہے اور اب تک وہاں پہنچ چکا ہو گا.... یہ غالباً" پہلا موقع تھا کہ حسن بن صباح مُسکرایا نہیں بلکہ اس کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر آ گیا۔ اس سے پہلے اسے اطلاع ملتی تھی کہ مسلمانوں نے فلاں قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے تو وہ یوں مسکرا اٹھتا تھا جیسے اسے کوئی غم اور کوئی فکر نہ ہو۔ مسلمان کوئی قلعہ فتح کر لیتے تو بھی حسن بن صباح کے چہرے پر پریشانی کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں آتا تھا لیکن اب یہ سن کر کہ سلطنتِ سلجوقیہ کا لشکر شاہ در پہنچ چکا ہو گا تو وہ خلاؤں میں دیکھنے لگا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حسن بن صباح کے پاس فدائیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ تو ایک لشکر تھا۔ حسن بن صباح کسی بھی فدائی کو اشارہ کر دیتا تو وہ فدائی اپنی جان اپنے ہاتھوں لے لیتا تھا لیکن یہ فدائی ایک منظم فوج کی طرح لڑنے کا تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ فدائیوں کے خنجر اور ان کی چھریاں چلتی تھیں۔ وہ دھوکے میں قتل کرتے تھے یا زمین کے نیچے سے وار کر جاتے تھے۔ حسن بن صباح نے سلطنتِ سلجوقیہ میں خانہ جنگی کرا دی تھی۔ اس نے ایسی بہت سی شخصیات کو قتل کروا دیا تھا جنہیں کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ اُس وقت تک دو وزیرِ اعظم فدائیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ یہ حسن بن صباح کا ہی کمال تھا لیکن اس کے ایک اشارے پر جانیں قربان کر دینے والا فدائیوں کا لشکر میدان میں آ کر جنگ نہیں لڑ سکتا تھا۔

Scanned by iqbalmt

حسن بن صباح کو قلعہ شاہ در کے محاصرے کی اطلاع ملی تو وہ متفکر ہو کر گہری سوچ میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے سر اٹھایا اور اپنے مشیروں وغیرہ کو بلایا۔

"شاہ در بڑا ہی مضبوط قلعہ بند شہر ہے" — حسن بن صباح نے کہا — "لیکن اب ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے سلجوقیوں کو جتنی ضربیں لگائی ہیں' وہ ان کی برداشت سے باہر ہو گئی ہیں۔ اب وہ زخمی شیر کی طرح انتقام لینے نکلے ہیں۔ یہ مت بھولو کہ شاہ در میرے لئے قلعہ الموت سے زیادہ مقدس ہے۔ وہاں میرا پیر و مرشد عبدالملک بن عطاش رہتا ہے۔ شاہ در کو ہر قیمت پر بچانا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلجوقی اس شہر کو فتح کر لیں۔ اگر انہوں نے یہ قلعہ سر کر لیا تو وہ میرے پیر و مرشد کی بڑی ہی تذلیل اور توہین کریں گے۔ ہمارے پاس ایسا کوئی منظم لشکر نہیں جو یہاں سے کوچ کر جائے اور محاصرے کو محاصرے میں لے لے۔ ہمیں اپنا طریقہ کار اختیار کرنا پڑے گا۔ یہاں سے دس فدائی بھیج دو۔ وہ اپنے آپ کو اہلِ سنت کہلائیں گے اور مبلغ بن کر جائیں گے۔ وہ سلطان محمد کو قتل کریں گے اور سپہ سالار کو بھی قتل کریں گے اور اگر وہ اور سالاروں کو قتل کر دیں تو محاصرہ نہ صرف ٹوٹ جائے گا بلکہ پورے کا پورا لشکر بھاگ جائے گا"۔

"اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا" — ایک معتمر مشیر نے کہا — "صرف سلطان مارا گیا تو محاصرے میں ذرا سی بھی جان نہیں رہے گی۔ میں اپنے منتخب کئے ہوئے فدائی بھیجوں گا"۔

"میرا پیر و مرشد عبدالملک بن عطاش اتنا کچا نہیں کہ وہ شہر سلجوقیوں کو دے دے گا" — حسن بن صباح نے کہا — "وہ کوئی نہ کوئی ڈھنگ کھیلے گا اور میرا خیال ہے وہ سلجوقیوں کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائے گا' پھر بھی میں اسے فرض سمجھتا ہوں کہ باہر سے اُس کی مدد کروں۔ میں دس قلعے دے سکتا ہوں' شاہ در نہیں دوں گا.... فدائیوں کو فوراً بھیج دو"۔

اُس زمانے میں ایسے ہی ہوتا تھا۔ سپہ سالار مارا جاتا تو پورے کا پورا لشکر بددل ہو جاتا تھا۔ بادشاہ خود اپنے لشکروں کی قیادت کیا کرتے تھے لیکن بادشاہ مارا جاتا تو سارا لشکر بھاگ اٹھتا تھا۔ حسن بن صباح کی یہ سوچ بے بنیاد نہیں تھی کہ محمد کو قتل کر دیا جائے۔ محمد سلطان تھا جس کے مارے جانے سے محاصرے نے ٹوٹ جانا تھا۔ باطنی فدائیوں کے

لئے کسی کو قتل کر دینا معمولی سا کرتب تھا۔ فدائیوں کو پکڑے جانے کا اور سزا کا تو کوئی ڈر ہی نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے شکار کو قتل کر کے اپنے آپ کو بھی مار ڈالتے تھے۔

شاہ در قلعہ بند شہر تھا اور یہ قلعہ الموت کے بعد باطنیوں کا بڑا مضبوط اڈہ تھا۔ اس شہر کا جو قلعہ تھا وہاں بہت سے برج اور برجیاں تھیں۔ شہر کے اردگرد جو شہر پناہ تھی وہ کوئی معمولی سی دیوار نہ تھی بلکہ خاصی چوڑی تھی' بلند بھی تھی اور بہت ہی مضبوط۔ یہ شہر ایسی جگہ آباد کیا گیا تھا کہ اس کے پیچھے اور ایک پہلو پر اونچی پہاڑی تھی۔ ان اطراف سے قلعے پر حملہ کرنا خودکشی کے برابر تھا۔ دوسری دو اطراف میں دیوار پر چھوٹی بڑی برجیاں تھیں جن میں ہر وقت تیرانداز اور برچھیاں پھینکنے والے تیار رہتے تھے۔ شہر کی چاروں اطراف کی لمبائی تاریخ میں چھ کوس لکھی ہے۔

اس شہر کا حکمران حسن بن صباح کے پیر استاد عبدالملک بن عطاش کا ایک بیٹا احمد بن عبدالملک تھا۔ اس کا ایک بھائی احمد بن عطاش بھی وہیں تھا۔ دونوں جنگجو تھے اور دھوکہ دہی اور فریب کاری میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔

سلطان برکیارق نے جب باطنیوں کے قتلِ عام کا حکم دیا تھا تو حسن بن صباح نے اس کے جواب میں حکم دے دیا تھا کہ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا جائے۔ داستان گو یہ قتل اور انتقامی قتل کا سلسلہ سنا چکا ہے۔ باطنی قافلوں کو لوٹا کرتے تھے اور اس طرح انہوں نے بے پناہ مال و دولت اکٹھا کر لیا تھا۔ سلجوقی سلطانوں نے یہ لوٹ مار کا سلسلہ خاصی حد تک روک دیا تھا۔ دو شہروں مرو اور رے میں سلطان کے حکم سے کسی باطنی کو زندہ نہیں رہنے دیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں شاہ در میں عبدالملک بن عطاش کے حکم سے مسلمانوں کو قتل کیا جانے لگا اور وہاں سے مسلمان بھاگ کر دوسرے شہروں میں چلے گئے تھے۔ اس سے پہلے شاہ در میں مسلمانوں کی آبادی اچھی خاصی تھی اور اب نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ عبدالملک بن عطاش نے قافلے لوٹنے کا حکم بھی دے دیا تھا۔ ان لوگوں نے تین چار قافلے لوٹے تھے جن میں سے ایک قافلہ حجاج کا تھا۔ اس قافلے میں بہت سے ملکوں کے حاجی تھے' ہندوستان کے حاجی بھی اس میں شامل تھے۔ یہ خبریں سلجوقی سلطنت کے سلطان تک پہنچتی رہی تھیں اور اس کا ایک ہی حل سوچا گیا تھا کہ شاہ در پر حملہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر دی جائے۔

اب اس شہر کو محاصرے میں لے لیا گیا تھا۔

شاہ در کو محاصرے میں لینے کی اطلاع وسم کوہ سالار اوریزی کو بھی مل گئی۔ وہ تو قلعہ الموت پر حملے کے منصوبے بناتا رہتا تھا اور اس مقصد کے لئے وہ زمین ہموار کر رہا تھا اور اس نے ایک فوج بھی تیار کرنی شروع کر دی تھی۔ اسے جب شاہ در پر محاصرے کی اطلاع ملی تو اس نے مزمّل آفندی اور بن یونس کو بلایا۔ یہ دونوں ابھی تک وہیں تھے۔ ان دونوں نے بھی باطنیوں کو تہس نہس کر دینے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

"میں نے تم دونوں کی مدد سے وسم کوہ تو فتح کر لیا ہے" —— سالار اوریزی نے کہا —— "لیکن مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں یہاں ہوں' مجھے اس وقت شاہ در ہونا چاہئے تھا۔ میں اس قلعے کو اپنے ہاتھوں تباہ کرتا۔ ان باطنیوں نے وہاں کسی ایک بھی مسلمان کو زندہ نہیں چھوڑا۔ زندہ وہی رہا جو وہاں سے بھاگ آیا تھا"۔

"الموت کو فتح کرنے کی تیاریاں جاری رکھیں" —— مزمّل نے کہا —— "اگر آپ نے الموت فتح کر لیا تو آپ کا یہ کارنامہ تاریخ قیامت تک لوگوں کو سناتی رہے گی اور یہ تاریخ اسلام کا ایک درخشاں باب ہو گا.... لیکن میں ایک بات سوچتا ہوں۔ میں نے الموت اچھی طرح دیکھا تھا۔ اب سنا ہے کہ الموت ایک بند شہر بن گیا ہے اور کوئی اجنبی وہاں چلا جائے تو اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے یا وہ کس طرف سے آیا تھا۔ یہ بھی سنا ہے کہ اس کا دفاع اور زیادہ مضبوط کر دیا گیا ہے لیکن اس شہر کے اب دو حصے بن گئے ہیں۔ ایک جو شہر ہے اوپر نظر آتا ہے اور دوسرا شہر اس کے نیچے ہے جسے آپ زمین دوز کہہ لیں۔ سنا ہے نیچے ایسی بھول بھلیاں ہیں جن میں گیا ہوا آدمی نکل نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے الموت پر حملے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ اس شہر کے اندر کیا ہے اور اسے کس طرح فتح کیا جا سکتا ہے"۔

"تم وہاں کس طرح جا کر دیکھ سکتے ہو؟" —— سالار اوریزی نے پوچھا۔

"اتفاق اچھا ہوا ہے کہ یہ بات آج ہی ہو گئی ہے" —— مزمّل نے کہا —— "میں آپ کے ساتھ یہ بات کرنا ہی چاہتا تھا۔ میں اور بن یونس الموت جائیں گے۔ ہمارا جانے کا سب سے بڑا مقصد حسن بن صباح کا قتل ہو گا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کام تقریباً ناممکن ہے لیکن میں دوسرا کام ضرور کروں گا۔ وہ یہ کہ اس شہر کے نیچے جا کر دیکھوں گا کہ وہاں کیا ہے اور پھر شہر کے اردگرد گھوم کر دیکھوں گا کہ اس میں کس طرح لشکر کو داخل

کیا جا سکتا ہے۔ جب تک یہ پتہ نہیں چلے گا' ہم کتنا ہی بڑا لشکر لے جائیں' کامیاب نہیں ہو سکیں گے"۔

"شہر کے اندر جانے کے لئے تمہارا روپ بہروپ کیا ہو گا؟" —— سالار اوریزی نے پوچھا۔

"فدائی!" —— مزمّل نے جواب دیا —— "ہم دونوں حسن بن صباح کے فدائی یا اداکار بن کر جائیں گے"۔

"یہ بات ہم پر چھوڑیں" —— بن یونس نے کہا —— "ہم نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ ہم مارے جائیں گے۔ اگر آپ ابلیسیت کے اس طوفان کو روکنا چاہتے ہیں تو کسی نہ کسی کو تو اپنی جان قربان کرنا پڑے گی.... اُن ہزارہا جانوں کو یاد کریں جو حسن بن صباح کے حکم سے باطنیوں کے ہاتھوں ضائع ہوئیں اور پھر اُس خانہ جنگی کو یاد کریں جس میں بے حساب خون بہہ گیا تھا۔ ہم نے اس خون کا حساب چکانا ہے۔ ہم جس روز ان جانوں کو اور خون کو بھول گئے اُس روز ہمارے عظیم دین اسلام کا زوال شروع ہو جائے گا"۔

مزمّل اور بن یونس کا عزم اور منصوبہ یہ تھا کہ جس طرح باطنی مسلمانوں کے معاشرے میں' مذہب اور سرکاری انتظامیہ میں کسی نہ کسی بھیس اور بہروپ میں مخلص اور بے ضرر افراد کی حیثیت سے داخل ہو کر ڈنک مار جاتے ہیں اسی طرح ایک جماعت تیار کی جائے جو حسن بن صباح کے اندرونی حلقوں تک پہنچ جائے اور پہچانی نہ جا سکے اور اسی طرح باطنیوں کی جڑوں میں بیٹھ کر ان کا خاتمہ کیا جائے۔ مزمّل کی بیوی شمونہ بھی یہی عزم اپنے دل میں لئے پیچ و تاب کھاتی رہتی تھی۔ اب اسے پتہ چلا کہ مزمّل اور بن یونس الموت جا رہے ہیں تو وہ بھی تیار ہو گئی۔ شافعیہ کے دل میں شمونہ کی ایسی محبت پیدا ہو گئی تھی کہ جب اس نے سنا کہ شمونہ الموت جا رہی ہے اور کیوں جا رہی ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ اس کے دل میں بھی باطنیوں کے خلاف زہر بھرا ہوا تھا۔ دینے بھی وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ وہ تھی تو نوعمر لیکن خزانے والے غار سے تنہا نکلنے کے دوران اسے جو تجربات ہوئے تھے' ان سے اس کی شخصیت میں پختگی پیدا ہو گئی تھی اور پھر اس کے اندر ایک عزم بھی پیدا ہو گیا تھا جسے وہ اچھی طرح سمجھ نہیں سکی تھی لیکن شمونہ کے ساتھ رہنے سے اس کے سامنے ہر ایک چیز واضح ہو گئی۔ اس نے

Scanned by iqbalmt

شمونہ نے کہا کہ وہ بھی ان کی مہم میں شامل ہونا چاہتی ہے۔

شمونہ نے مزمّل اور بن یونس کے ساتھ بات کی تو انہوں نے اس خیال سے شافعیہ کو اپنے ساتھ لے جانا بہتر سمجھا کہ وہ جس بہروپ میں جائیں گے' اس میں ایک نوجوان لڑکی کار آمد ثابت ہو گی.... ان چاروں نے زیادہ انتظار نہ کیا۔ پانچ گھوڑے لئے۔ چار گھوڑوں پر یہ پارٹی سوار ہوئی اور پانچویں گھوڑے پر کھانے پینے کا اور دیگر سامان لاد لیا گیا۔ ان کی منزل قلعہ الموت تھی۔ الموت دراصل موت کی منزل تھی۔ زیادہ تر امکان یہی تھا کہ وہ زندہ واپس نہیں آ سکیں گے۔ مزمّل کو پہلے وہاں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ وہ تو زندہ ہی آیا تھا لیکن وہ جس جذبے والا مزمّل تھا وہ مر گیا تھا۔ شمونہ نے شافعیہ کو ذہن نشین کرا دیا تھا کہ وہ جہاں جا رہے ہیں وہاں موت زیادہ قریب ہو گی اور اگر وہ زندہ رہی تو ذلت و خواری میں زندہ رہے گی۔ شافعیہ نے یہ سنا تو اس نے کہا کہ وہ جو عزم ساتھ لے کر چلی ہے' اس پر وہ اپنا سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہے۔

○

شاہ در کا محاصرہ مکمل ہو چکا تھا اور شہر میں داخل ہونے کے لئے حملے بھی شروع ہو گئے تھے۔ محمد نے اور اس کے سالاروں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ بہت ہی مضبوط' ان کی توقعات سے بھی زیادہ مستحکم قلعہ ہے جسے چند دنوں یا چند مہینوں میں سر نہیں کیا جا سکے گا۔ شہر پناہ پر تیر اندازوں اور برچھیاں پھینکنے والوں کا ایک ہجوم کھڑا تھا۔ ان کے سامنے پتھروں کی بڑی مضبوط آڑیں تھیں۔

محمد نے لشکر کے ساتھ یہاں پہنچتے ہی جاسوسوں سے رپورٹیں لی تھیں۔ سلجوقیوں کا جاسوسی کا نظام مضبوط اور کار آمد تھا۔ شاہ در میں بھی جاسوس موجود تھے جو محاصرے سے پہلے ہی باہر نکل آئے تھے کیونکہ انہوں نے محمد کو اندر کی ساری صورتِ حال اور احوال و کوائف بتانے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ شاہ در میں کوئی باقاعدہ فوج نہیں لیکن ہر شہری لڑنے کے لئے تیار ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ان شہریوں کو قلعے سے باہر لایا جائے تو یہ باقاعدہ جنگ لڑنے کے قابل نہیں اور نہ ہی انہیں ایک لڑنے والے لشکر کی ترتیب اور تنظیم کا علم ہے' البتہ ان میں جذبہ بڑا ہی سخت ہے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا کہ اس شہر میں مسلمان نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کو اس شہر سے قتلِ عام اور لوٹ مار کے ذریعے بھگا دیا گیا یا قتل کر دیا گیا تھا۔

اندر کی ایک اور بات معلوم ہوئی۔ یہ جاسوسوں نے نہیں بتائی تھی' ایک اور ذریعے سے معلوم ہوئی تھی۔ داستان گو یہ ذریعہ بعد میں بتائے گا.... شاہ در کے باشندوں نے چند مہینے پہلے ایک قافلہ لوٹا تھا۔ اس قافلے میں زیادہ تر حجاج تھے جو حج سے واپس آ رہے تھے۔ اس میں امیر کبیر تاجر بھی تھے۔ مال و دولت کے علاوہ باشندوں نے قافلے سے کچھ نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں بھی اغوا کر لی تھیں۔ تاریخ میں ایسی ایک مغویہ لڑکی کا ذکر ملتا ہے جس کا نام نُور تھا۔ وہ عراق کی رہنے والی تھی اور اپنے باپ کے ساتھ حج کا فریضہ ادا کرنے گئی تھی۔ باپ کے علاوہ اس کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی اور ایک بھائی بھی۔ ماں اور بھائی باطنی ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ باپ بچ گیا تھا وہ کسی طرح شاہ در اپنی بیٹی کے پیچھے آ گیا تھا۔

اُس وقت نُور کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی اور وہ کچھ زیادہ ہی حسین تھی۔ اس قسم کی لڑکیوں کو قلعہ الموت بھیج دیا جاتا تھا جہاں انہیں حسن بن صباح کی جنت کی حوریں بنایا جاتا اور خاص تربیت دی جاتی تھی۔ ان لڑکیوں میں اگر کوئی اور خصوصی ذہانت ہوتی تو انہیں دوسرے علاقوں میں تخریب کاری کے لئے بھیج دیا جاتا تھا۔ نُور کچھ ایسی حسین لڑکی تھی کہ یہ حسن بن صباح کے پیر استاد عبدالملک بن عطاش کے چھوٹے بھائی احمد بن عطاش کو پسند آ گئی اور اس نے نُور کے ساتھ شادی کر لی۔ اُس وقت احمد بن عطاش کی عمر پچاس سال تھی۔

لڑکی روز و شب روتے گذارتی تھی۔ اس کی ماں ماری گئی تھی اور اس کا بھائی بھی قتل ہو گیا تھا۔ اس کا باپ اپنی اس بیٹی کے ساتھ اتنی محبت اور پیار کرتا تھا کہ وہ بھی ساتھ آ گیا اور احمد بن عطاش کا ملازم بن گیا۔ نُور اپنے باپ کو اس روپ میں دیکھتی تو اور زیادہ روتی اور کڑھتی تھی۔ نُور کے باپ نے احمد بن عطاش کا اعتماد حاصل کر لیا۔ وہ اکثر سوچتا تھا کہ یہاں سے اپنی بیٹی کو کسی طرح نکال کر لے جائے لیکن کوئی ذریعہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

آخر ایک روز باپ بیٹی کو خبر ملی کہ سلجوقیوں کے لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ نُور نے وضو کیا اور اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے نفل پڑھنے لگی۔ وہ روتی جاتی اور نفل پڑھتی جاتی تھی۔ آخر اُس نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سسکیاں لے لے کر اللہ کو پکارا اور کہا' یا اللہ اپنے اُس گھر کی لاج رکھ لے جس کا حج کر کے آئی ہوں۔ شیطان،

Scanned by iqbalmt

کے ان چیلوں کو تباہ کردے۔ اُس نے اللہ سے شکوہ بھی کیا کہ اللہ نے اسے حج کا کیا اجر دیا ہے۔ وہ بار بار کہتی تھی کہ شیطان کے ان چیلوں کو تباہ کردے۔ اُس کی آواز بلند ہوتی چلی گئی اور اتنے میں احمد بن عطاش کمرے میں داخل ہُوا۔ اُس نے نوُر کی یہ دُعا سن لی تھی۔

"اللہ اِس گھر کی لاج رکھے گا جہاں تم موجود ہو" ـــــ احمد بن عطاش نے طنزیہ کہا ـــــ "فوراً" اٹھو اور یہ دعا ختم کردو.... تم میری بیوی ہو اور تم آزاد نہیں ہو سکتیں"۔

"اگر میرا اللہ سچا ہُوا تو تم ذلیل ہو کر مرو گے" ـــــ نوُر نے احمد بن عطاش سے کہا ـــــ "تم نے مجھے اللہ کی عبادت سے روکا ہے۔ تم ذلیل ہو کر مرو گے.... میں تمہیں ذلّت کی موت مرتا دیکھوں گی"۔

نوُر نے پہلی بار اپنے خاوند کے خلاف زبان کھولی تھی۔ اس کی آواز میں غُصہ اور انتقام تھا اور اس کی آواز بلند ہوتی جارہی تھی۔ احمد بن عطاش نے اس کے منہ پر بڑا ہی زوردار تھپڑ مارا۔ نوُر چپ ہو گئی اور احمد بن عطاش کمرے سے نکل گیا۔

○

داستان گو اس داستان کے آغاز میں سنا چکا ہے کہ عبدالملک بن عطاش کسی سفلی عمل کا یا ایسے ہی کسی اور عمل کا ماہر تھا جس سے دوسروں کو نقصان پہنچایا جا سکتا تھا یا دوسروں پر اثر انداز ہُوا جا سکتا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس نے یہ عمل حسن بن صباح کو بھی سکھایا تھا لیکن بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے یہ عمل کم ہی استعمال کیا تھا' اس کی شخصیت کا اور کردار کا اپنا ہی ایک جادو تھا جس کے زور پر اس نے وہ مقبولیت حاصل کی تھی جس نے تاریخ میں ایک نئے اور انوکھے باب کا اضافہ کر دیا تھا۔

عبدالملک بن عطاش ضعیف العمر تھا۔ اس نے شہر اور دیگر امور اپنے بیٹوں کے حوالے کر دیئے تھے اور وہ خود اسی سفلی عمل میں لگا رہتا تھا۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ اس کا ایک خاص کمرہ تھا جس میں کوئی اجنبی چلا جاتا تو اس پر غشی طاری ہونے لگتی تھی کیونکہ اس کمرے میں ایک تو بدبو ناقابلِ برداشت تھی اور دوسرے یہ کہ اس میں انسانی کھوپڑیاں اور دوسری ہڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کمرے میں چند ایک پنجرے رکھے ہوئے تھے۔ کسی میں سانپ بند تھا اور کسی میں الّو بند کئے ہوئے تھے۔

تاریخ میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ اس نے کوئی ایسا عمل کیا ہو کہ فلاں شہر یا فلاں سلطان یا فلاں بادشاہ تباہ ہو جائے اور وہ تباہ ہو گیا ہو لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی تھوڑی بہت طاقت ضرور تھی جسے مؤرخین نے سفلی عمل کہا ہے۔

اسے جب اطلاع ملی کہ سلجوقی لشکر نے شہر کو محاصرے میں لے لیا ہے اور لشکر اتنا زیادہ ہے کہ شہر کو فتح کر ہی لے گا تو وہ اپنے اس خاص کمرے میں پہنچا اور ایک پنجرے میں سے ایک اُلّو نکالا۔ اس نے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ اس کا خاص نوکر ہر وقت کمرے کے دروازے کے باہر موجود رہتا تھا جسے وہ کسی ضرورت کے تحت اندر بلا لیا کرتا تھا۔ یہ خاص نوکر نوُر کا باپ تھا۔

عبدالملک بن عطاش دو دن اور دو راتیں کمرے میں بند رہا۔ اس دوران نوکر اسے صرف دودھ پلاتا رہا جس میں شہد ملا ہوتا تھا۔ اس کے بعد اس نے نوکر سے کہا کہ وہ فلاں اور فلاں آدمی سے کہے کہ ایک نابینا آدمی کہیں سے پکڑ کر لایا جائے۔ یہ حکمران خاندان تھا جس کا حکم چلتا تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بھکاری سا نابینا پکڑ کر لایا گیا اور اسے عبدالملک بن عطاش کے حوالے کر دیا گیا۔ عبدالملک اسے اپنے کمرے میں لے گیا اور دو دن اور دو راتیں اُسے اپنے ساتھ رکھا۔ معلوم ہُوا کہ عبدالملک اس نابینا کے جسم پر چھُری کی نوک مارتا تھا اور وہاں سے جو خون نکلتا تھا وہ اس اُلّو کو پلاتا تھا۔

یہ نابینا جب اس کمرے سے نکلا تو اس کے جسم پر بہت سے زخم تھے جو ایسے ہی تھے کہ وہاں چھُری بار بار چبھوئی گئی تھی۔ عبدالملک بن عطاش نے نوکر سے کہا کہ اسے طبیب کے پاس لے جا کر اس کی مرہم پٹی کروا دے اور پھر اسے اس کے بیٹے احمد بن عبدالملک کے پاس لے جائے اور کہے کہ اسے اچھی خاصی رقم انعام کے طور پر دے دی جائے.... یہ کارروائی مکمل ہو گئی تو نوکر پھر واپس عبدالملک کے پاس آیا۔

عبدالملک نے اسے اندر بلایا اور کہا کہ اس اُلّو کو پکڑ کر رکھے۔ نوکر نے اُلّو پکڑا اور عبدالملک کے کہنے پر اس کا منہ کھولا۔ عبدالملک نے اِس کھلے ہوئے منہ میں چھوٹا سا ایک کلنڈ تہہ در تہہ کر کے ڈال دیا اور نوکر سے کہا کہ اس کا منہ کالے وھاگے سے اچھی طرح باندھ دے۔ نوکر نے باندھ دیا۔ پھر عبدالملک بن عطاش نے یہ اُلّو پنجرے میں بند کر دیا اور نوکر کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ اس نوکر پر اسے پورا پورا اعتماد تھا اور کچھ

Scanned by iqbalmt

رازداری بھی تھی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اس نوکر نے یہ اعتماد اس مقصد کے لئے پیدا کیا تھا کہ اسے کبھی یہ موقع مل جائے کہ اپنی بیٹی نوُر کو اس سے آزاد کرا کے نکل بھاگے اور سلجوقیوں کے پاس پہنچ جائے۔

محمد نے اپنے تیراندازوں کو کئی بار دیوار کے قریب جا کر اوپر کے ہجوم پر تیر چلانے کے لئے بھیجا لیکن اوپر سے بارش کی طرح تیر آتے تھے اور محمد کے تیرانداز پیچھے ہٹ آتے تھے۔ محمد نے حکم دیا کہ فوری طور پر بڑی کمانیں تیار کی جائیں جن سے نکلے ہوئے تیر دُور سے دیوار کے اوپر تک پہنچ جائیں۔

محمد اپنے ایک سالار کے ساتھ قلعے کے اِردگرد گھوم رہا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور دیکھ رہا تھا کہ کوئی ایسی جگہ نظر آ جائے جہاں سے دیوار توڑنے کی کوشش کی جائے یا کوئی اور ذریعہ نظر آ جائے۔ محمد چونکہ سلطان تھا اور اس لشکر کا کمانڈر بھی تھا اس لئے سلجوقی پرچم بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس کے پیچھے' دائیں بائیں اور آگے اس کے سوار محافظ تھے جنہوں نے اسے حصار میں لے رکھا تھا۔

پرچم اور محافظ دو ایسی نشانیاں تھیں کہ دُور سے پتہ چل جاتا تھا کہ وہ بادشاہ ہے' سلطان ہے یا اس لشکر کا سپہ سالار ہے۔ پھر دشمن کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اسی پر حملہ کیا جائے یا زیادہ تر تیر وہیں پھینکے جائیں اور اسے مارا جائے تاکہ پرچم گر پڑے۔ پرچم گرنے کی صورت میں یا لشکر کے کمانڈر یا بادشاہ کے مارے جانے کی صورت میں پورا لشکر بددل ہو کر پسپا ہو جایا کرتا تھا۔

محمد کے ساتھ بھی ایسے ہی ہُوا۔ وہ جدھر جاتا تھا تیر اُدھر ہی زیادہ آتے تھے لیکن وہ تیروں کی زد سے باہر تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک درخت کے قریب پہنچا تو ایک تیر درخت کے تنے میں آن لگا اور وہیں کھُب گیا۔ وہاں تو تیروں کی بارش آ رہی تھی اس لئے ایک ایک تیر کو دیکھنے کا کوئی مطلب نہیں تھا لیکن یہ تیر جو درخت کے تنے میں زمین سے ذرہ اوپر لگا تھا' محمد کی نظروں میں آ گیا۔ اس تیر کے ساتھ کوئی کاغذ یا کپڑا بندھا ہُوا تھا۔ محمد رُک گیا اور اس نے ایک محافظ سے کہا کہ یہ تیر تنے سے نکال لائے۔ محافظ گھوڑے سے اترا اور وہ تیر تنے سے نکال کر محمد کو دے دیا۔

محمد نے ٹھیک دیکھا تھا۔ تیر کے درمیان میں تہہ کیا ہُوا ایک کاغذ یا چھوٹا سا کپڑا دھاگے سے لپٹا ہُوا تھا۔ محمد نے جلدی جلدی سے دھاگا اتارا اور دیکھا' یہ کاغذ جیسے باریک

چمڑے کا چند انچ چوڑا اور اتنا ہی لمبا ٹکڑا تھا اور اس پر کچھ لکھا ہُوا تھا۔ محمد نے تحریر پڑھی۔ اس میں لکھا تھا کہ آج یا کل یا کسی بھی وقت شہر سے ایک الّو اُڑے گا جو آپ کے لشکر کی طرف آئے گا اور شاید یہ الّو تمام تر لشکر کے اوپر سے چکر کاٹ کر شہر میں واپس آ جائے یا کہیں غائب ہو جائے۔ یہ الّو جونہی نظر آئے اسے تیروں سے مار گرائیں اور جہاں یہ گرے وہیں اس پر خشک گھاس وغیرہ ڈال کر آگ لگا دینا ورنہ نقصان اٹھائو گے۔

یہ شہادت بھی ملتی ہے کہ عبدالملک بن عطاش نے کہا تھا کہ اس نے جو عمل کیا ہے اس سے سلجوقیوں کا پورا لشکر نہیں تو لشکر کا کمانڈر اندھا ہو جائے گا۔ اگر آنکھوں سے اندھا نہ ہُوا تو عقل سے اندھا تو ضرور ہی ہو جائے گا اور پھر وہ جو بھی فیصلہ یا جو بھی کارروائی کرے گا وہ اس کے خلاف جائے گی۔

محمد نے اس پیغام کو بے معنی اور فضول سمجھ کر پھینک نہ دیا۔ اسے معلوم تھا کہ باطنی اور خصوصاً" عبدالملک بن عطاش کالا جادو جانتے ہیں اور انہوں نے ضرور کچھ عمل کیا ہو گا اور یہ پیغام اپنے ہی کسی جاسوس نے باہر پھینکا ہو گا۔ محمد نے یہ پیغام اپنے سالاروں کو پڑھ کر سنایا اور کہا کہ تمام لشکر میں یہ پیغام پہنچا دیا جائے اور انہیں بتا دیا جائے کہ جونہی انہیں الّو اُڑتا ہُوا اپنی طرف آتا نظر آئے اس پر تیر چلائیں اور اسے گرانے کی کوشش کریں اور وہ جب گر پڑے تو اس کو وہیں جلا ڈالیں.... پیغام فوراً" تمام لشکر تک پہنچ گیا۔

اس پیغام کے بعد لشکر کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ شہر کی دیوار پر کھڑے تیراندازوں پر تیر چلاتے تھے اور بار بار اوپر بھی دیکھتے تھے.... وہ دن گزر گیا اور رات کو بھی سپاہی اوپر دیکھتے رہے۔ پھر اگلا دن طلوع ہُوا۔ ایک طرف سے شور اٹھا کہ وہ الّو اُڑا۔ سب نے دیکھا کہ ایک الّو شہر میں سے اڑا اور ایک طرف سے سلجوقی لشکر کے اوپر گیا۔ لشکر کے مجاہدین نے اس پر تیر چلائے اور اتنے تیر چلائے کہ اس کا بچ کر نکلنا ممکن نہیں تھا۔ الّو گرا اور سب نے دیکھا کہ چار پانچ تیر اس کے جسم میں اُتر گئے تھے۔

محمد کو اطلاع دی گئی تو وہ گھوڑا سرپٹ دوڑاتا وہاں پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ الّو کا منہ کالے دھاگے سے بندھا ہُوا تھا۔ محمد نے حکم دیا کہ ابھی گھاس وغیرہ لائی جائے اور آگ لگا دی جائے۔ وہاں خشک گھاس کی کمی نہیں تھی۔ مجاہدین گھاس لے آئے اور خشک

Scanned by iqbalmt

شمیاں بھی اٹھالائے اور الاؤ کے اوپر ڈھیر کر کے آگ لگا دی۔

کیا اللہ نے نورؔ کی دعا سن لی تھی؟.... کیا یہ معجزہ تھا؟.... آخر یہ کون تھا جس نے دشمن کے گھر سے یہ پیغام پھینکا تھا؟.... بہر حال یہ اللہ کا خاص کرم تھا کہ خطرہ ٹل گیا تھا۔

○

اُدھر مزمّل' بن یونس' شمونہ اور شافعیہ اَلمُوت کی طرف جا رہے تھے۔ الموت میں خطرہ شمونہ اور مزمّل کے لئے تھا۔ حسن بن صباح کے خاص آدمی ان دونوں کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے۔ مزمل حسن بن صباح کو قتل کرنے گیا تھا اور حسن بن صباح نے اس کا دماغ اُلٹا چلا دیا تھا اور وہ واپس مَرو یہ ارادہ لے کر گیا تھا کہ سلطان ملک شاہ کو قتل کر دے گا۔

شمونہ تو حسن بن صباح کی خاص چیز بنی رہی تھی۔ اب شمونہ جوان نہیں تھی بلکہ جوانی کی آخری حد پر تھی پھر بھی حسن بن صباح اور اس کے آدمی اسے اچھی طرح پہچان سکتے تھے۔ اس طرح مزمّل اور شمونہ نے بہت بڑا خطرہ مول لے لیا تھا۔ مزمل نے داڑھی پوری طرح بڑھا لی تھی اور شمونہ نقاب میں تھی۔ شافعیہ کا چہرہ بھی نقاب میں تھا لیکن انہیں الموت پہنچ کر کہیں نہ کہیں بے نقاب ہونا ہی تھا۔ انہوں نے اپنے بچاؤ کی کچھ ترکیبیں سوچ لی تھیں لیکن جو خطرہ انہوں نے مول لیا تھا وہ کوئی معمولی خطرہ نہیں تھا۔

پہلے دن کے سفر کے بعد انہوں نے سورج غروب ہونے کے بعد ایک بڑی خوبصورت جگہ پر قیام کیا۔ یہ ایک ندی تھی جس کے کنارے انہوں نے ڈیرہ ڈال دیا۔ انہیں رات بھر وہیں رکنا تھا۔ گھنے درخت تھے' خودرو پودے تھے اور سامنے ایک ٹیکری تھی۔ وہ بھی سبزے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ انہوں نے گھوڑوں کو کھول دیا۔ گھوڑوں نے پانی پیا اور پھر گھاس کھانے لگے۔

شام تاریک ہو گئی تو انہوں نے دو مشعلیں جلائیں اور زمین میں گاڑ دیں۔ کھانا کھولا اور دسترخوان بچھا دیا۔ چاروں کی نظریں دسترخوان پر لگی ہوئی تھیں۔ مزمّل نے ویسے ہی اوپر دیکھا تو اسے سات آٹھ قدم دور ایک آدمی کھڑا نظر آیا۔ اس آدمی کے قدموں کی آہٹ نہیں سنائی دی تھی۔ یوں معلوم ہوتا جیسے زمین میں سے اوپر سے اٹھ آیا ہو۔ یہ شک بھی ہوتا تھا کہ یہ کوئی جن ہے جو انسان کے روپ میں ظاہر ہوا ہے۔ اس نے لمبی سفید عبا پہن رکھی تھی اور اس کے سر پر عمامہ تھا۔ وہ جواں سال تھا اور اس کی داڑھی

بڑی اچھی طرح تراشی ہوئی تھی۔ وہ جس لباس میں تھا' یہ اس علاقے کے معززین کا لباس تھا۔

"آؤ بھائی!" — مزمّل نے اسے کہا — "دسترخوان تیار ہے' آؤ ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ"۔

"میں مہمان نہیں" — اس آدمی نے مسکراتے ہوئے کہا — "میں پہلے سے یہاں موجود ہوں۔ تم لوگ ابھی ابھی پہنچے ہو اس لئے تم مہمان ہو اور میں میزبان ہوں۔ ہم دس آدمی ہیں جو اس ٹیکری کے دوسری طرف پڑاؤ کئے ہوئے ہیں۔ کھانا مجھے پیش کرنا چاہئے تھا"۔

مزمّل اور شمونہ اسے بڑی ہی غور سے دیکھ رہے تھے۔ یہ دونوں ہلتی ہوئی جھاڑیوں کو بھی شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔

"میں ابھی آیا" — اس سفید پوش نے کہا اور وہاں سے چل پڑا۔

یہ ٹیکری کوئی زیادہ لمبی نہیں تھی۔ مٹی کے اونچے ڈھیر کی مانند تھی۔ وہ آدمی اس ٹیکری کے پیچھے چلا گیا اور کچھ دیر بعد واپس آیا۔ اس کے واپس آنے تک مزمّل اور اس کی پارٹی حیران و پریشان رہی اور یہ لوگ کچھ بھی نہ سمجھ سکے کہ یہ شخص آیا کیوں تھا اور یہ چلا کیوں گیا ہے۔ خطرہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ایک بڑی ہی خوبصورت اور نوجوان لڑکی تھی۔ اس آدمی نے کہا تھا کہ وہ دس آدمی ہیں۔ دس آدمی ان دو آدمیوں پر آسانی سے قابو پا سکتے تھے اور شمونہ اور شافعیہ کو اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے۔

وہ آدمی آیا تو اس نے ہاتھوں میں کچھ اٹھا رکھا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ ان لوگوں کے پاس آ کر دو زانو ہوا اور جو کچھ اُس نے ہاتھوں میں لے رکھا تھا وہ ان کے دسترخوان پر رکھ دیا۔ وہ بھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے۔ وہ چمڑے کا ایک چھوٹا سا مشکیزہ بھی لایا تھا۔ بڑا ہی خوبصورت مشکیزہ تھا اور یہ بھرا ہوا تھا۔ پانی ہی ہو سکتا تھا۔

"یہ مشکیزہ اپنے پاس رکھیں" — اس نے کہا — "یہ ایک خاص شربت ہے۔ یہ پی کر دیکھیں۔ تمہاری طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے گی اور تھکن کا تو نام و نشان نہیں رہے گا.... میں تمہارے کھانے میں اور زیادہ مخل نہیں ہونا چاہتا"۔

وہ اٹھا اور چلا گیا۔ وہ ٹیکری کی اوٹ میں ہوا تو مزمّل اٹھا اور دبے پاؤں تیز تیز چلا

Scanned by iqbalmt

ٹیکری پر چڑھ گیا اور ٹیکری کے اوپر جا کر لیٹ گیا۔

مزمل نے دیکھا کہ ٹیکری سے بیس پچیس قدم دور تین مشعلیں جل رہی تھیں۔ اسی کے لباس جیسے دس آدمی نیم دائرے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ مزمل چھپتا چھپاتا پھونک پھونک کر قدم رکھتا ٹیکری سے اتر گیا۔ وہ ان لوگوں کی باتیں سننا چاہتا تھا۔

جب وہ نیچے اترا تو وہ کھڑا نہ رہا بلکہ بیٹھ کر آہستہ آہستہ سرکتا گیا۔ وہ آدمی جو انہیں گوشت دے گیا تھا' وہ اپنے ساتھیوں کے پاس جا پہنچا تھا اور وہ ہنس بھی رہا تھا۔ مزمل اٹھا اور جھک کر ایک چوڑے تنے والے درخت تک جا پہنچا اور اس طرح چھپتا چھپاتا ان کے قریب چلا گیا جہاں سے وہ ان کی باتیں سن سکتا تھا۔

"کمال کی چیز ہے بھائیو!" — اس آدمی نے کہا — "دوسری بھی بُری نہیں لیکن اس کی عمر شاید تیس برس سے ذرا اوپر ہو گئی ہے۔ پھر بھی اچھی چیز ہے"۔

"شیخ الجبل کی نظرِ کرم ہے بھائی!" — ایک نے کہا — "یہ اُسی کا کرم ہے کہ ہمیں سفر میں اتنی خوبصورت چیز مل گئی ہے"۔

"اب سوچو انہیں یہاں لائیں کیسے!" — ایک نے کہا۔

"یہ اپنی چیزیں سمجھو بھائی!" — ایک اور بولا — "دو آدمی ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ پہلے کھانا کھا لو اور انہیں بھی کھانا کھانے دو۔ مشکیزہ بھی انہیں ہمارا یار دے آیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں اس دنیا کی ہوش بھی نہیں رہے گی"۔

مزمل نے اور کوئی بات نہ سنی۔ اس کا شک رفع ہو گیا تھا۔ وہ جس طرح چھپتا چھپاتا وہاں تک پہنچا تھا اسی طرح دبے پاؤں جھکا جھکا' ایک درخت سے دوسرے درخت تک اوٹ میں چلتا ٹیکری تک پہنچا اور ٹیکری کے اوپر جانے کی بجائے ایک طرف سے ٹیکری سے گھوما اور اپنے ساتھیوں تک پہنچ گیا۔

اس کی غیر حاضری میں شمونہ نے مشکیزہ کھولا تھا اور پھر اسے سونگھا تھا۔ اس کا تو لڑکپن اور نوجوانی کا زیادہ حصہ ان باطنیوں کے ساتھ اور حسن بن صباح کے ساتھ گزرا تھا۔ اس نے مشکیزہ سونگھا تو اٹھی اور مشکیزہ ندی میں انڈیل دیا۔

"ہوشیار رہنا بھائی!" — مزمل نے کہا — "شیخ الجبل کے آدمی ہیں.... حسن بن صباح کے.... اب یہ دیکھنا ہے کہ حسن بن صباح کے ہاں ان کی کیا حیثیت ہے اور یہ کہاں جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے فدائی ہوں لیکن ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا"۔

"باطنی ہی معلوم ہوتے ہیں" — شمونہ نے کہا — "میں نے مشکیزہ کھول کر سونگھا۔ اس میں حشیش ملا ہوا شربت تھا۔ میں ندی میں انڈیل آئی ہوں۔ اب یہ آدمی آئے تو انہیں یہی بتائیں گے کہ ہم نے مشکیزہ خالی کر دیا ہے اور شربت واقعی اچھا تھا"۔

"ان کا گوشت بھی نہ کھاؤ" — بن یونس نے کہا — "اس میں بھی کچھ ملا ہوا ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں' ان کی نظر شافعیہ اور شمونہ پر ہے۔ ہم سے انہوں نے کیا لینا ہے"۔

مزمل نے گوشت کے تمام ٹکڑے بیٹھے بیٹھے ندی میں پھینک دیئے اور اپنا کھانا کھا لیا۔ اتنے میں ان دس میں سے تین آدمی آ گئے۔ مزمل اور بن یونس نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور وہ تینوں بیٹھ گئے۔

مشکیزے والا شربت پی لیا ہے؟" — ایک نے پوچھا۔

"پی لیا ہے" — مزمل نے جواب دیا اور مسکراتے ہوئے کہا — "اس شربت نے ہمیں جتایا ہے کہ ہم اور تم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایسے دو مشکیزے اور دے دو' ہم وہ بھی پی جائیں گے" — مزمل نے ان کے ذرا قریب سرک کر رازدانہ لہجے میں کہا — "ہم شاہ در سے آ رہے ہیں اور شیخ الجبل کے پاس جا رہے ہیں۔ ہم دونوں بھی فدائی ہیں۔ اس لڑکی کو شیخ الجبل کی خدمت میں پیش کرنا ہے"۔

"تم لوگ محاصرے سے کس طرح نکل آئے ہو؟" — ایک سفید پوش نے پوچھا۔

"ہم محاصرے سے ایک روز پہلے نکل آئے تھے" — مزمل نے کہا — "محاصرے کی اطلاع تو ہمیں پہلے ہی مل چکی تھی۔ شیخ الجبل امام حسن بن صباح کے پیرو مرشد عبدالملک بن عطاش نے ہمیں ایک پیغام دے کر امام کی طرف بھیجا ہے"۔

"پیغام کیا ہے؟" — ایک نے پوچھا۔

"یہ جانتے ہوئے کہ تم ہمارے ہی بھائی ہو' یہ راز تمہیں نہیں بتاؤں گا" — مزمل نے کہا — "اور تم مجھ سے پوچھو گے بھی نہیں۔ اپنا آپ تم پر اس لئے ظاہر کر دیا ہے کہ تمہارے متعلق یقین ہو گیا ہے کہ تم اپنے ہی آدمی ہو"۔

"کیا شاہ در کے فدائی حملہ آوروں کے سالاروں کو ختم نہیں کر سکتے تھے؟" — ایک اور سفید پوش بولا۔

"کیوں نہیں کر سکتے تھے!" — مزمل نے کہا — "لیکن ہمیں حکم ہی کچھ اور دیا

Scanned by iqbalmt

گیا ہے اور ہم اس حکم کی تعمیل کے لئے جا رہے ہیں.... اگر ہم دونوں کو حکم ملتا تو ہم برکیارق، محمد اور سنجر کو اور ان کے ایک دو سالاروں کو ختم کر چکے ہوتے"۔

"وہ ہم کر لیں گے" — ایک سفید پوش نے بے اختیار کہہ دیا — "دیکھتے ہیں محاصرہ کس طرح قائم رہتا ہے"۔

"یہ وہی دس فدائی تھے جو حسن بن صباح کے حکم سے بھیجے جا رہے تھے اور ان کا کام یہ تھا کہ انہوں نے محمد اور اس کے سالاروں کو قتل کرنا تھا۔ ان کے قتل کا طریقہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہ ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

○

یہ تینوں فدائی کچھ دیر باتیں کر کے اور اپنی اصلیت بے نقاب کر کے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد مزمّل نے اپنے ساتھیوں کو بتایا آج رات سونا نہیں۔ بتایا نہیں جا سکتا کہ آج رات کیا ہو جائے۔

اُس رات بہت کچھ ہو گیا۔ انہوں نے مشعلیں جلتی رکھیں۔ انہیں جلائے رکھنے کا ایک مقصد یہ تھا کہ درندے آگ کے قریب نہیں آتے۔ اس کے علاوہ انہیں روشنی کی ضرورت تھی۔

آدھی رات سے کچھ پہلے تک سبھی جاگ رہے تھے۔ وہ بیٹھے ہوئے نہیں بلکہ لیٹے ہوئے تھے۔ انہیں اس طرح محسوس ہُوا جیسے کوئی ٹیکری کے قریب آ رہا ہے۔ وہ جنگل کا کوئی جانور اور درندہ بھی ہو سکتا تھا لیکن مزمّل اور بن یونس کو کچھ اور ہی شک تھا۔ مزمل نے سرگوشی میں سب سے کہا کہ اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے گہری نیند سوئے ہوئے ہوں۔

وہ دو آدمی تھے۔ مزمّل اور بن یونس آنکھیں ذرا سی کھول کر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے لیٹنے کا یہ انتظام کیا تھا کہ مزمّل تھا، اس کے قریب شافعیہ تھی پھر بن یونس تھا اور اس سے ذرا پرے شمونہ تھی۔ دونوں آدمی دبے پاؤں ان کے بالکل قریب آ گئے۔ ایک مزمّل کے اوپر جھکا اور دوسرا بن یونس کے اوپر۔ دونوں نے آہستہ آہستہ خراٹے لینے شروع کر دیئے۔

پھر دونوں اکٹھے ہو کر شافعیہ پر جھکے۔ وہ رکوع کی پوزیشن میں چلے گئے تھے۔ ایک نے اپنے ساتھی سے سرگوشی کی — "انہیں کوئی ہوش نہیں.... آرام سے اٹھاؤ" —

اور وہ دونوں اپنے اپنے بازو شافعیہ کے نیچے کر کے اٹھانے لگے۔

پیشتر اس کے ان دونوں کو پتہ چلتا کہ یہ کیا ہُوا ہے ایک کی پیٹھ میں مزمّل کا اور دوسرے کی پیٹھ میں بن یونس کا خنجر اُتر چکا تھا۔ ان دونوں نے ان پر ایک ایک اور وار کیا اور پھر دونوں کو گھسیٹ کر ندی میں پھینک دیا۔ ندی تو ایسی گہری نہیں تھی لیکن پہاڑی ندی ہونے کی وجہ سے اس کا بہاؤ بڑا تیز تھا۔ ندی چند قدم ہی دور تھی۔ مزمل اور بن یونس بڑے اطمینان سے آ کر پھر اسی طرح لیٹ گئے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ تین اور سفید پوش آ گئے۔ انہوں نے بھی وہی کارروائی کی جو پہلے ان کے دو ساتھی کر چکے تھے۔ ان میں سے بھی ایک نے سرگوشی کی کہ یہ ہوش میں معلوم نہیں ہوتے۔ دوسرے نے سرگوشی میں کہا کہ معلوم نہیں وہ دونوں کہاں چلے گئے ہیں۔ پھر یہ بھی شافعیہ کو اٹھانے کے لئے جھکے اور پھر مزمّل اور بن یونس کے خنجر حرکت میں آ گئے۔ وہ تینوں فدائی تھے جو زندگی اور موت کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے لیکن ان کے ساتھ جو ہُوا وہ ان کے لئے غیر متوقع تھا۔ اگر انہیں معلوم ہوتا یا ذرا سا بھی شک ہوتا تو وہ اپنے ہتھیار ہاتھوں میں تیار رکھتے لیکن ان پر جو حملہ ہُوا وہ اچانک تھا۔

"مزمّل بھائی!" — بن یونس نے کہا — "اب باقی جو پانچ رہ گئے ہیں، ان کا انتظار یہاں نہ کرو۔ چلو ان لڑکیوں کو بھی تلواریں یا خنجر دو۔ پہلے وہ آئے تھے اب ہم چلتے ہیں"۔

پیشتر اس کے باقی پانچ یا ان میں سے دو تین آتے، ان چاروں نے جلدی جلدی سے ایک سکیم تیار کر لی اور سامنے والی ٹیکری کے اوپر چلے گئے۔ دونوں لڑکیوں کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ مزمّل اور بن یونس خنجروں سے مسلح تھے۔

ٹیکری پر جا کر وہ بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ سرکتے آگے بڑھے اور اس طرف اُتر گئے۔ ان کی مشعلیں بھی جل رہی تھیں اور وہ پانچوں کھڑے اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہے تھے۔

مزمّل کی قیادت میں اس کے ساتھی چھپتے چھپاتے آگے بڑھتے گئے اور اتنی آگے چلے گئے جہاں سے وہ ان کی باتیں سن سکتے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے ہمارے اپنے بھائی ہمیں ایک لڑکی کے پیچھے دھوکہ دے

Scanned by iqbalmt

رہے ہیں۔

"سب چلو اور ان کو دیکھتے ہیں" — ایک نے کہا — "اگر وہ کوئی گڑبڑ کر رہے ہوئے تو انہیں یہیں ختم کر دیں گے"۔

پانچوں چل پڑے۔ مزمل اور اس کے ساتھی ذہیں جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے۔ وہ پانچوں ان کے قریب سے گزرے۔ مزمل کے اشارے پر سب نے ان پر خنجروں اور تلواروں سے حملہ کر دیا۔ مزمل کی بدقسمتی کہ اس کا پاؤں کسی جھاڑی میں یا درخت کی جڑ کے ساتھ اٹک گیا اور وہ منہ کے بل گرا۔ اس کے ساتھیوں نے حملہ بھرپور کیا تھا لیکن ان پانچ سفید پوشوں میں سے ایک الگ ہو گیا اور وہ مزمل کے قریب اس حالت میں آیا کہ مزمل اٹھ رہا تھا۔ اس سفید پوش فدائی نے بڑی تیزی سے اپنا خنجر نکالا اور مزمل پر وار کیا۔ مزمل نے وار بچا تو لیا لیکن خنجر اس کے دائیں کندھے میں اتر گیا اور یوں لگا جیسے ہنسلی کٹ گئی ہو۔ مزمل نے جوابی وار ایسا کیا کہ فدائی پاؤں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ مزمل نے بڑی تیزی سے دو تین خنجر مارے اور اسے گرا لیا۔ اس کے ساتھیوں نے باقی چار کو گرا لیا اور ان سب پر اتنے وار کیے گئے کہ ان کا زندہ رہنا ممکن ہی نہ رہا۔

انہوں نے بہت بڑا اور خطرناک شکار مارا تھا لیکن مزمل ایسا زخمی ہوا کہ اس کا خون اُمڈ اُمڈ کر باہر آ رہا تھا۔ وہ اب آگے کو سفر کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بن یونس نے اس کے زخم میں کپڑا ٹھونس کر اوپر ایک اور کپڑا باندھ دیا اور سب نے فیصلہ کیا کہ یہیں سے اور اسی وقت واپسی کا سفر اختیار کیا جائے تاکہ دوپہر تک دسم کوہ پہنچ جائیں۔ مزمل کا اتنا زیادہ خون ضائع نہیں ہونا چاہئے تھے۔ انہوں نے اسی وقت رختِ سفر باندھا اور واپسی کے سفر کو روانہ ہو گئے۔ انہوں نے ان دس فدائیوں کا سامان دیکھا ہی نہیں نہ ہی اسے یہ ہاتھ لگانا چاہتے تھے' البتہ ان کے گھوڑے اور ہتھیار اپنے ساتھ لے لئے۔ یہ ان کا مال غنیمت تھا۔ انہیں غالباً" یہ اندازہ نہیں ہو گا کہ انہوں نے ان دس فدائیوں کو قتل کر کے شاہ در کے محاصرے میں کیسی جان ڈال دی ہے۔ یہ دس فدائی وہاں پہنچ جاتے تو محمد بھی نہ ہوتا اور وہاں کے سالار بھی مارے جاتے پھر محاصرے نے بُری طرح ناکام ہونا تھا۔

○

محاصرہ بڑا ہی سرگرم ہو گیا تھا لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ چونکہ مُرو کا لشکر انتقام سے پاگل ہُوا جا رہا تھا اس لئے سالاروں کو یہ مشکل پیش نہیں آتی

تھی کہ وہ انہیں آگے کس طرح دھکیلیں بلکہ مشکل یہ پیش آ رہی تھی کہ یہ لشکر بار بار دیوار کے قریب یا دروازوں کی طرف اٹھ دوڑتا تھا اور اسے روکنا پڑتا تھا۔ وہاں شجاعت اور بے خوفی کی تو ضرورت یقیناً" تھی لیکن عقل کے بغیر شجاعت بڑی ہی نقصان دہ تھی۔

یہاں تک دلیرانہ کارروائی کی گئی کہ ایک رات دیوار کے قریب جا کر کمند اوپر پھینکی گئی۔ کمند چھوٹی دو برجیوں کے درمیان اٹک گئی اور دو تین مجاہدین رسہ پکڑ کر اوپر جانے لگے۔ دیوار کے اوپر سے تیر آتے تھے اور ان تیراندازوں کو دُور رکھنے کے لئے سلجوقی تیر اندازوں نے بے پناہ تیر پھینکنے شروع کر دیئے۔ مجاہدین رسّہ چڑھتے گئے لیکن کچھ دُور سے دیوار والے تیراندازوں نے رسّہ چڑھتے مجاہدین پر تیر پھینکنے شروع کر دیئے اور برچھیاں بھی پھینکی گئیں اور ان پر جلتی ہوئی مشعلیں بھی پھینکیں۔ مجاہدین زخمی بھی ہوئے اور دو کے کپڑوں کو آگ لگ گئی۔ اگر اس آگ کے باوجود اوپر ہی جاتے رہتے تو رسّے کو بھی آگ لگ سکتی تھی۔ بہرحال اوپر جانا ممکن نہ رہا اور یوں کچھ مجاہدین شدید زخمی ہو کر رسّے سے اتر آئے۔

شہر کے دو اطراف پہاڑی تھی۔ اس طرف بھی تیراندازوں کو لے جایا گیا لیکن وہاں مشکل یہ تھی کہ پہاڑی کے دامن اور شہر کی دیوار کے درمیان فاصلہ بہت تھوڑا تھا۔ مجاہدین پہاڑی پر چڑھتے تھے تو شہر پناہ کے تیراندازان پر تیروں کی بارش برسا دیتے تھے۔

دروازے توڑنے کی بھی کوشش کی گئی۔ مجاہدین کلہاڑوں سے توڑنے کے لئے دروازوں تک پہنچ گئے لیکن آدھے ہی زندہ واپس آ سکے۔ دروازہ توڑنے کا ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا گیا۔ وہ یہ تھا کہ درختوں کے بہت وزنی ٹہن کاٹے گئے' ان سے شاخیں وغیرہ اتار دی گئیں اور بے شمار مجاہدین نے ایک ٹہن کو کندھوں پر اٹھایا اور دوڑتے ہوئے ایک دروازے تک گئے اور اس ٹہن کا اگلا سرا دروازے پر مارا۔ دروازے اتنے مضبوط تھے کہ نہ ٹوٹ سکے۔ توڑے تو جا سکتے تھے لیکن اوپر سے برچھیاں اور تیر آتے تھے۔

آخر منجنیقیں استعمال کی گئیں۔ یہ سب چھوٹی منجنیقیں تھیں جن میں زیادہ وزنی پتھر نہیں ڈالے جا سکتے تھے۔ بہرحال ہر منجنیق ایک من وزنی پتھر پھینک سکتی تھی۔

شہر پناہ کے اردگرد گھوم پھر کر دیکھا گیا شاید کہیں سے ذرا سی دیوار کمزور ہو۔ ایسی دو تین جگہیں دیکھی گئیں اور منجنیقوں نے وہاں پتھر مارے گئے لیکن دیوار اس قدر چوڑی

Scanned by iqbalmt

تھی کہ اس میں شگاف ڈالنا ممکن نہیں تھا۔

اُدھر قلعہ اَلمُوت میں حسن بن صباح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ وہ صبح و شام اس خبر کا منتظر رہتا تھا کہ اس کے ان دس فدائیوں نے جنہیں اس نے خود بھیجا تھا' محمد اور اس کے تمام سالاروں کو قتل کر دیا ہے اور خودکشی کر لی ہے لیکن ایک مہینے سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا اور اسے ایسی کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ اُسے شاہ در کے اندر سے خبر نہیں جا سکتی تھی کیونکہ شہر محاصرے میں تھا۔ اسے باہر کے جاسوس خبریں پہنچاتے تھے۔ وہ یہ جواز تو قبول کرتا ہی نہیں تھا کہ قتل کا موقعہ نہیں ملا۔

اس نے آخر اپنے جاسوس بھیجے اور کہا کہ ان دس فدائیوں کا سراغ لگاؤ' وہ کہاں چلے گئے ہیں۔ انہیں پتہ نہ چلے' در پردہ یہ معلوم کرو کہ انہوں ابھی تک اپنا کام کیوں نہیں کیا۔

اس کے جاسوس قلعہ اَلمُوت سے شاہ در کے مضافات میں پہنچ گئے۔ انہوں نے بہت تلاش کیا۔ مرو بھی گئے اور رے بھی گئے لیکن وہ دس فدائی انہیں کہیں نظر نہ آئے۔ آخر کسی اور نے جنگل میں سے گزرتے بکھری ہوئی ہڈیاں دیکھیں اور سفید عمامے اور پھٹی ہوئی عبائیں بھی دیکھیں۔ کچھ اور نشانیاں بھی وہاں موجود تھیں۔ کھوپڑیاں دیکھیں تو یہ پوری نہیں تھیں۔ یہ حسن بن صباح کے دس فدائی ہی ہو سکتے تھے جن کی لاشیں درندوں اور گِدھوں نے کھا لی تھیں۔ کچھ اور نشانیاں مل گئیں اور حسن بن صباح کو اطلاع دی گئی کہ فدائی اپنے ہدف تک پہنچ ہی نہیں سکے تھے۔ تاریخ میں شہادت ملتی ہے کہ ضعیف العمر عبدالملک بن عطاش کسی کسی وقت دیوار پر جا کھڑا ہوتا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بلند آواز سے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا رہتا اور سلجوقی لشکر کی طرف پھونکیں مارتا رہتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس کا سفلی علم یا اس کا جو کوئی عمل ان کے ہاتھ میں تھا' ناکام ہو چکا تھا۔ وہ یہ فقرہ بار بار کہا کرتا تھا — "جو دشمن آنکھوں سے اندھا نہ ہُوا تو عقل سے اندھا ہو جائے گا"۔

محاصرے کو تین چار مہینے گزر گئے تو شاہ در والوں نے ایک بڑی دلیرانہ کارروائی شروع کر دی۔ رات کے وقت شہر کا کوئی ایک دروازہ کھلتا اور اس میں سے دو سو یا تین سو آدمی برچھیوں اور تلواروں سے مسلح بڑی ہی تیزی سے باہر نکلتے اور بالکل سامنے سلجوقی لشکر پر ٹوٹ پڑتے۔ جس قدر نقصان کر سکتے کر کے اسی تیزی سے واپس چلے

جاتے تھے۔ ان کا اپنا جانی نقصان تو ہوتا تھا لیکن سلجوقی لشکر کا جانی نقصان کئی گنا زیادہ ہو جاتا۔ بے شمار سلجوقی شدید زخمی بھی ہو جاتے تھے۔ تیسری چوتھی رات شاہ در کے اندر سے ایسا ہی حملہ اچانک آتا اور پھر واپس چلا جاتا تھا۔ ان کا انداز بگولے جیسا ہوتا تھا۔

یہ دلیرانہ کارروائی ڈیڑھ دو مہینے چلتی رہی۔ آخر محمد نے دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑ رہا ہے اور ذرا سی بھی کامیابی نہیں ہو رہی تو اس نے حکم دیا کہ منجنیقیں شہر کے اِرد گرد لگا کر وزنی پتھر شہر کے اندر پھینکے جائیں اور اس کے ساتھ ہی فلیتے والے تیر آگ لگا کر مسلسل اندر پھینکے جاتے رہیں۔

دو تین مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہر سے جو آدمی حملہ کرنے کے لئے باہر آتے تھے' ان میں سے بعض اتنے زخمی ہوتے تھے کہ واپس نہیں جا سکتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ شہری محاصرے سے تنگ آ چکے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ محاصرہ جلدی ٹوٹ جائے یا شہر محاصرہ کرنے والوں کے حوالے کر دیا جائے۔ شہری ضروریاتِ زندگی سے محروم ہو گئے تھے اور زیادہ نقصان تاجروں اور دکانداروں کا ہو رہا تھا جنہیں باہر سے مال مل ہی نہیں رہا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے یہ تھی وجہ کہ محمد نے شہریوں کو اور زیادہ پریشان کرنے کے لئے شہر پر پتھر اور فلیتے والے آتشی تیر برسانے شروع کر دیئے تھے۔ محاصرے کو آٹھ نو مہینے ہو چلے تھے۔

○

ایک صبح شہر کا ایک دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آیا جس کے ہاتھ میں سفید جھنڈا تھا۔ باہر آتے ہی اس کے پیچھے دروازہ پھر بند ہو گیا۔ یہ آدمی سلجوقی لشکر کے قریب آ گیا اور اس نے بلند آواز سے کہا کہ وہ سلجوقی سلطان کے لئے ایک پیغام لایا ہے۔

ایک سالار کو جو وہاں کہیں قریب ہی تھا' اطلاع دی گئی۔ سالار آیا اور وہ اس آدمی کو سلطان محمد کے پاس لے گیا۔ یہ پیغام قلعے کے حاکم احمد بن عبدالملک کی طرف سے تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ ہم لوگ تمہارے ایک اللہ اور ایک رسولؐ اور ایک قرآن کو مانتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسولؐ ہیں۔ اس کے بعد ہم شریعت کی پوری پابندی کرتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ہمیں آزادی سے زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جا رہا۔ ہمارا اختلاف صرف امامت پر ہے۔ آپ ہمارے امام کو نہیں مانتے تو یہ اتنی بڑی بات نہیں کیونکہ امام نبی یا رسول نہیں ہوتا۔ پھر ہم اطاعت قبول

Scanned by iqbalmt

کرتے ہیں تو کیا شریعت میں جائز ہے کہ ایک ہی مذہب کا ایک فرقہ اطاعت قبول کرلے تو اسے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جائے اور اسے جینے کے حق سے محروم رکھا جائے؟

چونکہ اس پیغام میں اطاعت کا ذکر بھی تھا اس لئے محمد نے اپنا رویہ کچھ نرم اور صلح جُو کر لیا لیکن اس میں چونکہ مذہب کا ذکر بھی تھا اس لئے محمد نے بہتر سمجھا کہ علماء سے فتویٰ لے لیا جائے۔ محمد نے پیغام کا جواب دیا کہ وہ اپنے علمائے سُنّت والجماعت سے فتویٰ لے کر فیصلہ کرے گا۔

اس موقعہ پر علمائے دین نے اپنا وہی کردار پیش کیا جو آج تک چلا آ رہا ہے۔ ابوالقاسم رفیق دلاوری نے لکھا ہے کہ علماء اس مسئلے پر متحد اور متفق نہ ہوئے۔ بعض علماء نے تو یہ فتویٰ دے دیا کہ حسن بن صباح کا فرقہ اسلام کا ہی ایک فرقہ ہے اس لئے اس فرقے پر تشدد جائز نہیں۔ بعض علماء نے کوئی بھی فتویٰ دینے سے معذوری کا اظہار کر دیا۔ اُس وقت ایک بڑے ہی مشہور عالم دین تھے جن کا نام شیخ ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن سمنجانی تھا۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ باطنی اسلام کا فرقہ نہیں بلکہ ان کے عقائد خلافِ اسلام ہیں اور ان کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا قتل واجب ہے اور حالات و واقعات گواہ ہیں کہ باطنی قتل و غارت گری میں یقین رکھتے ہیں اور ان میں ابلیسیت کا عنصر غالب ہے۔ انہوں نے فتوے میں یہ بھی لکھا کہ باطنی اپنے امام کا حکم مانتے ہیں اور شریعت کو الگ رکھتے ہیں۔ یہ فرقہ اُن چیزوں کو بھی حلال قرار دیتا ہے جو شریعتِ اسلامی کی رُو سے حرام قرار دی جا چکی ہیں۔ لہٰذا اس فرقے کو بخشنا اسلام کے حق میں نہیں۔

محمد نے یہ فتویٰ شاہ در احمد بن عبدالملک کی طرف بھیج دیا۔ شہر کے اندر سے ایک اور پیغام آیا جس میں لکھا تھا کہ حاکمِ قلعہ درخواست کرتا ہے کہ سلجوقی سلطان اپنے علمائے دین کو شہر کے اندر بھیجے تاکہ باطنیوں کے علماء کے ساتھ بحث مباحثہ ہو سکے اور پھر یہ معاملہ کسی نتیجے پر پہنچایا جائے۔

اُس وقت اصفہان کے قاضی ایک عالم دین قاضی ابوالعلاء صاعد بن یحییٰ تھے جو شیخ الحنفیہ تھے، محمد نے انہیں شاہ در بلوایا۔ قاضی بن یحییٰ آئے تو محمد نے انہیں بتایا کہ انہیں شاہ در کے اندر حاکمِ شہر کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ متعدد مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اصفہان کے اس قاضی کو شاہ در احمد بن عبدالملک کے اس مطالبے پر بھیجا گیا تھا کہ اس نے جو مسئلہ پیش کیا تھا اس مسئلے پر شاہ در کے علماء سے بحث کرنی تھی تاکہ کسی نتیجے پر یا کسی

فیصلے پر پہنچا جائے۔

قاضی صاعد بن یحییٰ چار محافظوں کے ساتھ شہر کے اندر چلے گئے۔ توقع تو یہ تھی کہ ان کا سارا دن شہر میں ہی گزر جائے گا کیونکہ مسئلہ بڑا نازک اور پیچیدہ تھا جس پر بحث اتنی جلدی ختم نہیں ہو سکتی تھی لیکن قاضی موصوف جلدی واپس آ گئے اور سلطان محمد سے ملے۔

"سلطانِ محترم!" — قاضی بن یحییٰ نے کہا — "اپنا وقت ضائع نہ کریں اور یہ شہر کسی نہ کسی طرح فتح کرنے کی کوشش کریں۔ یہ باطنی انتہائی عیّار لوگ ہیں۔ حاکمِ شہر کے چہرے پر میں نے ابلیسیت اور عیّاری کا بڑا نمایاں تاثر دیکھا ہے۔ انہیں کسی بھی شرعی مسئلے پر بات نہیں کرنی تھی اور نہ یہ کوئی وضاحت چاہتے ہیں۔ مجھے ان کے علماء نے بحث تو کی لیکن صاف پتہ چل رہا تھا کہ یہ لوگ کچھ اور چاہتے ہیں۔ میں نے یہ بھی اپنے دماغ اور تجربے سے معلوم کر لیا۔ اس شہر کا حاکم اور حاکم کا بوڑھا باپ صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ کسی طرح یہاں سے ٹل جائیں یا انہیں اتنا وقت مل جائے کہ یہ شہر کو بچانے کی مزید تیاری کر لیں۔ یہ لوگ صرف وقت اور مہلت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔

محمد کے ساتھ اس کے سالار بھی تھے۔ سالاروں نے قاضی صاعد بن یحییٰ کی تائید کی اور کہا کہ ان باطنیوں کو مزید مہلت نہ دی جائے۔

"قابلِ احترام قاضی اصفہان!" — محمد نے کہا — "میں آپ کے سامنے طفلِ مکتب ہوں، میرے دل میں اسلام اور شریعت کا احترام ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ میرا کوئی قدم اور کوئی کارروائی شریعت کے خلاف نہ ہو جائے۔ آپ یہ بتائیں کہ انہوں نے یہ جو مسئلہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے کہ باطنی مسلمان ہیں وغیرہ یہ کہاں تک صحیح ہے اور کیا ہمیں شریعت اجازت دیتی ہے کہ انہیں ختم کیا جائے یا بخش دیا جائے؟"

"کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا" — قاضی بن یحییٰ نے دو ٹوک لہجے میں کہا — "یہ باطنی ابلیس کے پجاری ہیں۔ انہیں بخشنا غیر اسلامی فعل ہے۔ ان لوگوں کا دوسرا گناہ یہ ہے کہ یہ شریعت کے قائم کئے ہوئے اصولوں کو توڑ موڑ کر قرآن کی خلاف ورزی اور توہین کر رہے ہیں.... آپ ان کے خلاف جنگ جاری رکھیں"۔

"ایک اور بات بتائیں" — محمد نے پوچھا — "کیا آپ نے یہ دیکھنے کی کوشش

Scanned by iqbalmt

لی تھی کہ اندر شہر کا کیا حال ہے اور شہریوں کا ردِ عمل اور ان کی حالت کیا ہے؟؟"

"ہاں سلطان!" ـــــ قاضی موصوف نے کہا ـــــ "یہ تو مجھے صاف طور پر پتہ چل گیا ہے کہ شہر کی حالت بہت بُری ہے اور شہری شہر کے حاکم کے پیچھے بُری طرح پڑے ہوئے ہیں کہ محاصرہ کسی نہ کسی طرح ختم کروایا جائے۔ یہ بات حاکمِ شہر نے خود بھی کہی ہے۔ اُس نے انداز تو اپنا اختیار کیا تھا لیکن میں اصل بات سمجھ گیا۔ اُس نے کہا تھا کہ شہر میں گھوم پھر کر دیکھیں۔ آپ لوگوں نے اتنی سنگ باری کی ہے کہ کئی مکان ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور لوگوں نے گھروں میں بیٹھنا اور سونا چھوڑ دیا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ آتشی تیروں نے کئی مکان جلا ڈالے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شہر کا امن و امان ختم ہو چکا ہے اور نوبت فاقہ کشی تک پہنچ رہی ہے.... میں نے شہر کی یہ حالت اپنی آنکھوں دیکھی ہے۔ حاکمِ شہر وقت اور مہلت چاہتا ہے کہ اس کے شہری ذرا سانس لے لیں اور ان کا تعاون حاصل کر لیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی حاکمِ شہر آپ کو دھوکہ دے کر باہر سے رسد منگوانا چاہتا ہے۔ آپ محاصرے میں شدت پیدا کر دیں۔ فتح انشاء اللہ آپ کی ہو گی"۔

○

محمد نے قاضی اصفہان کو پورے احترام سے رخصت کیا اور اپنے کچھ گھوڑ سوار محافظ ساتھ بھیجے۔

محمد نے محاصرے میں یوں شدت پیدا کی کہ منجنیقوں سے سنگ باری اور تیز کر دی اور فلیتوں والے تیر اور زیادہ پھینکنے شروع کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی تقریباً" ہر رات دروازوں پر حملے شروع کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ شہریوں کے حوصلے بالکل ہی پست ہو گئے اور دیکھا گیا کہ شہر پناہ پر تیر اندازوں کی تعداد آدھی بھی نہیں رہ گئی تھی۔ ان میں کچھ تو مر گئے اور کچھ زخمی ہوئے تھے لیکن بہت سے اچھے بھلے تیر انداز بھی منہ موڑ گئے تھے۔ وہ اب اُس ذہنی کیفیت تک پہنچ گئے تھے جہاں جذبے ختم ہو جاتے ہیں اور ہتھیار ڈالنے کا ارادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مختصر بات یہ کہ لڑنے والے شہری اب یہ چاہتے تھے کہ وہ مزاحمت کم کر دیں اور سلجوقی لشکر شہر لے لے تاکہ یہ قیامت جو اُن پر دن رات گرتی رہتی ہے، ختم ہو جائے۔

چند ہی دنوں بعد شہر کا ایک دروازہ کھلا اور ایک آدمی جو گھوڑے پر سوار تھا ہاتھ میں

جھنڈا لئے باہر آیا اور دروازہ پھر بند ہو گیا۔ یہ سوار کوئی پیغام لایا تھا۔ اسے سلطان کے پاس لے گئے۔

حاکمِ شہر نے اس پیغام میں استدعا کی تھی کہ اُسے اجازت دی جائے کہ وہ اس شہر سے اپنی آبادی کے ساتھ نکل جائے اور اسے دوسری اجازت یہ دی جائے کہ وہ قلعہ خالنجان میں چلا جائے۔ آبادی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ شاہ در کی تمام تر آبادی وہاں سے جانا چاہتی تھی بلکہ مطلب یہ تھا کہ جو لوگ یہاں سے جانا چاہتے ہیں انہیں جانے دیا جائے۔

خالنجان اصفہان سے تھوڑی ہی دور ایک قلعہ تھا۔ کسی وقت باطنیوں نے اس قلعے پر قبضہ کر لیا تھا اور اسے اپنا ایک اور اڈہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن سلطان ملک شاہ مرحوم نے اس قلعے پر اچانک ایسی یلغار کی کہ قلعے پر قبضہ کر لیا اور اسی باطنی کو زندہ رہنے کا موقع ملا جو بھاگ نکلا تھا۔ اب وہ قلعہ کسی کے بھی قبضے میں نہیں تھا۔

یہاں یقیناً" عبدالملک بن عطاش یاد آتا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ سلجوقی سلطان اور سالار اگر آنکھوں سے اندھے نہ ہوئے تو عقل سے اندھے ہو جائیں گے۔ وہ مسلسل اپنا عمل کرتا رہا تھا اور شہر پناہ پر کھڑے ہو کر اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کچھ بڑبڑاتا اور باہر والے لوگوں پر پھونکیں مارتا رہتا تھا۔ کچھ ایسی شہادت ملتی ہے کہ اس کے عمل نے کچھ نہ کچھ اثر ضرور دکھایا تھا۔

محمد دیکھ چکا تھا کہ حاکمِ شہر نے مذہب کے نام پر کس قسم کی عیاری اور مکاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسے اصفہان کے قاضی نے بھی بتایا تھا کہ یہ باطنی صرف عیاری کر رہے ہیں کہ انہیں کچھ مہلت اور وقت مل جائے۔ پھر بھی محمد کا رویہ یہ تھا کہ شاہ در کے حاکم نے یہ نئی استدعا باہر بھیجی کہ اسے اس کی بجائے دوسرا قلعہ دے دیا جائے تو محمد نے یہ استدعا قبول کر لی اور شہر پر سنگ باری اور آتشی تیر اندازی رکوا دی تھی اور پھر اس پیغام کا جواب دیا کہ ایک مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس عرصے میں جس کسی نے اس شہر سے نکلنا ہے نکل جائے۔

شاہ در کے باطنیوں نے اپنی ابلیسی ذہنیت کا ایک اور مظاہرہ کر دیا۔ وہ اس طرح کہ سلطانی لشکر کے کچھ لوگ شہر میں بھیج دیئے گئے اور ان کے ساتھ ایک سالار کو بھی بھیج دیا گیا۔ ان کا کام یہ تھا کہ جو لوگ شاہ در سے نکل رہے ہیں، انہیں جلدی نکالا جائے اور کوئی

Scanned by iqbalmt

مزید گڑبڑ نہ ہو لیکن سلجوقی لشکر کا ایک عہدیدار کسی گلی میں جا رہا تھا تو تین چار باطنیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ اس کی اپنی شجاعت اور قسمت تھی کہ وہ صرف زخمی ہوا' مرا نہیں لیکن باطنیوں نے اپنی نیت ظاہر کر دی تھی۔

سلطان محمد کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے آدمیوں کو شہر سے باہر نکل کر پھر شہر پر سنگ باری شروع کر دی اور آگ والے تیر پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں چھوڑنے شروع کر دیئے۔ شہر میں چیخ و پکار بلند ہونے لگی اور نفسانفسی کا عالم پیدا ہو گیا۔

اب حاکمِ شہر احمد بن عبدالملک خود اپنے چند ایک محافظوں کے ساتھ شہر کے ایک دروازے سے باہر آیا۔ ایک محافظ نے سفید جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ وہ سلطان محمد سے ملنا چاہتا تھا۔ اسے محمد تک پہنچا دیا گیا۔

اس نے محمد سے معافی مانگی اور کہا کہ یہ چند ایک اشخاص تھے جنہوں نے سلجوقی عہدیدار پر حملہ کیا تھا اور اس میں حاکمِ شہر کی رضا شامل نہیں تھی۔ محمد نے پہلے تو اس کی معافی قبول نہ کی اور کہا کہ اب وہ بزورِ شمشیر یہ شہر لے گا اور اس کے بعد شہریوں سے اور حاکمِ شہر اور اس کے خاندان سے پورا پورا انتقام لے گا لیکن حاکمِ شہر گڑگڑا کر معافی مانگ رہا تھا۔ محمد نے صاف کہہ دیا کہ اسے قلعہ خالنجان نہیں دیا جائے گا۔

احمد بن عبدالملک رو پڑا اور اس نے کہا کہ خالنجان اسے نہ دیا جائے' اس کی بجائے ایک اور چھوٹا سا قلعہ جس کا نام ناظرو طبس تھا' اسے دے دیا جائے اور اس کے بعد وہ امن و امان سے رہے گا۔

سلطان محمد کے دل میں رحم کی موج اٹھی اور اس نے باطنیوں کی یہ شرط اور درخواست قبول کر لی اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ اس قلعے میں منتقل ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ہی سلطان محمد نے حکم دیا کہ شاہ در کی شہر پناہ اسی طرح رہنے دی جائے لیکن قلعہ مسمار کر دیا جائے۔ سلجوقی لشکر نے اُسی وقت قلعے کو مسمار کرنا شروع کر دیا۔

شاہ در پر سلجوقی سلطان کا قبضہ تو ہو گیا تھا لیکن باطنی سانپ اور بچھو تھے جو ڈسنے سے باز نہیں آ سکتے تھے۔ اس شہر کا قلعہ بہت ہی بڑا اور پیچ در پیچ تھا۔ اس میں چھوٹی بُرجیاں اور اس سے بڑے بُرج اور اس سے بڑے بُرج بھی تھے۔ کسی نے دیکھ لیا کہ ایک بڑے بُرج میں کوئی چھپا بیٹھا ہے۔ ایک سالار کچھ مجاہدین کو ساتھ لے کر دیکھنے گیا۔ دیکھا وہاں عبدالملک بن عطاش کا چھوٹا بھائی احمد بن عطاش چھپا بیٹھا تھا۔ اسے پکڑ لیا گیا۔

یہ بہت بڑا بُرج تھا جس کے کئی حصے تھے۔ اس کے کچھ کمرے بالائی منزل میں تھے۔ جب اطلاع ملی تو اس نے کہا کہ صرف اس بُرج کی ہی نہیں بلکہ ایسے تمام بُرجوں کی تلاشی لی جائے۔ اس بُرج کی تلاشی لی گئی تو تاریخ کے مطابق 80 اور باطنی برآمد ہوئے۔ سب خنجروں اور چھوٹی تلواروں سے مسلح تھے اور چند ایک کے پاس کمانیں اور تیروں سے بھری ہوئی ترکشیں بھی تھیں۔ ان سب کو سلطان کے سامنے لے جایا گیا۔ تب معلوم ہوا کہ احمد بن عطاش کا ایک جواں سال بیٹا بھی اس کے ساتھ تھا۔

"ابنِ عطاش!" — محمد نے احمد بن عطاش سے پوچھا — "تو یہاں چھپا کیا کر رہا تھا؟... اگر سچ بولو گے تو شاید پہلے کی طرح اب بھی میرے دل میں رحم کی لہر اٹھ آئے اور اگر جھوٹ بولنے کا ارادہ ہے تو میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ تجھے کیسی کیسی اذیتیں دے کر ماروں گا"۔

"کیا سلطان اتنی سی بھی بات نہیں سمجھ سکتا؟" — احمد بن عطاش نے بڑی دلیری سے جواب دیا — "میں تمہاری پیٹھ میں خنجر اتارنے کے لئے یہاں رک گیا تھا۔ ہم اتنی جلدی شکست تسلیم نہیں کیا کرتے"۔

"میں نے تیری ایک پیشین گوئی سنی تھی" — محمد نے کہا — "تو نے پیشین گوئی کی تھی کہ اصفہان میں تیری شوکت اور عظمت کے نقارے بجیں گے۔ اب بتا کہاں گئی تیری وہ عظمت؟"

"میری پیشین گوئی غلط نہیں نکلی" — احمد بن عطاش نے کہا — "سلطان اب وہاں جا کر اصفہان میں دیکھ لے کہ لوگ میرا نام ایک پیر و مُرشد کی طرح لیتے ہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اصفہان پر میری حکومت ہو گی۔ میری پیشین گوئی کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں پر میری حکومت ہو گی اور میں اصفہان میں جدھر سے بھی گزروں گا' لوگ میرے آگے سجدے کریں گے"۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان محمد کی ہنسی نکل گئی۔

"میں تجھے اصفہان کی گلیوں میں ہی پھرا رہا ہوں" — محمد نے کہا اور اپنے پاس کھڑے دو سالاروں کو حکم دیا — "اس شخص کو اور اس کے بیٹے کو پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اور ہاتھ باندھ کر اور ان دونوں کے منہ کالے کر کے اصفہان کی تمام گلیوں میں گھماؤ اور پھر سرِعام ان دونوں کے سر کاٹ کر بغداد خلیفہ کے حضور پیش کر آؤ"۔

Scanned by iqbalmt

اصفہان وہاں سے قریب ہی تھا۔ اُسی وقت احمد بن عطاش اور اس کے جواں سال بیٹے کے پاؤں میں اور ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دی گئیں اور وہیں ان کے منہ کالے کر دیئے گئے۔

سلطان محمد کی یہ کچہری کسی کمرے میں نہیں بلکہ باہر ایک درخت کے نیچے لگی ہوئی تھی۔ ایک تو وہاں وہ 80 باطنی کھڑے تھے جنہیں بُرجوں میں سے پکڑا گیا تھا اور بہت سے شہری اور سلجوقی لشکر کے کچھ مجاہدین بھی وہاں موجود تھے۔ جب احمد بن عطاش اور اس کے بیٹے کو زنجیریں ڈال کر ان کے منہ کالے کر دیئے گئے تو تماشائیوں کے ہجوم میں سے ایک نوجوان لڑکی نکلی اور دوڑ کر احمد بن عطاش کے سامنے آن کھڑی ہوئی.... وہ اُس کی بیوی نُور تھی جس کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔

"اے سیاہ رُو انسان!" — نُور نے بڑی بلند آواز میں کہا — "تُو نے مجھے عبادت سے اُٹھایا تھا اور میں نے تجھے کہا تھا کہ تُو ذلیل و خوار ہو کر مرے گا.... اب بتا اللہ تیرا ہے کہ میرا!"

جس وقت لوگ شاہ در سے نکل رہے تھے اُس وقت احمد بن عطاش کا شاہی خاندان بھی شہر سے جا رہا تھا۔ نور کو موقع ملا تو وہ تیز دوڑ پڑی اور سلطان محمد تک آن پہنچی۔ اس کے ساتھ اُس کا باپ بھی تھا جو عبدالملک بن عطاش کا قابل اعتماد ملازم بن گیا تھا۔ باپ نے محمد سے اپنا تعارف کرایا اور اپنی بیٹی کے متعلق بھی بتایا کہ اُسے قافلے سے اغوا کر کے احمد بن عطاش نے اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ اس باپ نے ہی عبدالملک بن عطاش کے متعلق ساری باتیں بتائی تھیں کہ کس طرح اُس نے الو کے ذریعے کالا جادو کیا تھا اور اس کے بعد اپنا جادو چلاتا ہی رہا تھا۔ نُور کے باپ نے محمد کو بتایا کہ چمڑے پر لکھا ہُوا پیغام تیر کے ذریعے اُسی نے باہر پھینکا تھا۔ اس باپ نے اور بھی بہت سی باتیں بتائیں۔

محمد نے حکم دیا کہ نُور اور اس کے باپ کو سلطان کے مہمان سمجھ کر رکھا جائے اور ابھی انہیں مَرو بھیج دیا جائے۔

احمد بن عطاش اور اس کے بیٹے کو دو اونٹوں پر بٹھا کر اصفہان بھیج دیا گیا۔ ان کے ساتھ ایک عہدیدار تھا اور پچاس مجاہدین گھوڑوں پر سوار تھے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ان دونوں کو اصفہان کی گلیوں اور بازاروں میں گھمایا پھرایا گیا اور ساتھ ساتھ یہ اعلان کیا جاتا رہا کہ ان کا جرم کیا ہے اور یہ لوگ کالے جادو کے ذریعے یا کسی سفلی عمل کے ذریعے

سلجوقی لشکر کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ پھر انہیں شہر کے وسط میں کھڑا کر کے سارے شہر کو اکٹھا کیا گیا اور ان کے سر تن سے جدا کر دیئے گئے۔ سلطان محمد کے حکم کے مطابق دونوں کے سر بغداد لے جائے گئے جو دارالخلافہ تھا اور یہ سر خلیفہ کو پیش کیے گئے۔ خلیفہ نے ان سروں کی نمائش کی اور پھر دونوں سر آوارہ کتوں کے آگے پھینک دیئے۔

اُس وقت احمد بن عطاش کی پہلی بیوی قلعہ ناظر و طبس میں پہنچ چکی تھی۔ اسے اطلاع دی گئی کہ اس کے خاوند کا اور اس کے جوان بیٹے کا سر کاٹ دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے دونوں کو ذلیل و خوار کرنے کے لئے اصفہان کی گلیوں میں گھمایا گیا تھا۔ یہ عورت بیوی بھی تھی اور جوان بیٹے کی ماں بھی۔ وہ قلعے کی سب سے اونچی بُرجی پر چڑھ گئی اور اُس نے چھلانگ لگا دی اور یوں اس نے خودکشی کر لی۔

سلطان محمد شاہ در پر اپنے لشکر کا قبضہ مضبوط کر کے واپس مَرو آگیا۔ اس کا استقبال بڑی ہی شان و شوکت سے کیا گیا کیونکہ وہ باطنیوں کے بہت بڑے اڈے کو تباہ کر کے آیا تھا۔ مَرو میں ہر کوئی فکرمند اور پریشان تھا کہ شاہ در کو فتح نہیں کیا جا سکے گا' اللہ محمد اور لشکر کو خیریت سے واپس لے آئے۔ محمد لشکر کے ساتھ صرف خیریت سے ہی واپس نہ آیا بلکہ وہ فاتح کی حیثیت سے اپنے دارالحکومت میں داخل ہُوا۔

○

سلطان محمد نے اپنے چھوٹے بھائی سنجر کو شاہ در بھیج دیا اور اُس کے سپرد یہ کام کیا کہ وہاں کے سرکاری انتظامات کو اپنے سانچے میں ڈھال کر رواں کرے اور قلعہ جو مسمار کیا گیا ہے' اسے از سرِ نو تعمیر کرے لیکن اس کی شکل قلعے جیسی نہ ہو۔

"....اور میرے بھائی!" — محمد نے اپنے بھائی سنجر سے کہا — "اصل کام جو تمہیں وہاں کرنا ہے وہ غور سے سن لو۔ شاہ در کی تقریباً آدھی آبادی وہاں سے نہیں گئی۔ ان لوگوں نے وہیں رہنا پسند کیا ہے۔ خیال رکھنا کہ یہ سب باطنی ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ حسن بن صباح کے فدائی ہی ہوں اور یہ محض اس کے پیروکار ہوں لیکن محتاط ہونا پڑے گا کہ ان میں کچھ فدائی ہو سکتے ہیں' فدائی نہ ہوئے تو حسن بن صباح کے جاسوس تو ضرور ہوں گے۔ یہ انتظام میرا ہو گا کہ یہاں سے بڑے بڑے تجربہ کار جاسوس اور مخبر مستقل طور پر شاہ در بھیج دوں گا۔ وہ وہاں کے ہر گھر کے اندر بھی نظر رکھیں گے اور کوئی

Scanned by iqbalmt

ذرا سا بھی مشکوک شخص نظر آیا تو اسے تمہارے سامنے کھڑا کر دیں گے.... ہمارا مقصد یہ ہے کہ جس طرح حسن بن صباح نے اور اس کے پیر استاد عبدالملک بن عطاش نے شاہ در کو اپنا ایک مضبوط اڈہ بنا رکھا تھا اسی طرح ہم اس شہر کو اپنا دوسرا مرکز بنا لیں گے جہاں سے تبلیغ بھی ہو گی اور دوسری کارروائیاں بھی کی جایا کریں گی۔ میں یہاں کے پورے پورے خاندان شاہ در بھیج کر وہاں آباد کر دوں گا۔ ان خاندانوں کے افراد کو بتایا جائے گا کہ وہ کس طرح وہاں کے باطنیوں کو واپس اسلام میں لے آئیں.... تم کل صبح روانہ ہو جاؤ"۔

سنجر اگلی صبح روانہ ہو گیا۔

دو تین دنوں بعد محمد نے دربارِ عام منعقد کیا۔ اس میں وہ ان مجاہدین کو انعام و اکرام دینا چاہتا تھا جنہوں نے شاہ در کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لئے غیر معمولی شجاعت کے مظاہرے کئے تھے۔ اس نے نُور اور اس کے باپ کو خصوصی انعام دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کا کارنامہ پہلے سنایا جا چکا ہے۔ محمد نے نُور اور اس کے باپ کو اپنے محل میں ایک کمرہ دے دیا تھا اور انہیں شاہی مہمان کی حیثیت دی تھی۔

اگلے روز دربار منعقد ہُوا اور محمد نے پورے لشکر کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ پھر چند ایک نام پکارے اور انہیں اس طرح انعام دیئے کہ ان کے کارنامے بھی بیان کئے۔ آخر میں نُور اور اس کے باپ کو آگے بلایا گیا۔ محمد نے نُور کے باپ کا کارنامہ سنایا اور کہا کہ وہ جو اُلّو تیروں سے گر لیا گیا تھا' وہ پورے لشکر کے لئے خطرناک ہو سکتا تھا لیکن نُور کے باپ نے ایک تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر باہر بھیج دیا اور اس طرح اس اُلّو کو مار لیا گیا۔ پھر محمد نے اعلان کیا کہ نُور کو اور اس کے باپ کو کیا انعام دیا جا رہا ہے۔

سلطان محمد کے وزیرِ اعظم کا نام سعد الملک تھا جو اس وقت دربار میں موجود تھا اور سلطان کے ساتھ بیٹھا ہُوا تھا۔ انعام و اکرام کی یہ تقریب ختم ہوئی تو دربار برخاست کر دیا گیا۔ نُور کا باپ محمد کے پاس جا کھڑا ہُوا اور سرگوشی میں کہا کہ وہ اس کے ساتھ ایک خفیہ بات کرنا چاہتا ہے لیکن اس طرح کہ کوئی اور موجود نہ ہو اور کسی اور کو پتہ بھی نہ چلے کہ وہ سلطان کو ملا ہے۔ سلطان نے اسے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں چلا جائے اور سلطان خود اس کے پاس آ جائے گا۔

محمد سلطان تھا۔ اسے چاہئے تھا کہ اس شخص کو اپنے دربار میں بلاتا لیکن اس نے کہا

کہ وہ اس شخص کے کمرے میں جائے گا۔ یہ محمد کے کردار کی بلندی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نُور کے باپ نے نہ صرف یہ کہ تیر کے ذریعے باہر ایک پیغام پہنچایا تھا پھر خود بھی وہاں سے اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر سلطان کے پاس آ گیا تھا بلکہ اس نے سلطان محمد کو شاہ در کے شاہی خاندان کے اندر کی بہت سی باتیں بتائی تھیں اور یہ بھی کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف کیا کیا کارروائیاں کرتے اور کس طرح کیا کرتے تھے۔ یہ ساری معلومات بڑی قیمتی تھیں۔

محمد نُور اور اس کے باپ کے پاس چلا گیا۔

"سلطانِ عالی مقام!" ___ نور کے باپ نے کہا ___ "دربار میں آپ کے بائیں طرف ایک معزز انسان بیٹھا ہُوا تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ سلطنت کا وزیرِ اعظم ہے.... کیا یہ واقعی آپ کا وزیرِ اعظم ہے؟"

"ہاں!" ___ محمد نے کہا ___ "یہ میرا وزیرِ اعظم ہے اور اس کا نام سعد الملک ہے... کیوں' کیا بات ہے؟"

"پھر تو مجھے سوچ اور سمجھ کر بات کرنی چاہئے" ___ نُور کے باپ نے قدرے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا ___ "ہو سکتا ہے میری نظروں نے دھوکا کھایا ہو لیکن...."

"نظروں نے دھوکا کھایا ہے یا نہیں" ___ محمد نے اُس کی بات کاٹ کر کہا ___ "تمہیں جو بات کہنی ہے کہہ ڈالو۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔ کہو' کیا بات ہے!"

"اگر میں غلطی پر ہوں تو معاف کر دیجئے گا" ___ نُور کے باپ نے کہا ___ "آپ کے اس وزیرِ اعظم کو میں نے تین بار شاہ در میں عبدالملک بن عطاش کے پاس بیٹھے دیکھا ہے۔ وزیرِ اعظم ہر بار رات کو وہاں پہنچا اور پوری رات عبدالملک کے ساتھ رہا تھا"۔

"اسے تو میں نے بھی وہاں دیکھا تھا" ___ نُور جو پاس ہی بیٹھی تھی بول پڑی ___ "مہمانوں کو شراب پلانا میرا کام تھا۔ میں نے اس شخص کو عبدالملک بن عطاش کے کمرے میں اس کے ساتھ بیٹھے دیکھا اور شراب پیش کی تھی اور اس نے شراب پی تھی"۔

"کیا تم یہ تینوں دن بتا سکتے ہو؟" ___ محمد نے کہا ___ "اگر دن یاد نہ ہوں تو یہ تو بتا سکو گے کہ یہ کتنے کتنے وقفے کے بعد وہاں گیا تھا؟"

نُور کے باپ نے کچھ سوچ کر بتایا کہ اس کی یہ تین ملاقاتیں تین تین چار چار مہینوں

کے وقفے سے ہوئی تھیں۔ نور نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ سلطان محمد گہری سوچ میں کھو گیا۔

"تمہاری اطلاع غلط نہیں ہو سکتی" — محمد نے اس طرح کہا جیسے اپنے آپ سے بات کی ہو — "تینوں بار اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ سلطنت کے دورے پر جا رہا ہے۔ تینوں بار اس نے مختلف جگہیں بتائی تھیں اور ہر بار چند دن مرو سے غیر حاضر رہا تھا"۔

"اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ یہی شخص تھا" — نور کے باپ نے کہا — "اگر آپ مجھے اور نور کو اس کے سامنے کھڑا کر دیں تو ہم یہی بات اس کے منہ پر کہہ دیں گے"۔

"نہیں!" — محمد نے کچھ دیر سوچ کر کہا — "تمہارا کہنا کافی نہیں۔ اگر میرے وزیراعظم کا تعلق درپردہ حسن بن صباح کے استاد کے ساتھ ہے تو یقیناً یہ اتنا چالاک اور عیار ہو گا کہ ثابت کر دے گا کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔ تم کوئی ثبوت تو پیش نہیں کر سکتے۔ میں اسے کسی اور طرح پکڑوں گا.... تم دونوں کسی کو یہ پتہ نہ چلنے دینا کہ تم نے یہ بات مجھے بتائی ہے"۔

محمد اور سنجر کے باپ سلطان ملک شاہ نے خواجہ حسن طوسی کو اپنا وزیراعظم بنایا تھا اور اسے نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ نظام الملک عالم فاضل انسان تھا اور سپہ سالاری کے جوہر بھی جانتا تھا۔ وہ باطنی فدائیوں کے ہاتھوں قتل ہوا تو نظام الملک کے بڑے بیٹے ابوالمظفر علی کو وزیراعظم بنایا گیا اور اسے فخرالملک کا خطاب دیا گیا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا ہی قابل اور عالم انسان تھا۔ وہ بھی فدائیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو نظام الملک کا ایک بیٹا رہ گیا تھا جس کا نام ابونصر احمد تھا۔ قابلیت کے لحاظ سے وہ بھی اپنے باپ اور بڑے بھائی جیسا تھا لیکن محمد کے ہاتھ میں سلطنت آئی تو اس نے سعدالملک کو وزیراعظم بنا دیا۔ اس شخص سے سلطان محمد کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گیا تھا لیکن اب اس کے متعلق یہ رپورٹ ملی کہ وہ حسن بن صباح کے استاد عبدالملک بن عطاش کے ہاں جاتا رہا ہے۔

سلطان محمد نے اپنے بڑے بھائی برکیارق اور چھوٹے بھائی سنجر سے بات کی۔ تینوں بھائیوں نے اپنے ایک معتمد خاص کو بلا کر مشورہ کیا اور ان سب نے ایک طریقہ سوچ لیا۔ اسی شام وزیراعظم سعدالملک نور اور اس کے باپ کے کمرے میں گیا۔ دونوں اسے دیکھ کر گھبرا سے گئے۔ یہ شخص اپنا راز چھپائے رکھنے کے لئے ان دونوں کو غائب کرا سکتا

لیکن اس نے بات کچھ اور کی۔

"آج کا انعام تمہیں مبارک ہو" — سعدالملک نے بڑے ہی خوشگوار لہجے میں کہا — "میں یہ کہہ کر تم پر احسان نہیں دھر رہا کہ تمہیں میرے کہنے پر انعام دیا گیا ہے۔ قلعہ شاہ در کی فتح ویسے ہی حاصل نہیں ہو گئی۔ تم نے مجھے دو تین بار عبدالملک بن عطاش کے ہاں دیکھا ہو گا۔ تم مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہوئے ہو گے کہ میں تو سلجوقی سلطان کا وزیراعظم ہوں۔ میں تمہیں ایک تو مبارکباد کہنے آیا تھا دوسری یہ بات کہنی تھی کہ میں وہاں جاسوس بن کر گیا تھا اور عبدالملک پر یہ ظاہر کیا تھا کہ میں درپردہ باطنی ہوں اور شیخ الجبل کے لئے کام کر رہا ہوں۔ وہ بوڑھا اپنے آپ کو بڑا جادوگر اور استاد سمجھتا تھا لیکن میں اس کے دل میں اتر گیا اور ایسے راز حاصل کر لئے جو اس کی شکست کا باعث بنے"۔

"سلطان کو تو معلوم ہو گا کہ آپ وہاں جاسوس بن کر جاتے رہے ہیں" — نور کے باپ نے کہا — "آپ کو تو بے انداز انعام ملنا چاہیے"۔

"نہیں!" — سعدالملک نے کہا — "میں نے جو کیا وہ سلطان کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔ مجھے انعام و اکرام کی ضرورت نہیں.... میں تمہیں یہ کہنے آیا ہوں کہ کبھی سلطان کے ساتھ ذکر نہ کر دینا کہ تم نے مجھے وہاں دیکھا تھا۔ میں جس مقصد کے لئے وہاں جاتا رہا ہوں وہ میں نے پا لیا ہے لیکن اب اسے پتہ چلا کہ میں وہاں جاتا رہا ہوں تو میرے خلاف بڑا ہی بے بنیاد اور خطرناک شک پیدا ہو جائے گا"۔

"نہیں محترم وزیراعظم" — نور کے باپ نے کہا — "ہم ایسی اونچی حیثیت کے بندے تو نہیں ہیں کہ سلطان کے ساتھ اس کے وزیراعظم کی باتیں کریں۔ میں نے اپنی اس بیٹی کو اس بوڑھے کے پنجوں سے آزاد کرانا تھا وہ کرا لایا ہوں۔ اب میرے جینے کا ایک ہی مقصد ہے کہ اس بیٹی کو کسی جوان اور معزز آدمی کے ساتھ بیاہ دوں اور خود اللہ اللہ کرتے زندگی پوری کر جاؤں"۔

"میں یہ فرض ادا کروں گا" — سعدالملک نے کہا — "تمہاری بیٹی کی شادی ایسے ہی آدمی کے ساتھ کروں گا جیسا تم چاہتے ہو۔ یہ میری اپنی بیٹی ہے"۔

نور کے باپ نے ہاتھ جوڑ کر اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اسے انعام و اکرام اور دولت کی ضرورت نہیں۔ اس کی بیٹی ٹھکانے لگ جائے۔

Scanned by iqbalmt

Scanned by iqbalmt

دو دن گزر گئے۔ رات گہری ہو چکی تھی اور سعد الملک کھانے سے فارغ ہو کر اپنے خاص کمرے میں جا بیٹھا تھا۔ اس کے ایک ملازم نے اسے اطلاع دی کہ ایک گھوڑ سوار آیا ہے اور اس سے ملنا چاہتا ہے۔ ملازم نے یہ بھی بتایا کہ گھوڑ سوار کی حالت اور حلیہ بتاتا ہے کہ بڑا لمبا سفر کر کے آیا ہے.... سعد الملک نے اسے فوراً" بلوالیا۔

"بہت دور سے آئے معلوم ہوتے ہو" ___ سعد الملک نے اس آدمی سے کہا اور پوچھا ___ "کہاں سے آرہے ہو؟"

"قلعہ ناظرد طبس سے!" ___ اس آدمی نے جواب دیا اور اِدھر اُدھر دیکھا جیسے وہ کوئی راز کی بات کہنا چاہتا ہو ___ "امام کے پیرو مُرشد عبد الملک بن عطاش نے بھیجا ہے ...کیا میں یہاں کھُل کر بات کر سکتا ہوں؟"

"ضرور کرو" ___ سعد الملک نے کہا ___ "اونچی آواز میں نہ بولنا.... کیا پیرو مُرشد ابھی ناظرد طبس میں ہی ہیں؟"

"ایک دو دنوں بعد وہاں سے اَلمُوت چلے جائیں گے" ___ اس آدمی نے کہا ___ "انہوں نے آپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ اب آپ آسانی سے اور بے خطر شاہ در جا سکتے ہیں کیونکہ اب شاہ در آپ کی سلطنت میں آگیا ہے اور آپ اس سلطنت کے وزیر اعظم ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ اپنے کچھ آدمی پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ آپ وہاں جائیں گے تو یہ آدمی خود ہی آپ کو مل جائیں گے۔ پیرو مُرشد نے کہا ہے کہ محمد اور سنجر کو جلدی ختم کرنا ہے لیکن یہ آپ نہیں کریں گے بلکہ یہ شاہ در کے آدمی کریں گے"۔

"ان آدمیوں کے نام جانتے ہو؟" ___ سعد الملک نے پوچھا۔

"نہیں!" ___ اس آدمی نے مسکرا کر کہا ___ "کیا آپ جانتے نہیں کہ نام نہیں بتائے جاتے؟ میں یہاں زیادہ نہیں رکوں گا۔ میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔ یہاں اپنا کوئی آدمی ہے تو آپ اسے یقیناً" جانتے ہوں گے۔ مجھے اس کے گھر کا راستہ بتا دیں یا وہاں تک پہنچانے کا کوئی بندوبست کر دیں۔ میں کل علی الصبح واپس چلا جاؤں گا"۔

"ایک نہیں یہاں اپنے تین آدمی ہیں" ___ سعد الملک نے کہا ___ "میں تمہیں ان میں سے ایک کے گھر پہنچا دوں گا"۔

سعد الملک نے ایسی باتیں کیں جن سے صاف پتہ چل گیا کہ یہ شخص باطنی ہے اور باطنیوں کے لئے ہی کام کر رہا ہے۔ اُس نے اس آدمی کو ایک گھر کا پتہ اور راستہ سمجھا دیا

اور کہا کہ نہ وہ خود اس کے ساتھ جا سکتا ہے نہ کسی ملازم کو بھیج سکتا ہے کیونکہ اس سے اس کے خلاف شک پیدا ہو جائے گا۔

"اب میری بات غور سے سن لو" ___ سعد الملک نے کہا ___ "دروازے پر تین بار دستک دینا۔ اندر سے آواز آئے گی کون ہے۔ تم نے کہنا ہے 'ملک الملک'۔ پھر دروازہ کھلے گا اور اندر جا کر بتانا کہ تم کہاں سے آئے ہو اور یہاں تک کس طرح پہنچے ہو"۔

○

صبح سعد الملک حسبِ معمول اپنے دفتر گیا۔ پہلے سلطان محمد سے ملا اور معمول کے مطابق کچھ باتیں کیں اور اپنے روزمرّہ کام میں لگ گیا۔ اس نے سلطان محمد کے رویّے میں کوئی تبدیلی نہ دیکھی سوائے اس کے کہ سلطان اس صبح پہلے سے کچھ زیادہ ہی مسکرا کر باتیں کرتا تھا۔

آدھا دن گزر گیا تو محمد نے سعد الملک کو بلوایا۔ سعد الملک سلطان کے دفتر والے کمرے میں داخل ہُوا تو ٹھٹھک کر رک گیا۔ اُس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ سلطان اکیلا نہیں تھا۔ اُس کے پاس ایک تو نورُ بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ نورُ کا باپ بیٹھا ہُوا تھا۔ ایک طرف وہ آدمی کھڑا تھا جو رات اس کے پاس گیا تھا اور عبد الملک بن عطاش کا پیغام دیا تھا۔ اس کے ساتھ تین آدمی زنجیروں میں جکڑے کھڑے تھے۔

"آگے آؤ سعد الملک!" ___ محمد نے اسے کہا ___ "ڈرو مت۔ یہ سب تمہارے اپنے آدمی ہیں اور انہیں تم بڑی اچھی طرح جانتے ہو۔ یہ سب تمہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ تین آدمی جو زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں' وہ آدمی ہیں جو اس مکان میں رہتے تھے جہاں تم نے اس آدمی کو بھیجا تھا۔ ہم نے رات کو ہی انہیں اُس مکان پر چھاپہ مار کر پکڑ لیا تھا"۔

سعد الملک پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔ اس کی زبان بالکل ہی بند ہو گئی تھی۔

"اور ان دونوں کو تو تم اور زیادہ اچھی طرح جانتے ہو" ___ سلطان محمد نے نورُ اور اُس کے باپ کی طرف اشارہ کر کے کہا ___ "اس لڑکی کے ہاتھوں تو تم نے کئی بار شراب بھی پی ہے۔ اسے تو تم کبھی بھی بھول نہیں سکو گے۔ یہ تمہارے پیرو مُرشد کی بیوی تھی ....کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"میں وہاں جاسوسی کے لئے جاتا رہا ہوں" ___ سعد الملک نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز

Scanned by iqbalmt

میں کہا۔ اس سے آگے وہ بول نہ سکا۔

"تم نے کبھی مجھے راز کی کوئی بات تو بتائی نہیں تھی" — محمد نے کہا — "تم ایک سانپ ہو جس نے اس سلطنت کی آستین میں پرورش پائی ہے اور اس سلطنت کو ڈنک مارا ہے۔ کیا تم نے دیکھ نہیں لیا کہ فتح حق کی ہوا کرتی ہے' باطل کی نہیں؟ میں تمہارا یہ جھوٹ مان بھی لوں کہ تم وہاں جاسوسی کے لئے جاتے رہے ہو تو تمہارے پاس اس کا کیا جواز ہے کہ تم ان تین فدائیوں کو جانتے تھے اور انہیں گرفتار نہیں کیا بلکہ میرے ایک جاسوس کو اپنا آدمی سمجھ کر ان کے پاس رات بسر کرنے کے لئے بھیجا.... اب سزا کے لئے تیار ہو جاؤ"۔

اگلی صبح گھوڑ دوڑ کے میدان میں سلطنت کے تمام تر لشکر کو ایک ترتیب میں کھڑا کیا گیا۔ شہری بھی تماشہ دیکھنے آ گئے۔ کچھ دیر بعد سعد الملک اور تین فدائیوں کو جنہیں ان کے مکان سے گرفتار کیا گیا تھا' میدان میں لایا گیا اور لشکر کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد سلطان محمد' اس کا چھوٹا بھائی سنجر اور ان کا بڑا بھائی برکیارق اپنے تین چار بڑے حاکموں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار وہاں آ گئے۔ باقی سب نے گھوڑے پیچھے روک لئے۔ محمد آگے چلا گیا اور ان مجرموں کے قریب جا گھوڑا روکا۔

"تم سب اپنے وزیرِ اعظم کو بیڑیوں میں بندھا ہوا دیکھ کر حیران ہو رہے ہو گے" — سلطان محمد نے اپنے لشکر سے خطاب کیا — "یہ شخص جسے میں نے وزیرِ اعظم بنایا تھا' درپردہ حسن بن صباح کا کام کرتا رہا ہے اور شاہ در کی فتح سے پہلے چوری چھپے وہاں حسن بن صباح کے استاد عبدالملک بن عطاش کے پاس جاتا رہا ہے۔ اس سے یہ اگلوانا ممکن نہیں کہ اس کے حکم سے یا اس کے ہاتھوں ہمارے کتنے آدمی قتل ہو چکے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ اس نے ہمارے بہت سے آدمی قتل کروائے ہیں۔ یہ سانپ میری آستین میں پلتا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ باپ اپنے بیٹے پر' بیٹا اپنے باپ پر' ماں اپنی بیٹی پر اور بیٹی اپنی ماں پر اعتماد نہ کرے لیکن میں یہ صورت پیدا نہیں ہونے دوں گا۔ میں ہر کسی کو صاف لفظوں میں بتا رہا ہوں کہ ہم نے شاہ در فتح کر لیا ہے تو اب ہم قلعہ الموت بھی لے لیں گے اور اس باطل فرقے کا قلع قمع کر کے ہی رہیں گے۔ اپنا جرم اپنے ساتھیوں سے چھپایا جا سکتا ہے لیکن مت بھولو کہ اللہ کی ذات بھی موجود ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ گناہگاروں کو پکڑ لیا کرتا ہے۔ یہ گناہگار سعد الملک اپنے ان

تین قاتل فدائیوں کے ساتھ پکڑا گیا ہے اور آج اسے سزائے موت دی جا رہی ہے"۔

سلطان محمد نے جلادوں کو اشارہ کیا۔ جلاد آگے آئے اور ان چاروں کو ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑا کر کے انہیں آگے کو جھکا دیا اور ایک ہی بار چاروں کی تلواریں حرکت میں آئیں اور چار سر جسموں سے کٹ کر مٹی میں جا پڑے۔

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سعد الملک ایسا ڈھکا چھپا رہا تھا کہ کسی کو ذرا سا بھی شک نہ ہوا۔ اسے سزائے موت دی گئی اور وہیں سلطان محمد نے اعلان کیا کہ اب سلطنت کا وزیرِ اعظم نظام الملک خواجہ حسن طوسی کا چھوٹا بیٹا ابو نصر احمد ہو گا۔

ابو نصر احمد اپنے باپ اور بڑے بھائی کی طرح عالم فاضل تھا اور سلطنت کے امور کو بڑی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے وہیں اعلان کر دیا کہ میں اب قلعہ الموت پر فوج کشی کروں گا اور اس کی قیادت بھی میں خود کروں گا۔ جس طرح ہم نے شاہ در فتح کر لیا ہے اسی طرح ہم الموت کا قلعہ بھی لے لیں گے۔

لشکر سے تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے اور ان نعروں سے زمین و آسمان ہل رہے تھے۔

Scanned by iqbalmt

سلطان محمد نے قلعہ شاہ در فتح کر کے احمد بن عطاش کی یہ شرط مان لی تھی کہ وہ' اس کا خاندان اور شہر کے جتنے لوگ شہر سے جانا چاہتے ہیں' انہیں قلعہ ناظرو طبس جانے کی اجازت دے دی جائے۔ یہ دراصل شرط نہیں بلکہ ایک درخواست تھی جو ایک ہارے ہوئے حاکمِ قلعہ نے سلطان محمد کے آگے پیش کی تھی۔

سلطان محمد نے یہ درخواست قبول کر کے بڑی غلطی کی تھی۔ اگر وہ یہ درخواست قبول نہ کرتا تو تاریخ کا رخ بدل جاتا لیکن سلطان محمد پر فتح کی خوشی اس حد تک طاری ہو گئی تھی کہ اُس نے بادشاہوں والی فیاضی کا مظاہرہ کیا اور ان سانپوں اور بچھوؤں کو اجازت دے دی کہ وہ زندہ رہیں اور جہاں جانا چاہتے ہیں وہاں چلے جائیں۔

اس درخواست میں یہ بھی تھا کہ شہر سے جانے والے آدھے لوگ ناظرو طبس جائیں گے اور باقی قلعہ الموت جائیں گے۔ ان دونوں گروہوں کو سلطان محمد مسلح حفاظت دے جو انہیں وہاں تک پہنچا دے۔ سلطان محمد نے یہ درخواست بھی قبول کر لی۔ شاہ در سے جو لوگ جا رہے تھے انہیں غیر مسلح کر دیا گیا تھا یعنی وہ نہتے تھے۔ انہوں نے اس خطرے کا اظہار کیا تھا کہ راستے میں ان پر قافلے لوٹنے والوں کا حملہ ہو سکتا ہے یا کوئی اور مصیبت ان پر نازل ہو سکتی ہے۔

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ شاہ در کی فتح کوئی معمولی فتح نہیں تھی بلکہ اس فتح کی اہمیت ایسے تھی جیسے حسن بن صباح کی پیٹھ میں خنجر اتار دیا گیا ہو۔ قلعہ الموت کے بعد باطنیوں کا دوسرا مضبوط اور پُرخطر اڈہ شاہ در تھا۔ اس فتح کی خبر دارالحکومت میں پہنچانے کے لئے تیز رفتار قاصد روانہ کر دیئے گئے تھے۔ یہ خبر قلعہ وسم کوہ میں سالار اوریزی تک

بھی پہنچ گئی۔ اُس وقت مزمّل آفندی شدید ذہنی حالت میں پڑا تھا۔ پھر یہ خبر حسن بن صباح تک بھی پہنچی اور کچھ دنوں بعد شاہ در کے وہ لوگ جو قلعہ الموت جانا چاہتے تھے' وہ بھی اُس کے پاس پہنچ گئے۔

عبدالملک بن عطاش کو راستے میں اطلاع مل گئی تھی کہ اُس کے چھوٹے بھائی احمد بن عطاش اور اُس کے بیٹے اور اُس کے 80 باطنی فدائیوں کو مرو میں قتل کر دیا گیا ہے۔ عبدالملک کو یہ اطلاع اُن جاسوسوں نے پہنچائی تھی جو مرو میں موجود تھے۔

عبدالملک کی تو جیسے کمر ہی ٹوٹ گئی تھی۔ یہ صدمہ اس کے لئے کوئی معمولی صدمہ نہیں تھا۔ ویسے بھی عبدالملک بوڑھا آدمی تھا اور اس میں قوتِ برداشت کم ہو گئی تھی۔ پھر اُسے یہ اطلاع بھی ملی کہ احمد بن عطاش کی بیوی نے اپنے خاوند کی یہ خبر سن کر کہ اسے جلاد کے حوالے کر دیا گیا ہے' ایک بلند مکان سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی ہے۔ عبدالملک کے لئے یہ دوسرا صدمہ تھا۔

عبدالملک بن عطاش قلعہ ناظرو طبس میں پہنچا۔ یہ قلعہ اصفہان کے قریب ہی تھا۔ عبدالملک نے دو ایلچی اور کچھ اور آدمی اصفہان بھیجے۔ اصفہان میں باطنیوں کے جو جاسوس تھے' انہوں نے عبدالملک کو یہ خبر دے دی تھی کہ سلطان محمد اس وقت اصفہان میں ہے اور کچھ دنوں بعد اپنے دارالحکومت مرو چلا جائے گا۔ عبدالملک نے سلطان محمد کی طرف ایلچی اس درخواست کے ساتھ بھیجے تھے کہ اس کے چھوٹے بھائی احمد اور احمد کے بیٹے اور احمد کی بیوی کی لاشیں دے دی جائیں۔

احمد اور اس کے بیٹے کی لاشیں ایک ہی گڑھے میں پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی گئی تھی۔ دونوں کے سر کاٹ کر بغداد خلیفہ کے پاس بھیج دیئے گئے تھے۔ احمد کی بیوی کو ان آدمیوں نے جو اُس کے ساتھ تھے' باقاعدہ دفن کیا تھا۔ عبدالملک کے ایلچی سلطان محمد کے پاس پہنچے تو سلطان محمد نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ ان تینوں کی لاشیں نکال کر لے جائیں۔

ایک روز یہ تین لاشیں قلعہ ناظرو طبس پہنچ گئیں۔ عبدالملک نے جب دیکھا کہ اس کے بھائی اور بھائی کے بیٹے کی لاشیں بغیر سروں کے ہیں تو اُس پر غشی طاری ہونے لگی۔ وہ اپنا کالا جادو اور شعبدہ بازی بھول ہی گیا۔ اُس کی تو کمر ہی دوہری ہو گئی۔ ان تینوں لاشوں کو احترام کے ساتھ دفن کیا گیا۔

Scanned by iqbalmt

عبدالملک بن عطاش حسن بن صباح کا استاد اور پیر و مرشد تھا۔ مختلف مؤرخوں نے مختلف رائے دی ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حسن بن صباح سر تا پا اندر اور باہر سے ابلیس تھا۔ اُس نے اپنے اس پیر و مرشد اور استاد کو بھی دھوکے دیئے تھے اور کوشش یہ کی تھی کہ اسے اتنی اہمیت اور مقبولیت نہ ملے جتنی اسے حاصل ہو گئی تھی، یہاں تک کہ بعض لوگ حسن بن صباح کو امام ہی نہیں نبی بھی کہنے لگے تھے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حسن بن صباح نے عبدالملک کے ساتھ پوری وفاداری کی تھی۔ ذہنی طور پر حسن بن صباح عبدالملک کو پیر استاد مانتا تھا اور جب اسے یہ اطلاع ملی کہ عبدالملک شاہ در سلجوقیوں کو دے کر قلعہ ناظرو طبس میں آگیا ہے اور اس کے چھوٹے بھائی کو اور بھائی کے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے تو اس نے ضروری سمجھا کہ قلعہ ناظرو طبس جا کر اپنے استاد کی دلجوئی کرے۔

حسن بن صباح جب قلعہ الموت سے ناظرو طبس کے سفر کو روانہ ہوا تو یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا کا بادشاہ یہی اکیلا شخص ہو۔ اس کے لئے ایسی پالکی تیار کی گئی تھی جسے بیس آدمی اٹھاتے تھے۔ دس آگے اور دس پیچھے۔ پالکی کے پردے خالص ریشم کے تھے اور باقی پالکی کمخواب سے تیار کی گئی تھی۔ اس کے اندر بڑے ہی نرم گدّے اور گاؤ تکیے رکھے گئے تھے۔ حسن بن صباح کے ساتھ اس پالکی میں اس کی جنت کی دو حوریں بھی تھیں جو اُس کی مٹھی چاپی کرتی جا رہی تھیں۔ اُس وقت حسن بن صباح بوڑھا ہو چکا تھا۔ تقریباً بیس فدائی تلواروں اور برچھیوں سے مسلح اُس کے آگے آگے جا رہے تھے۔ بیس پچیس دائیں طرف اور اتنے ہی بائیں طرف اور اتنے ہی اس کے پیچھے تھے۔ یہ سب گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے لباس بڑے ہی دلکش اور دلفریب تھے۔ اس کے پیچھے اونٹوں پر سامان تھا اور اس سامان میں خورد و نوش کی وہ اشیاء تھیں جو جنت میں ہی کسی کو مل سکتی ہوں گی۔ ان اونٹوں کے ساتھ ساتھ اور کچھ پیچھے سوڈیڑھ سو مریدوں کا گروہ تھا۔ وہ بھی سب کے سب مسلح تھے۔

حسن بن صباح کا یہ قافلہ جب پہلا پڑاؤ کرنے لگا تو فدائیوں نے اُس جگہ کو حصار میں لے لیا۔ اس کے لئے زمین پر نرم و گداز گدّے بچھا دیئے گئے اور اردگرد ریشم کے پردے تان دیئے گئے۔ باہر کا کوئی آدمی اُس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس

شخص نے مسلمانوں کے خون کے دریا بہا دیئے تھے۔ اس نے نہایت اہم اور تاریخ ساز شخصیتوں کو قتل کروا دیا تھا۔ سینکڑوں قافلے اس کے اشارے پر لوٹے گئے تھے۔ قافلوں کے ساتھ جو کمسن اور جوان بچیاں تھیں وہ اغوا کی گئی تھیں اور انہیں جنت کی حوریں بنایا گیا تھا۔ اب اس شخص کو ہر لحظہ اپنی جان کا غم لگا رہتا تھا۔ اسے کوئی ملنے کے لئے جاتا تو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اور اگر کسی کو اجازت مل بھی جاتی تو اس کی جامہ تلاشی بڑی سختی سے کی جاتی تھی۔

دو پڑاؤ کے بعد جب حسن بن صباح کا قافلہ ناظرو طبس کے قریب پہنچا تو قافلے کا ایک سوار گھوڑا دوڑاتا قلعے میں پہنچا اور عبدالملک کو اطلاع دی کہ شیخ الجبل امام حسن بن صباح کی سواری آ رہی ہے۔ یہ خبر قلعے میں فوراً پھیل گئی۔ ان تمام باتنیوں کو جو وہاں موجود تھے خوشیاں منانی چاہئے تھیں کہ شیخ الجبل ان کے ہاں آ رہا ہے لیکن سب پر موت کی مُردنی چھا گئی اور ان کے سر جھک گئے۔ وہ سب شکست خوردہ تھے۔ شاہ در جیسا قلعہ سلجوقیوں کو دے آئے تھے۔ عبدالملک کے تاثرات کچھ اور تھے۔ غموں نے اور بڑھاپے نے اُسے جھکا دیا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ قلعے کے تمام لوگ قلعے سے باہر جا کر راستے میں دونوں طرف کھڑے ہو جائیں اور اپنے امام کا استقبال کریں۔

آخر حسن بن صباح کی سواری قلعے تک پہنچی اور قلعے کے لوگ دونوں طرف کھڑے بازو لہرا لہرا کر نعرے لگا رہے تھے۔

"بند کرو یہ نعرے!" — پالکی میں سے حسن بن صباح کی آواز گرجی — "ان ہارے ہوئے بزدلوں کو کیا حق ہے کہ وہ زندہ باد اور مُردہ باد کے نعرے لگائیں.... انہیں کہو خاموش رہیں"۔

اُس کا یہ حکم لوگوں تک پہنچا دیا گیا اور وہاں موت کا سکوت طاری ہو گیا۔

عبدالملک بن عطاش اُس کے استقبال کے لئے دروازے تک نہ آیا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد حسن بن صباح اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ عبدالملک نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن حسن بن صباح نے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور اسے اٹھنے نہ دیا۔ عبدالملک کے آنسو جاری ہو گئے اور کچھ دیر بعد وہ سسکنے لگا۔ حسن بن صباح اس کے پاس بیٹھ گیا اور اُسے تسلیاں دینے لگا۔

"ابنِ صباح!" — عبدالملک نے کچھ دیر بعد کہا — "تم لوگوں کو دھوکے میں قتل

Scanned by iqbalmt

کروانا جانتے ہو لیکن قلعوں کے دفاع کا تمہیں کوئی خیال نہیں۔ ہمیں ایک باقاعدہ فوج تیار کرنی چاہیئے ورنہ تم دیکھ لینا ایک روز قلعہ الموت بھی ہم سے چھن جائے گا"۔

"پیر و مرشد!" — حسن بن صباح نے پُراعتماد لہجے میں کہا — "وہ وقت کبھی نہیں آئے گا۔ البتہ اُس وقت کا انتظار کریں جب سلجوقیوں کی سلطنت ہمارے قدموں کے نیچے ہوگی اور یہ سلطان اور ان کے خاندان ہمارے قیدی ہوں گے۔ میں جانتا ہوں آپ پر احمد اوزاس کے بیٹے کا اور اس کی بیوی کا غم حاوی ہو گیا ہے۔ شاہ در ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو اس کا اتنا غم نہ کریں۔ ہمیں قلعوں کی نہیں لوگوں کی ضرورت ہے۔ ہم لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں"۔

"ہوش میں آ ابنِ صباح!" — عبدالملک نے کہا — "میں نے تجھے شیخ الجبل اور امام بنایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے تو اپنی طاقت اور مقبولیت کا اندازہ بڑا غلط لگا رہا ہے۔ خوش فہمیوں سے نکل۔ اگر ہمارا یہی حال رہا تو ہمارا فرقہ سُکڑ سمٹ کر صرف ہم تک رہ جائے گا۔ سلجوقیوں کو ہم پر یہ پہلی فتح حاصل ہوئی ہے' یہ کوئی معمولی فتح نہیں۔ ہم شاہ در کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے لیکن اہلِ سنت سلجوقیوں کے ہاتھ میں بھی کوئی طاقت آگئی ہے۔ میں نے اپنا وہ جادو چلایا جو کبھی ناکام نہیں ہُوا تھا لیکن میں نے اُلّو چھوڑا تو سلجوقیوں کے تیراندازوں نے اسے تیروں سے گرا لیا۔ اس سے مجھے خیال آیا کہ سلطان محمد کو کسی طرح پہلے پتہ چل گیا تھا کہ قلعے کے اندر سے ایک اُلّو اُڑے گا جو پُورے لشکر پر اُڑ کر واپس آجائے گا لیکن اُلّو اُڑا اور تیراندازوں نے اُسے گرا لیا.... بتاؤ' میں کیا سمجھوں!"

"نہیں پیر و مرشد!" — حسن بن صباح نے کہا — "میں اس شکست کو فتح میں بدل کر دکھاؤں گا۔ آپ اس صدمے کو اپنے اندر جذب کر لیں اور میری رہنمائی اسی طرح کرتے رہیں جس طرح کرتے رہے ہیں.... یہ بتائیں آپ وہاں کیا چھوڑ آئے ہیں؟"

"میں وہاں جانباز قسم کے فدائی چھوڑ آیا ہوں" — عبدالملک نے کہا — "وہ عقل اور ہوش والے ہیں۔ وہ کسی کو یوں قتل نہیں کریں گے کہ قتل کیا اور خود کشی کر لی۔ میں انہیں پوری ہدایات دے کر آیا ہوں۔ وہ مسجدوں میں امام بنیں گے۔ بچوں کو قرآن اور احادیث کی تعلیم دیں گے اور وہ زندگی کے ہر شعبے میں معزز افراد کی حیثیت سے رہیں گے۔ میں زیادہ کیا بتاؤں' وہ بڑے ہی زہریلے سانپ ہیں جو میں شاہ در میں

چھوڑ آیا ہوں۔ وہ ان سلجوقیوں کو ایسے ڈنک ماریں گے کہ وہ شاہ در سے بھاگ جائیں گے.... مجھے گلہ اور شکوہ تم سے ہے کہ ہم اتنا زیادہ عرصہ محاصرے میں رہے کہ نہ جانے کتنے چاند طلوع ہوئے اور ڈوب گئے لیکن تم سے اتنا بھی نہ ہُوا کہ کچھ فدائی بھیج دیتے جو سلطان محمد اور اس کے سالاروں کو اسی طرح قتل کر دیتے جس طرح وہ پہلے قتل کرتے چلے آئے ہیں"۔

"مجھے محاصرے کی اطلاع مل گئی تھی" — حسن بن صباح نے کہا — "میں نے دس منتخب فدائی بھیج دیئے تھے جنہوں نے سلطان محمد اور اس کے سالاروں وغیرہ کو قتل کرنا تھا لیکن آپ سن کر حیران ہوں گے کہ ان دس فدائیوں کا کچھ پتہ ہی نہ چلا کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ آخر کچھ عرصے بعد یہ اطلاع ملی کہ ان دس کی لاشیں جنگل میں پڑی ہیں اور انہیں جنگل کے درندے کھا چکے ہیں"۔

"تم نے ابھی نقصان کا اندازہ نہیں کیا ابنِ صباح!" — عبدالملک نے کہا — "ہماری آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ختم ہو گیا ہے۔ ہمیں جو دولت اور قیمتی اشیاء قافلوں سے ملتی تھیں' وہ اب نہیں مل سکیں گی۔ شاہ در بڑی موزوں جگہ تھی۔ میں نے جو آخری قافلہ لُٹوایا تھا' اس سے ہمیں بے شمار دولت ملی تھی۔ میں شاہ در میں بے انداز خزانہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ میں سمجھ نہیں سکتا وہ خزانہ وہاں سے کس طرح نکلوا سکتا ہوں"۔

"وہ خزانہ کہاں ہے؟"

"وہ میں نے ایسی جگہ چھپا لیا تھا جہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکتا" — عبدالملک نے جواب دیا — "شاہ در میں اپنے جو آدمی چھوڑ آیا ہوں' اُن میں ایک یا دو آدمی اس جگہ سے واقف ہیں۔ میں ذرا سنبھل لوں تو یہاں سے آدمی بھیجوں گا جو وہ خزانہ نکالنے کی کوشش کریں گے.... یہ بعد کی باتیں ہیں ابنِ صباح! فوری طور پر کرنے والا کام یہ ہے کہ فوج تیار کرو۔ اگر نہیں کرو گے تو قلعہ الموت بھی خطرے میں رہے گا۔ مت بھولو کہ سلجوقیوں کے حوصلے اس فتح سے بلند ہو گئے ہیں اور ان کے لئے یہ معمولی فتح نہیں کہ انہوں نے احمد کو سزائے موت دی ہے"۔

یہ اُس دَور کا واقعہ ہے جب حسن بن صباح کی ابلیسیت ایک پُرکشش اور پُراثر عقیدے کی شکل میں دُور دُور تک پھیل گئی تھی اور اس کے اثرات سلجوقی سلطنت میں

Scanned by iqbalmt

داخل ہو چکے تھے۔ یہ ایک ایسا سیلاب تھا جو زمین کے نیچے نیچے آیا تھا اور لوگ شیخ الجبل کو نبی تک ماننے پر اتر آئے تھے۔ سلجوقی سلاطین پکے مومن تھے اور وہ اہلِ سُنت والجماعت بھی تھے۔ وہ دل اور روح کی گہرائیوں سے اس فتنے کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے اور سرگرمِ عمل بھی تھے لیکن یہ فتنہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ایک بڑی پرانی کتاب — "تاریخ آلِ سلجوقی اصفہانی" — میں یہ سراغ ملتا ہے کہ سلجوقی سلاطین میں وہ کون سی کمزوری تھی جس نے باطنیوں کو اپنے باطل عقیدے پھیلانے کا موقع مل گیا۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا جاسوسی کا نظام بڑا ہی کارگر ہوا کرتا تھا۔ مسلمانوں کے جاسوس کفار کے درمیان موجود رہتے تھے اور پل پل کی خبر پیچھے بھیجتے تھے لیکن سلطان ملک شاہ کے باپ الپ ارسلان نے یہ محکمہ نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر توڑ دیا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ مسلمانوں کے جاسوس واپس آ گئے۔؟

الپ ارسلان کو جاسوسوں کی ضرورت نہیں رہی تھی اور اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ابھی حسن بن صباح کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ حسن بن صباح سلطان ملک شاہ کے دور میں اُٹھا تھا۔ سلطان ملک شاہ نے بھی جاسوسی کی طرف توجہ نہ دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسن بن صباح کے جاسوس ہی نہیں بلکہ اس کے تخریب کار بھی مسلمانوں میں آ گئے اور انہیں کوئی بھی پہچان نہ سکا۔ انہوں نے نفسیاتی تخریب کاری بھی کی اور نظریاتی بھی اور اس کے بعد انہوں نے اہم شخصیتوں کے قتل کا سلسلہ شروع کر دیا۔

یہ تھی مسلمانوں کی وہ کمزوری جس سے باطنی فرقے نے فائدہ اٹھایا۔ سلطان ملک شاہ کے وزیرِ اعظم نظام الملک خواجہ حسن طوسی نے شدت سے محسوس کیا کہ جاسوسوں کے بغیر دشمن پر کاری ضرب نہیں لگائی جا سکتی۔ سلطان ملک شاہ نظام الملک کا تو مرید تھا اور وہ ان کی رہنمائی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا کرتا تھا۔ نظام الملک نے جاسوسی کا نظام از سرِ نو قائم کرنے کی تجویز پیش کی اور سلطان ملک شاہ نے اسے فوراً" تسلیم کر لیا۔

ابتدا میں مسلمان جاسوسوں کو بہت ہی دشواریوں اور خطروں کا سامنا کرنا پڑا۔ حسن بن صباح کے جاسوس انہیں فوراً" پہچان لیتے تھے۔ مزمل آفندی کی مثال پہلے تفصیل سے سنائی جا چکی ہے۔ مزمل حسن بن صباح کو قتل کرنے گیا تھا لیکن واپس یہ ارادہ لے کر آ گیا کہ وہ سلطان ملک شاہ اور نظام الملک کو قتل کرے گا۔ یہ حسن بن صباح کے ایک

خاص نظام کا کمال تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے جاسوس کامیابیاں حاصل کرنے لگے لیکن ابھی تک ان کا یہ نظام کمزور تھا۔ اب شاہ در کے محاصرے کے دوران نورؔ کے باپ نے تیر کے ذریعے پیغام باہر بھیجا تو سلطان محمد نے سوچا کہ یہ تو اللہ کی خاص نوازش تھی کہ ایک آدمی کے دل میں باطنیوں کے خلاف عناد بھرا ہوا تھا اور اُس نے سلطان محمد کی مدد کی تو کیوں نہ ان باطنیوں میں اپنے جاسوس چھوڑ دیے جائیں جو ذرا ذرا سی بھی باتیں آ کر بتاتے رہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے اپنے چھوٹے بھائی سنجر کو شاہ در بھیجا تھا اور اسے خاص طور پر کہا تھا کہ اس شہر میں جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں وہ بظاہر بے ضرر سے لگتے ہیں لیکن ان میں فدائی اور حسن بن صباح کے خاص جاسوس اور تخریب کار یقیناً" ہوں گے۔ سلطان محمد نے سنجر سے کہا تھا کہ وہ باطنیوں کے بہروپ میں اپنے جاسوس شاہ در بھیج دے گا۔

یہ صحیح ہے کہ سلجوقیوں نے باطنیوں کے ہاتھوں بہت ہی نقصان اٹھایا تھا۔ سلجوقیوں نے حوصلہ ہارنے اور مایوس ہونے کی بجائے اپنا جہاد اس باطل کے خلاف جاری رکھا۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ بدی کے خلاف لڑنے والوں کی مدد اللہ یقیناً" کیا کرتا ہے۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ حسن بن صباح کے بھیجے ہوئے دس فدائی جنہوں نے سلطان محمد اور اس کے سالاروں کو قتل کرنا تھا، خود قتل ہو گئے۔ یہ بھی تو ایک معجزہ تھا کہ عبدالملک کے کلے جلاد کو اس کے اپنے ہی قابلِ اعتماد ملازم نے ضائع کر دیا۔ وہ جو پیغام تیر کے ساتھ بندھا ہوا باہر آیا، وہ یوں تھا جیسے آسمانوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے پھینکا ہو۔

حسن بن صباح اپنے پیر و مرشد عبدالملک بن عطاش کو تسلیاں دے کر اور اس کا حوصلہ مضبوط کر کے واپس اَلَموُت چلا گیا۔

⊙

سنجر شاہ در پہنچ گیا تھا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ شاہ در کی جو آبادی پیچھے رہ گئی تھی اسے ایک میدان میں اکٹھا کر لیا۔ زیادہ تر آبادی یہاں سے چلی گئی تھی۔ پیچھے جو لوگ رہ گئے تھے، ان کی تعداد پانچ چھ ہزار تھی۔ جانے والے سب باطنی تھے اور جو پیچھے رہ گئے تھے، وہ بھی باطنی تھے لیکن کچھ تعداد مسلمانوں کی بھی تھی۔

سنجر نے اس آبادی کے صرف مردوں ہی کو باہر اکٹھا نہ کیا بلکہ عورتوں اور بچوں کو بھی ان کے ساتھ بلوا لیا۔

Scanned by iqbalmt

باشندوں کے چہروں پر خوف و ہراس نمایاں تھا۔ عورتوں پر تو خوف زدگی طاری تھی۔ ان کی آنکھیں ٹھہری ٹھہری تھیں اور چہروں پر گھبراہٹ صاف نظر آ رہی تھی۔ ان میں جواں سال اور بڑی اچھی شکل و صورت کی عورتیں بھی تھیں۔ ان میں کمسن اور نوجوان لڑکیاں بھی تھیں۔ اصل خطرہ تو انہیں تھا۔ اُس زمانے میں فاتح فوج مفتوحہ شہروں کی عورتوں سے کوئی اچھا سلوک نہیں کیا کرتی تھی۔ ان لوگوں کے چہروں پر بھی یہی خوف نظر آ رہا تھا کہ نہ جانے اب انہیں کیا سزا ملے اور ان کی بیٹیوں کے ساتھ کیا سلوک ہو۔

سلجوقی فوج کی کچھ نفری اس ہجوم کے اِردگرد کھڑی کر دی گئی تھی اور فوج کی باقی نفری قلعہ مسمار کر رہی تھی۔

سنجر گھوڑے پر سوار وہاں آیا اور اُس نے پہلے سارے مجمع کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ لوگوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔

"تم لوگ ڈرے ڈرے سے کیوں لگتے ہو؟" — سنجر نے کہا — "کیا تم مجھے اور اس فوج کو اجنبی اور غیر سمجھتے ہو؟.... ہم نے نہ کوئی قلعہ فتح کیا ہے اور نہ ہی تم لوگوں کو فتح کیا ہے۔ میری ایک بات اچھی طرح سن لو۔ نہ میں فاتح ہوں نہ تم مفتوح ہو۔ ہم نے صرف یہ فتح حاصل کی ہے کہ اس شہر سے باطل کو نکال دیا ہے۔ کیا تم خوش نہیں ہو گے کہ جن لوگوں نے تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا کر کفر کی راہ پر ڈالا تھا' وہ مارے گئے ہیں یا یہاں سے جا چکے ہیں؟.... تمہارے دوسرے خوف سے بھی میں واقف ہوں۔ تم ان لڑکیوں کے لئے یقیناً پریشان ہو رہے ہو۔ ہم یہاں اُن کی عزت کے ساتھ کھیلنے نہیں بلکہ ان کی عزت کی حفاظت کرنے آئے ہیں۔ اپنی بیٹیوں سے کہو کہ یہ تمہارا اپنا شہر ہے' اس کی گلیوں میں بے خوف و خطر گھومو پھرو اور اگر تمہاری عزت پر فوج کا کوئی آدمی یا کوئی اور ہاتھ ڈالتا ہے تو میرے دروازے ہر کسی کے لئے کھلے ہیں۔ میں فریاد سنوں گا اور اس آدمی کو تمہارے سامنے جلاد کے حوالے کروں گا....

"بڑے لمبے عرصے تک تم محاصرے میں رہے ہو۔ تم پر پتھر برستے رہے ہیں اور تم پر آگ بھی برستی رہی ہے۔ تم مجھے اور میری فوج کو دل ہی دل میں کوس رہے ہو گے اور بددعائیں دے رہے ہو گے کہ ہم نے تم پر پتھر برسائے اور آگ بھی برسائی اور تمہارے کئی گھر جلا دیئے ہیں لیکن سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس شہر پر یہ پتھر اور آتشی تیر اللہ نے

برسائے۔ ہم تو اس کا ایک سبب بنے تھے۔ ایسا کیوں ہوا؟.... صرف اس لئے کہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹایا گیا اور تم نے اسی کو دین اور مذہب سمجھ لیا۔ یہاں شیطان کی حکمرانی رہی ہے۔ یہ تمہارا امام جسے تم نبی بھی مانتے ہو' کہاں ہے؟.... یہ امام کا پیرو مُرشد جسے تم یوں مانتے تھے جیسے وہی تمہیں اگلے جہان جنت میں داخل کرے گا' وہ شکست کھا کر بھاگ گیا ہے"۔

سنجر نے انہیں بتایا کہ عبدالملک بن عطاش جسے وہ پیر و مرشد سمجھتے رہے ہیں' کالے جادو میں یقین رکھتا تھا اور اس نے محاصرہ توڑنے کے لئے کالا جادو استعمال کیا تھا اور ایک اُلّو کو اُڑایا تھا لیکن وہ اُلّو تیروں سے مار کر گرا لیا گیا۔ سنجر نے کہا کہ جہاں ایمان میں بجھے ہوئے تیر چلتے ہیں وہاں جادو نہیں چل سکتا۔ سنجر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنایا کہ انہوں نے کس طرح فرعون کے جادوگروں کو نیچا دکھایا تھا اور کس طرح ان جادوگروں کے سانپوں کو حضرت موسیٰؑ کا عصا نگل گیا تھا اور پھر حضرت موسیٰؑ کو دریائے نیل نے راستہ دے دیا اور فرعون کو غرق کر دیا تھا۔

"یہ لوگ تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے" — سنجر نے کہا — "یہ سرتاپا ابلیس ہیں اور یہ لوگ ابلیس کی پوجا کرتے ہیں اور انہوں نے تم سب کو بھی ابلیس کا پجاری بنا دیا ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ یہ شہر ہماری عملداری میں آ گیا ہے اور وہ ابلیس یہاں سے نکل گئے ہیں۔ ہم یہاں تم پر حکومت کرنے نہیں آئے۔ ہم بادشاہ نہیں نہ تمہیں اپنی رعایا سمجھتے ہیں۔ ہم اللہ کا وہ پیغام اور حکم لے کر آئے ہیں جس کے مطابق تمام انسان برابر ہیں.... نہ کوئی بادشاہ نہ کوئی رعایا.... اب میں چاہوں گا کہ تم خود زبان سے بولو.... کیا یہ غلط ہے کہ یہاں قافلوں کے لٹیرے رہتے تھے اور یہاں قافلوں کا لُوٹا ہُوا مال آتا تھا؟"

سنجر نے تمام مجمعے پر اپنی نگاہیں گھمائیں اور خاموش رہا۔

"بولو!" — کچھ دیر بعد اس نے کہا — "دل میں کوئی بات نہ رکھو۔ کہو میں نے جھوٹ کہا ہے یا سچ!"

"ہاں سلطان!" — آخر ایک آدمی کی آواز آئی — "یہاں قافلوں کا لُوٹا ہُوا مال آتا تھا"۔

"اور یہاں اغوا کی ہوئی بچیاں اور نوجوان لڑکیاں لائی جاتی تھیں"۔

Scanned by iqbalmt

"ہماری بچیوں کو یہاں سے اٹھایا گیا ہے" — ایک اور آواز آئی — "ہماری بچیوں کے ساتھ شادی کر کے انہیں غائب کیا گیا ہے"۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں لوٹی ہوئی یہ دولت اور یہ بچیاں کہاں جاتی رہی ہیں" — سنجر نے کہا — "یہ تمام دولت قلعہ الموت اس حسن بن صباح کے پاس اکٹھی ہوتی رہی ہے جسے تم امام اور نبی اور نہ جانے کیا کیا مانتے ہو۔ تمہاری بچیاں اور قافلوں سے اٹھائی ہوئی بچیاں وہاں حوریں بنائی گئی ہیں"۔

"ہمیں ایک بات بتاؤ سلطان!" — ایک ضعیف العمر آدمی نے ہجوم سے آگے بڑھ کر کہا — "قافلے ہم نے تو نہیں لوٹے اور بچیوں کو ہم نے تو اغوا نہیں کیا پھر ہمیں کس گناہ کی سزا دی گئی ہے؟ تمہاری فوج کے آتشی تیروں نے میرا گھر کیوں جلا دیا ہے؟ شہر میں گھوم پھر کر دیکھو' بہت سے گھر جلے ہوئے نظر آئیں گے۔ تمہاری فوج کے برسائے ہوئے پتھروں سے ہمارے بچے ہلاک ہوئے ہیں"۔

"میں نے شہر میں گھوم پھر کر دیکھ لیا ہے" — سنجر نے کہا — "جن لوگوں کے گھر جل گئے ہیں یا پتھروں سے تباہ ہوئے ہیں' انہیں وہ گھر دیئے جائیں گے جو بالکل ٹھیک کھڑے ہیں۔ اگر وہ پورے نہ ہوئے تو جلے ہوئے گھر سرکاری خزانے سے نئے کر دیئے جائیں گے۔ جب تک یہ مکان نہیں بنتے' میں تمام لوگوں کا مالیہ' لگان اور دیگر محصولات معاف کرتا ہوں"۔

سنجر نے اسلامی فاتحین کی روایات کے عین مطابق شاہ در کے لوگوں کے دلوں سے خوف و ہراس نکال دیا اور انہیں یہ تاثر دیا کہ انسان واجب التکریم ہے اور اس شہر کے لوگوں کو پوری تکریم دی جائے گی اور ان کے حقوق پورے کئے جائیں گے۔ سنجر ان لوگوں کے دلوں کو فتح کرنا چاہتا تھا لیکن ان لوگوں میں حسن بن صباح کے تخریب کار موجود تھے جنہیں عبدالملک بن عطاش اور احمد بن عطاش خاص طور پر پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ سنجر جب اس مجمعے سے خطاب کر رہا تھا' اس وقت دو آدمی ان لوگوں کے پیچھے کھڑے تھے اور سنجر کا ایک ایک لفظ غور سے سن رہے تھے۔

"یہ شخص ہمارے لئے مشکل پیدا کر رہا ہے" — ایک نے دوسرے سے کہا — "اگر یہاں کے لوگوں نے اس سلطان کی باتوں کو دل میں بٹھا لیا اور انہیں دل و جان سے قبول کر لیا تو ہمارے لئے ایک مسئلہ پیدا ہو جائے گا"۔

"کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہو گا" — دوسرے نے کہا — "یہ لوگ ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ ہمارا شکار یہ سلطان سنجر ہے' لوگ نہیں"۔

"اور اب میں ایک نہایت ضروری بات کہنا چاہتا ہوں" — سنجر نے اپنے خطاب کے آخر میں کہا — "مجھے معلوم ہے کہ حسن بن صباح اور اس کے استاد عبدالملک بن عطاش کے تخریب کار یہاں موجود ہیں۔ وہ مسجدوں میں بھی موجود ہوں گے اور وہ ہر جگہ تمہارے درمیان گھومتے پھرتے رہیں گے۔ انہیں پکڑنا یا ان کی نشاندہی کر کے پکڑوانا تمہارا فرض ہے۔ اگر تم اپنے فرض سے کوتاہی کرو گے تو ایک بار پھر تمہیں تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تم میں سے کوئی آدمی کسی ایسے شیطان کو پکڑ کر لائے گا یا نشاندہی کرے گا' اسے بے دریغ انعام دیا جائے گا"۔

سلطان محمد نے جب سنجر سے کہا تھا کہ وہ شاہ در چلا جائے اور وہاں کا انتظام سنبھالے تو اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اپنے تربیت یافتہ آدمی شاہ در بھیجے گا جو جاسوسوں اور تخریب کاروں کو زمین کے نیچے سے بھی نکال لائیں گے۔ کچھ آدمی تو سنجر کے ساتھ ہی آ گئے تھے اور کچھ بھیجے جا رہے تھے۔

○

داستان گو اس داستان کو پیچھے اُس مقام پر لے جا رہا ہے جہاں مزمل آفندی' بن یونس' شمونہ اور شافعیہ نے دس باطنی فدائیوں کو جنگل میں قتل کیا تھا۔ مزمل شدید زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے دائیں کندھے میں ایسا خنجر لگا تھا کہ ہنسلی سے بھی نیچے چلا گیا تھا۔ وہاں سے خون اُمڈ اُمڈ کر باہر آ رہا تھا جسے نہ روکنے کی صورت میں موت کا خطرہ تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ آگے جانے کی بجائے پیچھے دسم کوہ چلے جائیں۔ وہ اُسی وقت واپس چل پڑے تھے۔

دسم کوہ ایک دن کی مسافت تھی۔ وہ آدھی رات کو چلے تو ان کا ارادہ تھا کہ بہت تیز چلیں گے تاکہ جلدی منزل پر پہنچ جائیں اور مزمل کا خون روک دیا جائے لیکن مزمل کا گھوڑا تیز دوڑتا یا چلتا تھا تو جھٹکوں سے اس کا خون اور زیادہ نکلنے لگتا تھا۔ اس کے زخم میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا اور اوپر بھی کپڑا باندھ دیا گیا تھا لیکن خون پوری طرح رکا نہیں تھا۔ اس کے باوجود مزمل نے گھوڑے کی رفتار تیز رکھی لیکن راستے میں ہی اُس پر غشی طاری ہو گئی اور گھوڑوں کی رفتار کم کر دی گئی۔

Scanned by iqbalmt

اگلے روز آدھا دن گزر چکا تھا جب یہ لوگ وسم کوہ پہنچ گئے۔ مزمّل کا چہرہ اور جسم پیلا پڑ گیا تھا جو اس امر کی نشانی تھی کہ جسم میں خون ذرا سا ہی باقی رہ گیا ہے۔ اسے فوراً سالار اوریزی کے پاس پہنچایا گیا۔ طبیب اور جراح دوڑے آئے اور انہوں نے مزمل کا خون روکنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

سالار اوریزی کو بتایا گیا کہ وہ دس فدائیوں کو قتل کر کے واپس آ گئے ہیں اور فدائیوں سے ایسا اشارہ ملا تھا جیسے وہ شاہ در جا رہے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ سلطان محمد اور اس کے سالاروں کو اسی طرح قتل کر دیں جس طرح انہوں نے پہلے اہم شخصیتوں کو قتل کیا تھا۔

مزمّل آفندی دو دنوں بعد ہوش میں آیا اور اُس نے پہلی بات یہ پوچھی کہ وہ کہاں ہے اور اُس کے ساتھی کہاں ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ وہ وسم کوہ میں ہے اور اللہ نے اُسے نئی زندگی عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد اس نے طبیب اور جراح سے کہا کہ اسے بہت جلدی ٹھیک کر دیں تاکہ وہ قلعہ الموت کے لئے روانہ ہو سکے۔ طبیب اور جراح اسے کہتے تھے کہ وہ جسم کو زیادہ ہلائے نہیں ورنہ زخم پھر کھل جائے گا۔ دراصل مزمل جوشیلا آدمی تھا۔ وہ برداشت نہیں کر رہا تھا کہ چارپائی پر ہی لیٹا رہے۔

اُس کا زخم ملتے ایک مہینہ گزر گیا تھا۔ اس دوران وسم کوہ میں یہ خبر پہنچی کہ شاہ در فتح کر لیا گیا ہے اور اس شہر کی زیادہ تر آبادی وہاں سے نکل گئی ہے۔ پھر یہ خبر بھی وہاں پہنچی کہ عبدالملک ناظرو طبس چلا گیا ہے۔ اس قلعے میں پہنچے ابھی چند ہی دن ہوئے تھے۔

مزمّل آفندی آخر بالکل ٹھیک ہو گیا ۔ اسے ایسی غذائیں دی جاتی رہی تھیں کہ اس کے خون کی کمی پوری ہو گئی تھی۔ اسے جب یہ خبر ملی کہ عبدالملک قلعہ ناظرو طبس چلا گیا ہے اور اس کے ساتھ شاہ در کی کچھ آبادی بھی وہاں گئی ہے تو مزمّل فوراً سالار اوریزی کے پاس گیا۔ بن یونس کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔

"سالارِ محترم!" — مزمل نے کہا — "آپ قلعہ ناظرو طبس لے سکتے ہیں"۔

"وہ کیسے؟" — سالار اوریزی نے پوچھا۔

"عبدالملک چند دن پہلے وہاں پہنچا ہے" — مزمّل نے کہا — "اس کے ساتھ شاہ در کی کچھ آبادی ہے اور کوئی فوج اس کے پاس نہیں۔ اس قلعے میں پہلے سے کچھ لوگ آباد ہوں گے جو اتنی جلدی اس کی لڑائی نہیں لڑیں گے۔ ہم اس قلعے کو محاصرے میں

نہیں لیں گے۔ میں نے ایک ترکیب سوچی ہے"۔

اس نے اور بن یونس نے سالار اوریزی کو اپنا پلان بتایا۔ سالار اوریزی پہلے ہی پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ وہ ایک عرصے سے وسم کوہ میں بیٹھا ہے اور کچھ کر نہیں رہا۔ وہ تو باطنیوں کا ایسا دشمن تھا کہ کسی پر شک ہوتا کہ یہ حسن بن صباح کا پیروکار ہے تو اسے قتل کروا دیتا تھا۔ اس نے تجویز سنی تو مزمّل اور بن یونس کو اجازت دے دی کہ وہ اس پر عمل کریں۔

"ایک پہلو پر غور کر لیں" — بن یونس نے کہا — "سلطان محمد نے عبدالملک کو اجازت دی ہے کہ وہ قلعہ ناظرو طبس چلا جائے۔ سلطان نے اسے حفاظتی دستہ بھی دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطان نے اس شخص کی جان بخشی کر دی تھی۔ اگر آپ اس قلعے پر چڑھائی کر کے یہ قلعہ لے لیتے ہیں تو سلطان شاید اس کارروائی کو پسند نہ کرے اور وہ اسے حکم عدولی بھی سمجھ سکتا ہے"۔

"میں سلطان کے حکم کا نہیں اللہ کے حکم کا پابند ہوں" — سالار اوریزی نے کہا — "ہمارا اصل مقصد یہ ہے کہ حسن بن صباح کی ابلیسیت کو کچل اور مسل دیا جائے۔ میں وہ قلعہ اپنی ذات کے لئے سر نہیں کرنا چاہتا۔ تم اپنی تجویز پر عمل کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں"۔

○

حسن بن صباح عبدالملک عطاش کو تسلی دے کر اور اس کا حوصلہ مضبوط کر کے قلعہ الموت جا چکا تھا۔ عبدالملک نے خود بھی بہت کوشش کی تھی کہ اس کا حوصلہ مضبوط ہو جائے لیکن یہ کام کوئی آسان نہیں تھا۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی، اس کے بیٹے اور بھائی کی بیوی کے موت کے غم کو اپنی ذات میں جذب کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا، اور اس کوشش میں کامیاب بھی ہو رہا تھا لیکن اسے جو چیز کھائے جا رہی تھی وہ انتقام کا جذبہ تھا۔ یہ جذبہ آگ بن کے جلا رہا تھا۔ اسے حسن بن صباح پر غصہ بھی تھا کہ اس نے قاتل تو ہزارہا پیدا کر لئے تھے لیکن لڑنے والا کوئی ایک آدمی بھی تیار نہیں کیا تھا۔ شاہ در سے اس کے ساتھ جو لوگ گئے تھے ان میں مردوں کی تعداد چھ سات ہزار تھی۔ باقی ان کی عورتیں، بوڑھے اور بچے تھے۔ عبدالملک نے سوچا کہ ان ہی کو فوج کی صورت میں منظم کر لے۔

Scanned by iqbalmt

سب سے پہلے ضرورت ہتھیاروں کی تھی۔ شاہ در سے انہیں نہتّہ کر کے نکالا گیا تھا۔ انہیں گھوڑے اور اونٹ بھی نہیں دیئے گئے تھے۔ وہ سب پیدل یہاں تک پہنچے تھے.... ایک روز اس نے ان تمام آدمیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور انہیں بتایا کہ یہاں پہلا کام تو یہ ہے کہ از سرِنو آباد ہونا ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ باقاعدہ لڑائی کی تیاری شروع کر دی جائے تاکہ سلجوقیوں سے اس شکست کا انتقام لیا جائے۔

اُس نے دیکھا کہ ان لوگوں پر کچھ خوف و ہراس سا طاری تھا جیسے وہ لڑنے کے لئے تیار ہونے سے گھبرا رہے ہوں۔ اگر عبدالملک کوئی سالار ہوتا یا عام سا حاکم ہوتا تو لوگ شاید اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیتے لیکن عبدالملک ان کا پیرو مُرشد اور ان کے امام شیخ الجبل کا استاد تھا۔ وہ جانتے تھے کہ امام حسن بن صباح بھی اسے اپنا پیر استاد مانتا ہے۔ یہ ایسی وجہ تھی کہ کوئی بھی اس کے آگے بول نہیں سکتا تھا۔ کسی نے جرأت کر کے لوگوں کی نمائندگی یہ کہہ کر کی کہ ابھی تو ہمارے پاس ہتھیار بھی نہیں اور گھوڑے بھی نہیں۔

"سب کچھ آجائے گا" ——— عبدالملک نے گرج کر کہا ——— "ہتھیار اور گھوڑے اَلمُوت سے آجائیں گے۔ میں آج ہی قاصد کو الموت روانہ کر دوں گا اور پیغام بھیجوں گا کہ ہمیں گھوڑے اور ہتھیار فوراً بھیجے جائیں۔ تم لوگ اب ایک فوج کی صورت میں منظم ہو کر لڑو گے"۔

اس نے جوشیلی اور اشتعال انگیز تقریر ہی کر ڈالی جس میں اس نے ان لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ اللہ کی نگاہ میں برتری انہیں حاصل ہے سلجوقیوں کو نہیں۔ اُس نے کہا کہ جنت کے حقدار تم ہو، سلجوقی نہیں لیکن جنت حاصل کرنے کے لئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اس طرح اس نے اپنے آدمیوں کو بنی نوع انسان سے برتر ثابت کیا اور سلجوقیوں کے خلاف وہ زہر اگلا کہ اس کے یہ آدمی لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ عبدالملک آخر استاد تھا اور استاد بھی ایسا جس نے حسن بن صباح کو تعلیم و تربیت دے کر امام اور شیخ الجبل بنا ڈالا تھا۔

اس سے اگلے ہی روز کا ذکر ہے، سورج سر پر آگیا تھا جب دو مرد اور دو عورتیں قلعہ ناظرِ و طبس میں داخل ہوئیں۔ یہ چاروں گھوڑوں پر سوار تھے اور پانچویں گھوڑے پر کچھ سامان لدا ہُوا تھا۔ ایک گھوڑے پر مزّمل آفندی سوار تھا، دوسرے پر بن یونس، تیسرے پر شمونہ اور چوتھے گھوڑے پر شافعہ سوار تھی۔ انہوں نے تین دنوں کا سفر دو

دنوں میں طے کر لیا تھا۔ وہ جب قلعے میں داخل ہوئے تو لوگ ان کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ ہر کوئی ان سے یہی ایک سوال پوچھ رہا تھا کہ وہ کہاں سے آرہے ہیں۔

"لوگو! تیار ہو جاؤ" ——— مزّمل نے آواز میں گھبراہٹ کا تاثر پیدا کر کے کہا ——— "قلعہ وسم کوہ سے سلجوقیوں کی فوج آرہی ہے۔ یہ وہی فوج ہے جس نے قلعہ وسم کوہ فتح کیا تھا۔ اس فوج کو سلطان کا حکم ملا ہے کہ قلعہ ناظرِ و طبس میں جا کر کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑو.... پیر استاد عبدالملک بن عطاش کہاں ہیں؟.... ہم بڑی مشکل سے وہاں سے نکل کر آئے ہیں.... ہمیں پیر استاد تک پہنچا دو، ہم انہیں خبر کر دیں"۔

لوگوں میں افراتفری بپا ہو گئی اور وہ اپنے اپنے گھروں کو دوڑ پڑے۔ اگر بات صرف لڑنے کی ہوتی تو وہ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے مگر وہاں تو یہ عالم تھا کہ وہ نہتے تھے۔ اگر ان کے پاس ہتھیار ہوتے تو بھی ان کا خوف و ہراس بجا تھا۔ شاہ در میں ان پر جس طرح منجنیقوں کے پتھر اور آتشی تیر گرے تھے، اس کا خوف ابھی تک ان پر طاری تھا۔

مزّمل کا یہ چھوٹا سا قافلہ ابھی عبدالملک تک نہیں پہنچا تھا کہ عبدالملک کو پہلے ہی کسی نے اطلاع دے دی کہ باہر سے کوئی لوگ آئے ہیں اور انہوں نے لوگوں میں بھگدڑ بپا کر دی ہے اور لوگ گھبراہٹ کی حالت میں بھاگے دوڑے پھر رہے ہیں اور بعض لوگ بھاگ جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ عبدالملک باہر نکل آیا تھا اور اپنی آنکھوں سے لوگوں کی خوفزدگی اور نفسانفسی دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں مزّمل، بن یونس، شمونہ اور شافعہ اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور گھوڑوں سے اترے۔

"کون ہو تم؟" ——— عبدالملک نے پوچھا ——— "کہاں سے آئے ہو؟"

مزّمل اور بن یونس گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ کر عبدالملک کی طرف بڑھے اور جھک کر اُس کے گھٹنے چھوئے اور پھر اُس کے ہاتھوں کو پکڑ کر چُوما اور آنکھوں سے لگایا۔ عبدالملک نے غصیلی آواز میں پوچھا کہ وہ ہیں کون اور آئے کہاں سے ہیں اور انہوں نے لوگوں سے کیا کہہ دیا ہے کہ یہاں بھگدڑ مچ گئی ہے۔

"ہم آپ کے مرید ہیں یا پیرو مُرشد!" ——— مزّمل نے ادب و احترام سے کہا ——— "ہم امام حسن بن صباح پر جانیں قربان کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ میری بیوی ہے اور یہ لڑکی میری بہن ہے۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کی بیوی اور دو بچے وسم کوہ میں ہی رہ گئے ہیں۔ سلجوقیوں نے وسم کوہ فتح کر لیا تو ہم کوشش کے باوجود وہاں سے نکل نہ سکے اور یہ

Scanned by iqbalmt

اتنا لمبا عرصہ وہیں رہے۔ ہم یہ ظاہر کر کے وہاں وقت گذارتے رہے کہ آپ کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں اور ہم اہلِ سُنّت والجماعت ہیں۔ دسم کوہ کا حاکم سپہ سالار لوریزی ہے۔ میں نے اُس کی ملازمت حاصل کرلی تھی اور میں نے اُس پر اپنا اعتماد جمالیا تھا"۔

"میں نے تم سے کچھ اور پوچھا؟" — عبدالملک نے بے صبر ہو کر کہا — "یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ تم دسم کوہ سے آئے ہو' یہ بتاؤ کہ ان لوگوں کو کیا کہہ دیا ہے کہ یہ بھاگے دوڑے پھر رہے ہیں؟"

"گستاخی معاف یا پیر استاد!" — مزمل نے جھک کر کہا — "یہ لوگ خوش قسمت ہیں کہ ہم نے بروقت اطلاع دے دی ہے کہ ان کی طرف کیا قیامت بڑھی چلی آ رہی ہے.... انہوں نے ہم سے پوچھا تو ہم نے انہیں بتایا کہ دسم کوہ سے فوج چل پڑی ہے اور اس فوج کو سلطان کا حکم ملا ہے کہ شاہ در سے عبدالملک بن عطاش اتنے ہزار لوگوں کے ساتھ ناظرو طبس کے قلعے میں چلا گیا ہے' اپنی فوج بھیجو اور ان سب کو قتل کر کے اس قلعے پر قبضہ کرلو.... ہم نے لوگوں کو بس یہ بات بتائی ہے"۔

عبدالملک انہیں اپنے گھر میں لے گیا۔ اجڑے تھے تو لوگ اجڑے تھے' عبدالملک کا رہن سہن یہاں بھی شاہانہ تھا۔ اُس نے جو مشروب مزمل وغیرہ کو پیش کئے' وہ کوئی بادشاہ ہی اپنے ہاں رکھ سکتا تھا۔ گھر لے جا کر عبدالملک نے شمونہ اور شافیعہ کو اپنی عورتوں کے حوالے کر دیا اور مزمل اور بن یونس کو اپنے پاس بٹھالیا۔

"سلطان نے تو ہمیں امان دے دی تھی" — عبدالملک نے کہا — "ہم نے اسے جس طرح کہا اس نے اسی طرح کر دیا۔ ہم نے کہا کہ شاہ در سے جانے والے آدھے لوگ ناظرو طبس چلے جائیں گے اور آدھے قلعہ المُوت جائیں گے۔ ہم نے کہا کہ ہماری حفاظت کے لئے ایک ایک دستہ ساتھ بھیجا جائے۔ سلطان محمد نے یہ بھی قبول کرلیا اور دو دستے ساتھ کر دیئے لیکن اب اُس نے ہم پر فوج کشی کا حکم دے دیا ہے"۔

"صرف فوج کشی کا نہیں' قتل کا بھی حکم دیا ہے" — بن یونس نے کہا — "ہم دونوں نے سالار لوریزی کی ملازمت حاصل کرلی تھی۔ میرا بھائی مزمل تو اُس کا قابلِ اعتماد آدمی بن گیا تھا۔ اس کی موجودگی میں سلطان کا حکم آیا تھا کہ قلعہ ناظرو طبس میں فوج بھیج کر سب کو قتل کر دیا جائے اور عبدالملک کو بالکل نہ بخشا جائے"۔

"کیا یہ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہُوا؟" — عبدالملک نے کہا — "میں نے اس

سلجوقی سلطان پر اعتبار کیا تھا اور میں خوش تھا کہ اس نے کشادہ ظرفی اور فیاضی کا مظاہرہ کیا ہے کہ مجھے اور وہاں سے نکلنے والے ہر شخص کو اجازت دے دی تھی...."

"آپ اس کی یہ چال سمجھے نہیں یا پیر اُستاد!" — مزمل نے اُس کی بات کاٹ کر کہا — "اس نے آپ کے لوگوں کو دو حصّوں میں کاٹ کر بکھیر دیا۔ یہ غلطی آپ کی ہے کہ آپ نے خود ہی اس کا کام آسان کر دیا۔ آپ نے اس سے کہا کہ آدھے آدمی اَلمُوت چلے جائیں گے اور آدھے اس قلعے میں آجائیں گے۔ اس نے آپ کی یہ شرط اس لئے مان لی تھیں کہ آپ قلعہ چھوڑ دیں اور وہ قلعے میں داخل ہو جائے"۔

"اب زیادہ باتیں کرنے کا وقت نہیں" — بن یونس نے کہا — "فوج دسم کوہ سے چل پڑی ہے۔ اس وقت مسئلہ صرف یہ ہے کہ آپ کو اور آپ کے خاندان کے ہر فرد کو بچالیا جائے"۔

"فوج کب تک یہاں پہنچے گی؟" — عبدالملک نے پُوچھا۔

"دو دنوں بعد!" — مزمل نے کہا — "آپ یہاں سے نکلنے کی تیاری کریں۔ ہم آپ کے ساتھ اَلمُوت جائیں گے۔ یہاں پہلے جو لوگ آباد تھے' ان کے پاس گھوڑے بھی ہیں اور اونٹ بھی۔ ہم ان میں سے گھوڑے بھی لے لیں گے اور اونٹ بھی لیکن یہاں سے روانگی رات کے وقت ہوگی تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ آپ جا رہے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کے سامنے نکلے تو لوگ آپ کے خلاف ہو جائیں گے"۔

○

وہاں کے لوگوں میں افراتفری بپا رہی اور شام تک کچھ لوگ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لے کر قلعے سے نکل گئے۔ وہ قلعہ اَلمُوت کی طرف جا رہے تھے۔ عبدالملک نے مزمل' بن یونس' شمونہ اور شافیعہ کو اپنے گھر میں ہی رکھا۔ انہوں نے طے کرلیا تھا کہ آدھی رات کے وقت نکلیں گے اور قلعہ اَلمُوت کا رخ کرلیں گے۔ عبدالملک مزمل اور بن یونس کو اس لئے بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا کہ ان کے پاس تلواریں اور خنجر تھے۔ شمونہ اور شافیعہ بھی تلواروں سے مسلح تھیں اور ان کے پاس بھی خنجر تھے۔

عبدالملک کہتا تھا کہ اُسے اپنی جان کا کوئی غم نہیں۔ وہ اپنے خاندان کی عورتوں کو محفوظ کرنا چاہتا تھا اور دوسرا اس کا اَلمُوت جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس نے حسن بن صباح کو مجبور کرنا تھا کہ وہ فوج تیار کرنے اور سلجوقیوں کے ساتھ باقاعدہ جنگ لڑ کر انہیں ختم

Scanned by iqbalmt

کرے۔ شہر کے لوگوں سے دو اونٹ اور کچھ گھوڑے لے لئے گئے تھے۔ یہ سارا انتظام خفیہ رکھا گیا تھا۔ رات کو جب قلعے کے اندر خاموشی طاری ہو گئی اور لوگ گہری نیند سو گئے تو دو اونٹ اور گھوڑے عبدالملک کے گھر کے سامنے پہنچ گئے۔ اس کا خاندان تیار تھا اور جو سامان ساتھ لے جانا تھا وہ بھی تیار کر لیا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک قافلہ شہر سے نکلا۔ چونکہ اس شہر میں فوج تھی ہی نہیں اس لئے دروازوں پر کوئی پہرہ اور کوئی پابندی نہیں ہوتی تھی۔ اُس شام لوگوں نے خود ہی شہر کے دروازے بند کر لئے تھے۔ ایک دروازہ کھول لیا گیا اور یہ قافلہ نکل گیا۔

مزمل اور بن یونس اس قافلے کے محافظ تھے۔ ناظرو طبس سے کوئی ایک میل دُور گئے ہوں گے کہ مزمل نے گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی مشعل کو آگ لگائی۔ عبدالملک نے پوچھا کہ مشعل کی کیا ضرورت ہے' چاند اوپر آ رہا ہے۔ مزمل نے کوئی جواب نہ دیا اور مشعل بلند کر کے دائیں بائیں تین بار ہلائی اور پھر مشعل بجھا دی۔

عبدالملک نے پوچھا کہ یہ اُس نے کیا کیا ہے۔ مزمل نے اُسے ویسے ہی باتوں میں ٹال دیا.... ذرا ہی دیر بعد دُور سے گھوڑوں کے ہلکے ہلکے ٹاپ سنائی دینے لگے جو تیزی سے بڑھتے آ رہے تھے۔ عبدالملک نے چونک کر کہا کہ یہ گھوڑ سوار نہ جانے کون ہیں۔ مزمل نے کہا کہ کوئی ایسا خطرہ نہیں' ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اپنے ہی آدمی ہوں اور وہ مشعل کی روشنی دیکھ کر اِدھر آ رہے ہوں۔

وہ سوار جو آ رہے تھے' جنگل میں کہیں چھپے ہوئے تھے۔ وہ مزمل اور بن یونس کے ساتھ وسم کوہ سے آئے تھے اور ناظرو طبس سے کچھ دور ان سے الگ ہو گئے تھے۔ اُن کی تعداد چالیس پچاس تھی۔ انہیں کچھ دُور جا کر چھپے رہنا تھا اور مزمل کے اسی اشارے کا انتظار کرنا تھا۔ طے یہی کیا گیا تھا کہ مزمل اور بن یونس عبدالملک کو آدھی رات کے وقت قلعے سے نکالیں گے۔ ان کی یہ سکیم کامیاب ہو گئی تھی اور مزمل نے انہیں مشعل کا اشارہ دے دیا تھا۔

گھوڑ سواروں نے قریب آ کر اس قافلے کو گھیرے میں لے لیا اور مزمل نے عبدالملک سے کہا کہ وہ گھوڑے سے اُتر آئے۔ وہ گھوڑے سے اُترا ہی تھا کہ ایک گھوڑ سوار نے تلوار نکالی اور عبدالملک کا سر تن سے جدا کر دیا۔

اُس کے خاندان کی جو عورتیں تھیں' انہوں نے چیخ و پکار شروع کر دی۔ مزمل نے

عورتوں سے کہا کہ ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا اور انہیں واپس قلعے میں بھیج دیا جائے گا۔ اس خاندان کے دو آدمی بھی ساتھ تھے۔ انہیں بھی قتل کر دیا گیا اور پھر عبدالملک کی لاش اور اس کا سر اٹھا کر یہ قافلہ واپس ناظرو طبس چلا گیا۔

ایک گھوڑ سوار نے عبدالملک کا سر اپنی برچھی کی اَنی سے اُڑس لیا اور اس کے خاندان کی عورتوں کو قلعے میں داخل کر کے سب وسم کوہ کی طرف چل پڑے۔ مزمل کا خیال تھا کہ عبدالملک کا سر قلعہ اَلموت کے دروازے پر رکھ آتے ہیں لیکن سواروں کا کمانڈر نہ مانا اور اس نے کہا کہ اس کا فیصلہ سالار اوریزی کرے گا۔

تیسری صبح یہ سوار وسم کوہ پہنچ گئے۔ وہ برچھی جس میں عبدالملک کا سر اُڑسا ہوا تھا' سالار اوریزی کو پیش کی گئی۔ سالار اوریزی نے کہا کہ یہ سر کپڑوں میں لپیٹ کر سلطان محمد کے پاس بھیج دیا جائے۔ شاید یہ سر بھی وہ بغداد بھیجنا چاہتا ہو.... اس کے بعد تاریخ میں اس کا سراغ نہیں ملتا کہ اس کا سر بغداد میں بھیجا گیا تھا یا نہیں۔ یہ صاف شہادت ملتی ہے کہ سالار اوریزی نے سلطان کے حکم کے بغیر ہی اپنی آدھی فوج قلعہ ناظرو طبس اس حکم کے ساتھ بھیج دی کہ اس قلعے پر قبضہ کر لیا جائے۔ فوج کو یہ حکم بھی دیا گیا کسی کے ساتھ ذرا سی بھی زیادتی نہ کی جائے بلکہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور انہیں یقین دلایا جائے کہ ان کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی اور کسی عورت پر دست درازی نہیں ہو گی۔ فوج اس حکم کو بڑی اچھی طرح سمجھتی تھی۔ وہ زمانہ چونکہ قتل و غارت کا زمانہ تھا، باطنی مسلمانوں کو قتل کرتے تھے اور مسلمانوں کی طرف سے باطنی جوابی قتل ہوتے تھے اور فوج تک کو یہ حکم دے دیا جاتا تھا کہ جہاں کہیں کوئی باطنی نظر آئے' اُسے قتل کر دیا جائے۔ ان حالات میں سالار اوریزی نے اپنی فوج کو خاص طور پر کہا کہ کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔

فوج چلی گئی اور پانچویں چھٹے روز ناظرو طبس سے قاصد آیا اور اُس نے بتایا کہ وہاں امن و امان ہے اور جو لوگ بھاگ رہے تھے انہیں روک لیا گیا ہے۔ اس پیغام کے ملنے کے بعد سالار اوریزی ناظرو طبس چلا گیا۔ مزمل اور بن یونس بھی اُس کے ساتھ گئے۔ شمونہ اور شافعیہ وسم کوہ میں ہی رہیں۔

سالار اوریزی نے اس قلعہ بند آبادی کے تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے ویسا ہی لیکچر دیا جیسا سنجر نے شاہ در میں دیا تھا۔ اُس نے خاص طور پر زور دے کر کہا کہ اللہ کے راستے پر

Scanned by iqbalmt

واپس آجاؤ۔ تمہیں جنہوں نے پیرو مرشد اور امام بن کر گمراہ کیا تھا' ان کا انجام دیکھ لو۔ تم نے اپنے شیخ الجبل اور امام حسن بن صباح کے استاد کی لاش دیکھ لی ہوگی۔ اُس کی لاش کے ساتھ سر نہیں تھا۔ اگر یہ اللہ کا اتنا ہی برگزیدہ شخص تھا تو وہ اس انجام کو کیوں پہنچا؟..

.. مختصر یہ کہ اوریزی نے ان لوگوں کو باطنی فرقے سے نکالنے کے لئے بہت کچھ کہا۔ وہ لوگ پہلے ہی خوفزدہ تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ سلجوقی فوج آئی اور اس نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ یہ موقع ہوتا ہے جب فاتح فوج شہریوں پر ٹوٹ پڑتی ہے اور پہلا حملہ وہاں کی عورتوں پر بولتی ہے لیکن اس فوج نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ اس کی بجائے اس فوج کا کمانڈر شہر سے بھاگنے والوں کو روکتا تھا اور روک روک کر واپس ان کو گھروں میں بھیجتا تھا اور پھر لوگوں کو یقین دلاتا تھا کہ وہ ان کے محافظ بن کر آئے ہیں' لٹیرے بن کر نہیں۔

جب سالار اوریزی ان لوگوں کے سامنے گیا تو لوگ پہلے ہی مطمئن ہو چکے تھے۔ اوریزی کی ایک ایک بات ان کے دلوں میں اُترتی جا رہی تھی۔ وہ تو اب عقیدوں' فرقوں اور مذہب کی بات ہی نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے شاہ در میں بہت بُرا وقت دیکھا تھا۔ اب تو وہ اپنے اہل و عیال کی سلامتی اور عزت و آبرو چاہتے تھے۔ وہ انہیں ملتی نظر آگئی تو وہ سالار اوریزی کی ہر آواز پر لبیک کہنے لگے۔

سالار اوریزی نے اپنا ایک خاص ایلچی سلطان محمد کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اس نے اس طرح قلعہ ناظرِ طبس اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ سالار اوریزی کو توقع یہ تھی کہ سلطان ناراض ہوگا کہ اس کے حکم کے بغیر ایسا کیوں کیا گیا لیکن جب ایلچی واپس آیا تو پتہ چلا کہ سلطان اس اقدام پر بہت ہی خوش ہُوا ہے اور سالار اوریزی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

○

قلعہ ناظرِ طبس کے لوگوں نے سالار اوریزی کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن ان میں کچھ کٹر باطنی بھی تھے جن کے دلوں پر ذرا سا بھی اثر نہ ہُوا۔ وہ حسن بن صباح کے پیر و مُرشد عبدالملک بن عطاش کا قتل برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی اَلمُوت جا پہنچا اور حسن بن صباح کو جا اطلاع دی کہ پیر استاد عبدالملک بن عطاش قتل کر دیئے گئے ہیں۔

حسن بن صباح پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ اُس کے دل میں اپنے پیر استاد کا احترام تھا یا نہیں' یہ الگ بات ہے' اُس کے لئے اصل دھچکہ یہ تھا کہ سلجوقیوں نے بھی اس کی طرح اہم شخصیتوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ اُس آدمی نے جو حسن بن صباح کو اطلاع دینے گیا تھا' تفصیل سے بتایا کہ کس طرح دو آدمی اور دو عورتیں وہاں آئی تھیں اور انہوں نے کیا افواہ پھیلائی اور وہ کس طرح عبدالملک کو لے گئے تھے اور اگلی صبح عبدالملک کی لاش شہر کے ایک دروازے میں پڑی ملی تھی۔

حسن بن صباح یکلخت چونکا اور واہی تباہی بکنے لگا۔ اُس کے مشیر اور دیگر درباری اٹھ کھڑے ہوئے اور تھر تھر کانپنے لگے۔ انہوں نے حسن بن صباح کو اتنے غصے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہر صورتِ حال میں خندہ پیشانی سے بات کیا کرتا تھا اور تبسم اُس کے ہونٹوں پر رہتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جن ہونٹوں پر مسکراہٹ رہتی تھی' ان ہونٹوں سے جھاگ پھُوٹنے لگی اور وہ جب غصے سے بولتا تھا تو یہ جھاگ اُڑ اُڑ کر سننے والوں پر پڑتی تھی۔ وہ اپنے پیر استاد کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ یہ ممکن نہ تھا اس لئے اُس کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا تھا کہ اپنے فدائیوں کو سالار اوریزی یا سلطان محمد اور سنجر کو قتل کرنے کے لئے کہہ دیتا لیکن اس کے لئے وقت اور موقع درکار تھا۔

غصے سے وہ پاگل ہُوا ہی جا رہا تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ عبدالملک کی دونوں بیویاں اور دو بیٹیاں اور ان بیٹیوں کے ایک ایک دو دو بچے آئے ہیں۔ حسن بن صباح باہر کو دوڑ پڑا۔ اپنے پیر استاد کے ان پسماندگان کا استقبال وہ آگے جا کر کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے استقبال یوں کیا کہ عبدالملک کی بوڑھی بیوی کے قدموں میں گر پڑا اور اس کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ اس کی دوسری بیوی ابھی جوانی کی عمر میں تھی۔ حسن بن صباح انہیں اپنے کمرے میں لے آیا۔

"کیا سلجوقیوں نے آپ کو چھوڑ دیا ہے؟" — حسن بن صباح نے پوچھا — "یا آپ خود کسی طریقے سے وہاں سے نکل آئی ہیں؟"

"سلجوقی سالار اوریزی آیا تھا" — بڑی بیوی نے جواب دیا — "اُس نے ہمیں بڑے اچھے لہجے میں کہا کہ یہاں رہنا چاہتی ہو تو رہ سکتی ہو۔ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ہوگی' اور اگر اَلمُوت جانا چاہتی ہو تو اپنے محافظوں کے ساتھ اَلمُوت تک پہنچا دوں گا .... میں نے کہا ہمیں اَلمُوت پہنچا دیا جائے۔ مجھے زیادہ ڈر اس جوان بیٹی کا تھا لیکن یوں لگتا

Scanned by iqbalmt

تھا جیسے یہ جوان بیٹی کسی کو نظر آئی ہی نہیں ورنہ ایسی جوان لڑکی کو کون معاف کرتا ہے لیکن سالار اوریزی نے جیسا کہا تھا ویسا کر کے دکھا دیا۔ ہمیں محافظ دستہ دے کر رخصت کیا اور وہ دستہ ہمیں قلعہ الموت کے باہر چھوڑ کر چلا گیا ہے"۔

حسن بن صباح نے حکم دیا کہ اسے ایک خاص قسم کے فدائی کی ضرورت ہے۔ اُس نے بتایا کہ سالار اوریزی کو قتل کرنا ہے۔ اس کے آدمی اچھی طرح جانتے تھے کہ کون سے آدمی کو قتل کرنے کے لئے کس قسم کے فدائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ حسن بن صباح کا مطلب سمجھ گئے پھر بھی حسن بن صباح نے انہیں مزید سمجھا دیا کہ سالار اوریزی بڑا ہی ہوشیار اور دانشمند آدمی ہے اور اس کی نظریں گہرائی تک چلی جاتی ہیں اس لئے اس کے مطابق کوئی فدائی بھیجا جائے اور اس کا جواں سال ہونا ضروری ہے۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ حسن بن صباح کو ہر بڑی شخصیت کی نفسیات تک سے بھی واقفیت تھی۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اُس کا جاسوسی کا نظام بڑا ہی کارگر تھا۔ اس میں عام قسم کے یا اوسط درجہ کے آدمی نہیں تھے بلکہ اونچی حیثیت کے لوگ بھی تھے اور خاص طور پر عقلمند آدمی بھی تھے۔

داستان گو پہلے تفصیل سے سنا چکا ہے کہ حسن بن صباح کی جنت میں فدائی پرورش پاتے تھے۔ اُن کے دماغوں پر حشیش اور انتہائی خوبصورت لڑکیوں کا قبضہ ہوتا تھا۔ ان کی اپنی تو کوئی سوچ ہوتی ہی نہیں تھی۔ حسن بن صباح کی ایک جنت اور بھی تھی۔ اس کے متعلق تاریخوں میں کم ہی لکھا گیا ہے لیکن دو قلعہ نگاروں نے اس کی بھی تفصیلات لکھی ہیں جو مختصراً یوں ہیں کہ کچھ نوجوانوں کو ایک خاص قسم کی بوٹی کا نشہ پلایا جاتا تھا اور انہیں ایسی جگہ رکھا جاتا تھا جہاں غالباً اسی بوٹی کا ہلکا ہلکا دھواں پھیلا رہتا تھا۔ اس نشے کا اور اس دھوئیں کا اثر یہ ہوتا تھا کہ وہ آدمی اگر کنکریاں کھا رہا ہو تو یوں محسوس کرتا جیسے مرغن کھانے کھا رہا ہے۔ انہیں کھانے تو مرغن ہی دیئے جاتے تھے لیکن ان کے تصورات میں ایک جنت آباد کر دی جاتی تھی جس میں حوریں بھی ہوتی تھیں اور شراب بھی ہوتی تھی لیکن وہ حقیقت میں نہ حوریں ہوتی تھیں نہ شراب، وہ آدمی اس تصور کو حقیقت سمجھتے تھے۔ تاریخ سے ایسے اشارے ملتے ہیں کہ اس خیالی جنت میں بہت ہی تھوڑے نوجوانوں کو رکھا جاتا تھا کیونکہ باہر بھیجے جانے کی صورت میں ان کا نشہ اُتر بھی سکتا تھا۔ ان میں سے اگر کسی کو الموت سے باہر بھیجا جاتا تو ساتھ حشیش کا نشہ دیا جاتا تھا۔

حشیش ایسی چیز تھی جو دماغ کو حقیقی حالت میں آنے ہی نہیں دیتی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد چھبیس ستائیس سال عمر کا ایک خوبرو آدمی حسن بن صباح کے سامنے لا کر کھڑا کیا گیا۔ اس آدمی نے حسن بن صباح کے آگے سجدہ کیا۔ حسن بن صباح نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ سجدے سے اٹھا۔

"ہمیشہ کے لئے جنت میں رہنا چاہتے ہو؟" — حسن بن صباح نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں یا امام!" — اس آدمی نے جواب دیا — "آپ کا حکم ہو گا تو ہمیشہ جنت میں رہنا چاہوں گا اور آپ جہنم میں پھینکیں گے تو وہاں بھی میری زبان پر آپ ہی کا نام ہو گا"۔

"نہیں، جہنم میں نہیں پھینکوں گا" — حسن بن صباح نے کہا — "میں تمہیں اُس جنت میں بھیج رہا ہوں جس میں تم ہمیشہ رہو گے اور ہمیشہ جوان رہو گے"۔

اگر ہم آج کل اور جدید دور کی زبان میں بات کریں تو یہی کہیں گے کہ اس جوان آدمی اور اس جیسے دوسرے آدمیوں کی برین واشنگ ایسی خوبی سے کر دی گئی تھی کہ وہ حسن بن صباح کے اشارے پر جہنم میں جانے کے لئے بھی تیار ہو جاتے تھے۔ یورپ کے دو تین نفسیات دانوں نے حسن بن صباح کی جنت کا نفسیاتی تجزیہ بھی کیا ہے جو یہاں پیش نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ بڑا ہی خشک اور سائنسی موضوع ہے۔ حسن بن صباح کا اپنا ایک طریقہ اور انداز تھا جو وہ ایسے نوجوانوں پر استعمال کرتا تھا۔ اُس نے اس جواں سال آدمی کو بتایا کہ وہ دسم کوہ جائے گا اور وہاں اسے ایک سپہ سالار دکھایا جائے گا جس کا نام اوریزی ہے۔ اسے قتل کرنا ہے اور خود بھی قتل ہو جانا ہے۔ اگر وہ اس شخص کو قتل کر کے زندہ نکل سکتا ہے تو یہ اُس کی اپنی قسمت ہے۔ وہ واپس یہاں آئے گا تو جنت میں رہے گا اور اگر اپنے آپ کو مار لے گا یا کسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا تو اس سے زیادہ خوبصورت جنت میں جائے گا۔

حسن بن صباح کے فدائی کوئی اور دلیل تو سمجھتے ہی نہیں تھے۔ ان کے دماغوں پر حشیش اور عورت اور لذت پرستی سوار ہوتی تھی۔ جان لینے اور جان دینے کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے.... اس جواں سال آدمی کو اچھی طرح سمجھا دیا گیا کہ وہ یہ کام کس طرح کرے گا اور وہ اکیلا نہیں ہو گا۔ وہاں دو آدمی اسے ملیں گے جو اسے اپنی پناہ میں

Scanned by iqbalmt

رہنمائی گے اور اوریزی کے قتل میں اس کی راہنمائی اور مدد کریں گے۔

حسن بن صباح نے ایسے انداز سے بات کی تھی جیسے اُس نے اس جواں سال شخص پر بہت بڑی نوازش کی ہو کہ اسے اپنے حکم کی تعمیل کا موقع دیا ہو۔

○

وسم کوہ ایک قلعہ بند شہر تھا جس کے متعلق پہلے تفصیل سے سنایا جا چکا ہے کہ یہ کس طرح اور کتنی مدت میں فتح کیا گیا تھا۔ اب اس کے اندر کے حالات بالکل نارمل تھے۔ عام خیال یہی تھا کہ اس قصبے میں اب کوئی باطنی نہیں رہا لیکن یہ سوچنے والے حقیقت سے بے خبر تھے۔ وہاں چند ایک باطنی موجود تھے جو صرف باطنی ہی نہیں تھے بلکہ حسن بن صباح کے جاسوس اور تخریب کار بھی تھے۔ وہ اس معاشرے میں اُس طرح گھل مل گئے تھے کہ ان پر ذرا سا بھی شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ وسم کوہ کی خبریں الموت پہنچاتے رہتے تھے۔ ابھی تک انہوں نے کوئی تخریبی کارروائی نہیں کی تھی۔ شاید انہیں ایسا کوئی مشن دیا ہی نہیں گیا تھا۔ ان کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں تھی، پانچ سات ہی ہوں گے۔

وسم کوہ میں دو ادھیڑ عمر آدمی رہتے تھے۔ ان کے گھر ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ دونوں بیوی بچوں والے تھے۔ ایک بڑھئی کا کام کرتا تھا اور دوسرا سبزیاں کاشت کر کے لوگوں کو بیچتا تھا۔ دونوں نے معاشرے میں اپنی باعزت جگہ بنا رکھی تھی اور لوگ انہیں عزت و احترام سے دیکھتے تھے۔ وہ بھی سب میں گھل مل کر رہتے تھے۔ وہ جو بڑھئی کا کام کرتا تھا، اس کے گھر ایک جواں سال آدمی آیا جو اس کا مہمان سمجھا گیا لیکن وہ وہیں رہنے لگا۔ بڑھئی نے اور اس سبزی فروش نے لوگوں کو بتایا کہ یہ بڑھئی کا بھتیجا ہے۔ رے میں رہتا تھا اور اس کا باپ مر گیا ہے۔ اب یہ اپنے بڑھئی چچا کے ساتھ رہنے کے لئے یہاں آیا ہے اور اپنے چچا کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اس کا نام عبید عربی بتایا گیا۔

عبید عربی خاموش طبع انسان تھا۔ لوگوں سے کم ہی ملتا اور بولتا تو بہت ہی کم تھا۔ اس کے چہرے پر اداسی سی چھائی رہتی تھی۔ کوئی اسے سلام کرتا، ملتا تو اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ جاتی تھی۔ پھر فوراً ہی مسکراہٹ غائب ہو جاتی اور چہرے پر اداسی عود کر آتی تھی۔ اُس کے انداز سے یوں لگتا تھا کہ وہ اس کوشش میں ہے کہ کسی کی طرف نہ دیکھے اور کوئی اس کے ساتھ سلام دعا نہ لے.... یہ وہی خوبرو جوان تھا جسے حسن بن

صباح نے ذاتی طور پر وسم کوہ سالار اوریزی کے قتل کے لئے بھیجا تھا۔

وہ اس بڑھئی کا بھتیجا تھا یا نہیں، اس کا باپ مر گیا تھا یا نہیں، بہرحال یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ بڑھئی اور سبزیاں اُگانے اور بیچنے والا اس کا پڑوسی باطنی تھے۔ وہ صرف باطنی نہیں تھے بلکہ تجربہ کار جاسوس اور تخریب کار تھے۔ وسم کوہ سے قلعہ الموت تک خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ ان دونوں نے عبید عربی کو اپنی پناہ میں رکھا اور اس جواں سال اور خوبرو آدمی نے ان دونوں کی ہدایات اور رہنمائی سے سالار اوریزی کو قتل کرنا تھا۔

وسم کوہ میں ایک وسیع و عریض میدان تھا جسے گھوڑ دوڑ کا میدان کہا کرتے تھے۔ وہاں فوجی لڑائی کی مشق وغیرہ کیا کرتے تھے اور سوار گھوڑے دوڑاتے تھے۔ سالار اوریزی ہر روز کچھ دیر کے لئے وہاں جاتا اور گھوڑے پر سوار اس میدان میں گھوم پھر کر فوجیوں کو ٹریننگ کرتے دیکھا کرتا تھا اور پھر واپس آ جاتا تھا۔ ایک روز عبید عربی ان لوگوں میں کھڑا تھا جو فوج کا یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ سالار اوریزی ان لوگوں کے قریب سے گزرا تو عبید عربی اُس کی طرف چل پڑا۔ ایک فوجی نے دوڑ کر اُسے وہیں روک لیا اور پوچھا کہ وہ آگے کیوں آیا ہے۔

"میں فوج میں بھرتی ہونا چاہتا ہوں" — عبید عربی نے کہا — "میں اسی لئے سپہ سالار کے سامنے جانا چاہتا ہوں"۔

"نہیں بھائی!" — فوجی نے کہا — "میں تمہیں وہ جگہ دکھاؤں گا جہاں فوج میں آدمی بھرتی کئے جاتے ہیں۔ تم وہاں چلے جانا اور تمہیں بھرتی کر لیا جائے گا"۔

"میں صرف بھرتی کے لئے سپہ سالار سے نہیں ملنا چاہتا" — عبید عربی نے کہا — "یہ سپہ سالار مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میں اس کا عقیدت مند ہوں۔ یہ بہادر سالار ہے اور پکا مسلمان ہے۔ میں اس کے ساتھ ہاتھ ملانا چاہتا ہوں اور اس کے ہاتھ چومنا بھی چاہتا ہوں"۔

"نہیں میرے بھائی!" — فوجی نے کہا — "بڑا سخت حکم ہے کہ کوئی باہر کا آدمی سپہ سالار کے قریب نہ جائے۔ تمہیں بھی سپہ سالار سے ملنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔

"وہ کیوں؟" — عبید عربی نے پوچھا۔

"یہ تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے" — فوجی نے کہا — "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ

Scanned by iqbalmt

حسن بن صباح کے فدائی یہاں کتنے ہی حاکموں کو قتل کر چکے ہیں۔ ان کا طریقہ قتل یہی ہے کہ عقیدتمند بن کر یا فریادی بن کر کسی حاکم کے قریب روتے دھوتے چلے جاتے ہیں اور خنجر نکال کر اُس حاکم کو قتل کر دیتے ہیں پھر خود کُشی کر لیتے ہیں"۔

دراصل عبید عربی یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سالار اوریزی کے قریب جایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اسے پتہ چل گیا کہ وہ یا کوئی اور اس سالار کے قریب نہیں جا سکتا۔ اسے اب کوئی اور طریقہ سوچنا تھا۔

○

سورج غروب ہونے میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔ شافیعہ قلعہ وسم کوہ کی دیوار پر اکیلی ہی ٹہل رہی تھی۔ وہ تو اس دنیا میں رہ ہی اکیلی گئی تھی۔ اسے ماں باپ یاد آ رہے تھے اور پھر اسے اپنا چچا ابو جندل یاد آنے لگا۔ اس چچا کے مارے جانے کا اسے کوئی افسوس نہیں تھا لیکن اس کے دل پر بوجھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ وہ اپنے چچا ابو جندل کے ساتھ دُور دراز کے ایک پہاڑی علاقے میں خزانے کی تلاش میں گئی تھی۔ شافیعہ کو کسی خزانے کے ساتھ ذرا سی بھی دلچسپی نہیں تھی لیکن ابو جندل شافیعہ اور اس کی بہن کو بھی ساتھ لے گیا تھا کہ پیچھے ان کی دیکھ بھال اور حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا۔

ابو جندل جس طرح خزانے والے غار میں مارا گیا تھا اور جس طرح شافیعہ وہاں سے نکلی اور جن مصائب میں اُلجھتی اور نکلتی واپس وسم کوہ پہنچی تھی، وہ داستان گو پہلے ہی تفصیل سے سنا چکا ہے۔

شافیعہ قلعے کی دیوار پر چلتے چلتے رک گئی اور اُس جنگل کی طرف دیکھنے لگی جس میں سے گزر کر وہ واپس آئی تھی۔ اس کے دل پر ہُول سا طاری ہونے لگا۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرنے لگی کہ وہ یقینی موت کے پیٹ میں سے نکل آئی تھی۔ وسم کوہ میں اس کا اپنا کوئی عزیز رشتہ دار نہیں رہا تھا لیکن وہ یہیں واپس آ گئی۔

وہ خوش قسمت تھی کہ اسے مزّمل اور شمونہ کی پناہ مل گئی تھی۔ ان دونوں نے اسے وہی پیار دیا جو اس کے ماں باپ اور پھر اس کا چچا ابو جندل اپنے ساتھ ہی لے کر اس دنیا سے اٹھ گئے تھے۔ پھر وہ اللہ کا شکر اس لئے بھی ادا کرنے لگی کہ ابو جندل نہ صرف باطنی تھا بلکہ حسن بن صباح کا جاسوس اور تخریب کار تھا لیکن شافیعہ اس کے راستے سے ہٹ کر اللہ کی راہ پر آ گئی۔ اس راہ پر مزّمل اور شمونہ نے اور سالار اوریزی نے بھی اس

کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

سورج اُفق تک پہنچ گیا تھا اور شفق بڑی ہی دلکش ہوتی جا رہی تھی۔ شافیعہ اس شفق کے رنگ دیکھنے لگی.... اسے اپنے پیچھے قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ بتا رہی تھی کہ کوئی خراماں خراماں چلا آ رہا ہے۔ شافیعہ نے پیچھے دیکھا۔ ایک خوبرو جوان آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔

شافیعہ نے اُسے دیکھا اور پھر شفق کی طرف نظریں پھیر لیں لیکن اچانک اُس نے پھر پیچھے دیکھا۔ اُسے اس جواں سال آدمی کا چہرہ کچھ مانوس سا اور کچھ شناسا لگا۔ اُس نے اس چہرے کو اور غور سے دیکھا اور ذہن پر زور دے کر یاد کرنے لگی کہ یہ چہرہ اسے کہاں نظر آیا تھا۔ اسے اتنا یاد آیا کہ یہ چند دنوں، چند مہینوں یا چند سالوں پہلے کی بات نہیں بلکہ بڑی ہی پرانی بات ہے کہ یہ چہرہ اس سے ملتا جلتا چہرہ دیکھا تھا۔

اس نے اس شخص سے نظریں ہٹا لیں اور وہ جواں سال شخص اسی رفتار سے چلتا آیا اور شافیعہ کے قریب پہنچ گیا۔ شافیعہ نے ایک بار پھر منہ اُس کی طرف کر کے دیکھا۔ وہ آدمی بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ اس آدمی کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ چونک اٹھا ہے اور وہ شافیعہ کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے اور ان کے درمیان بمشکل ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ وہ جوان آدمی شافیعہ کی ہی عمر کا تھا۔ اُس وقت شافیعہ کی عمر پچیس چھبیس سال ہو گئی تھی۔

"کیا تم مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟" — شافیعہ نے بلا جھجک پوچھا اور جواب سنے بغیر کہا — "کوشش کرو.... ضرور کوشش کرو.... مجھے بھی کچھ ایسے لگ رہا ہے کہ ہم پہلے بھی کبھی ملے ہیں۔ اگر ملے نہیں تو ایک دوسرے کو دیکھا ضرور ہے.... اور کچھ ایسے بھی لگتا ہے جیسے ہم نے صرف ایک دوسرے کو دیکھا ہی نہیں بلکہ کسی جگہ ہم اکٹھے رہے ہیں"۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے بُرا نہیں جانا" — اس شخص نے کہا — "جو تم محسوس کر رہی ہو وہ میں بھی محسوس کر رہا ہوں"۔

"تم ناصر تو نہیں ہو؟" — شافیعہ نے پوچھا — "خدا کی قسم، تم ناصر ہو.... اب یاد آیا.... میری یادیں مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔ تم میرے بچپن کے ساتھی ہو۔ مجھے وہ کشادہ گلی یاد آ گئی ہے جہاں ہم کھیلا کرتے تھے اور تم مجھ سے اور میں صرف

Scanned by iqbalmt

تم سے کھیلا کرتی تھی.... کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"تم غلط نہیں کہہ رہیں" — اس شخص نے کہا — "تمہیں میرا نام یاد نہیں رہا۔ شاید بچپن میں میرا نام ناصر ہی ہو گا لیکن بعد میں میرا نام عبید عربی ہو گیا تھا.... ہاں، تم میرے بچپن کی ساتھی ہو۔ اس کے بعد تم وہاں سے چلی گئی تھیں اور پھر شاید تمہیں ایک دو مرتبہ دیکھا ہو اور اس کے بعد میں کہاں کہاں پھرا اور مجھ پر کیا گزری، یہ لمبی کہانی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے بہت ہی خوشی ہوئی ہے"۔

"کیا تم نے شادی کر لی ہے؟" — شافیعہ نے پوچھا۔

"نہیں شافیعہ!" — عبید عربی نے کہا — "لڑکیاں تو بہت ملیں لیکن پیار والی کوئی نہ ملی۔ میں تمہیں دل کی بات بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مجھے جسم نہیں چاہئے، وہ محبت چاہئے جو روح کے اندر سے پھوٹا کرتی ہے اور روح کے غنچوں کو بھی کھلا دیتی ہے"۔

اس خوبرو جواں سال آدمی نے شافیعہ کی روح کے مرجھائے ہوئے غنچے کو تر و تازہ کر کے کھلا دیا۔ اُس کا ذہن ایک ہی اُڑان میں ماضی کے اُس دور میں پہنچ گیا جب وہ عبید عربی کے ساتھ کھیلا کرتی تھی۔ اسے گئی گزری باتیں یاد آنے لگیں۔ ان کا ساتھ بچپن تک ہی نہیں بلکہ بچپن سے نکل کر لڑکپن تک پہنچ گیا تھا۔ شافیعہ کے ماں باپ ایک دوسرے کے بعد اسی عمر میں مر گئے تھے اور اسے اور اس کی چھوٹی بہن کو ان کے چچا ابو جندل نے سنبھال لیا اور بڑے پیار سے پالا پوسا تھا۔ جب ماں مر گئی اور دو چار مہینوں بعد اس کا باپ بھی مر گیا تو وہ عبید عربی کے ساتھ پہلے سے زیادہ کھیلنے لگی تھی اور اب وہ کھیلتی کم تھی اور عبید کو اپنے پاس بٹھا کر باتیں زیادہ کرتی تھی۔ عبید اس کچی عمر میں بھی شافیعہ کو تسلیاں اور دلاسے دیا کرتا تھا۔

"نہیں.... نہیں!" — شافیعہ نے عبید عربی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "تمہارا نام ناصر تھا، عبید عربی نہیں.... میں تمہیں ناصر ہی کہوں گی.... میرے دل میں وہ ناصر زندہ ہو گیا ہے"۔

شافیعہ کے جذبات میں جو ہلچل بپا ہو گئی تھی ویسی ہی عبید عربی کے جذبات میں پیدا ہوئی۔ اُسے یاد آنے لگا کہ اس شافیعہ کے ساتھ اسے کتنا پیار تھا۔ اس کے بغیر وہ خوش رہتا ہی نہیں تھا۔ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ تو کھیلتا ہی نہیں تھا۔ اُسے وہ وقت یاد آنے لگا جب ماں باپ کی موت کے بعد شافیعہ اُس کے پاس بیٹھ کر رویا کرتی اور انہیں یاد کیا کرتی

تھی تو عبید کس پیار سے اسے بہلایا کرتا تھا۔

"شافیعہ!" — عبید عربی نے کہا — "تم اُس عمر میں خوبصورت تو تھیں لیکن اتنی نہیں جتنی آج ہو"۔

عبید عربی نے یہ بات کچھ ایسے جذباتی لہجے میں اور خوشگوار انداز میں کی تھی کہ شافیعہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس بے ساختہ ہنسی نے اُس کی ذات سے وہ سارا غبار اُڑا دیا جو اسے کچھ دیر پہلے پریشان کئے ہوئے تھا وہ محسوس کیا کرتی تھی جیسے اس کی ذات سے اور اس کے اندر سے دھواں اٹھتا رہتا ہے جس سے اس کا دم گھٹ جاتا ہے۔ عبید عربی کی شگفتگی نے اُس کی یہ ساری گھٹن ختم کر دی۔

سورج غروب ہو گیا تھا اور قلعے میں کئی جگہوں پر مشعلیں جل اٹھی تھیں۔ شام گہری ہو گئی تھی۔ شافیعہ کو یہ خیال آیا ہی نہیں کہ شمونہ اور مزمل اس کے لئے پریشان ہوں گے۔

"تمہاری شادی تو ہو چکی ہو گی!" — عبید عربی نے پوچھا۔

"نہیں!" — شافیعہ نے جواب دیا — "شادی کی بات سامنے آتی ہے تو یوں لگتا ہے اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ بیچ رہی ہوں۔ شاید گم گشتہ پیار کی تلاش میں ہوں جو ملنا محال نظر آتا ہے"۔

"وہ مل گیا ہے" — عبید عربی نے کہا — "ہم دونوں کو مل گیا ہے۔ کس کے پاس رہتی ہو؟"

"اپنا کوئی بھی نہیں رہا" — شافیعہ نے جواب دیا — "اللہ کے دو ایسے بندے مل گئے ہیں جن کے دلوں میں وہی پیار ہے جو میرے ماں باپ کے دلوں میں ہُوا کرتا تھا.... میں تمہیں ان سے ملواؤں گی"۔

"تمہیں یہاں زیادہ دیر رکنا نہیں چاہئے" — عبید عربی نے کہا — "جن کے پاس رہ رہی ہو، وہ تمہارے خون کے رشتہ دار نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر کوئی شک کریں"۔

"تم اپنی بتاؤ" — شافیعہ نے پوچھا — "تمہارا گھر کہاں ہے؟ پہلے تو تمہیں دمشق میں کبھی نہیں دیکھا"۔

"میرے بھی ماں باپ مر گئے تھے" — عبید عربی نے جواب دیا — "تم اصفہان سے اپنے چچا کے ساتھ ہمیشہ کے لئے چلی گئی تھیں تو ان کے تھوڑے ہی عرصہ بعد

Scanned by iqbalmt

میرے ماں باپ بھی مر گئے تھے۔ میں کہیں اور رہتا تھا لیکن اب یہاں رہنے کے لئے آ گیا ہوں۔ یہاں ایک بڑھیا ہے' وہ میرا چچا ہے۔ میں اب اسی کے ساتھ رہوں گا اور اس نے مجھے اپنا کام سکھانا شروع کر دیا ہے.... آؤ چلیں' کل کہاں اور کس وقت ملو گی؟"

"جہاں کہو گے" — شافیعہ نے بڑے ہی جذباتی لہجے میں جواب دیا — "جس وقت کہو گے آ جاؤں گی"۔

"قلعے کے باہر آ سکو گی؟" — عبید عربی نے پوچھا اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر بولا — "قلعے کے ساتھ ہی سبزیوں کا ایک باغ ہے۔ وہ بہت ہی خوبصورت جگہ ہے وہاں درخت بہت زیادہ ہیں اور ان پر بیلیں چڑھی ہوئی ہیں اور وہاں پھولدار پودے بھی ہیں۔ وہ باغ یہاں ہمارے ایک پڑوسی کا ہے۔ وہ سبزیاں اگاتا ہے اور قلعے میں بیچتا ہے۔ فوج کو بھی سبزیاں وہی دیتا ہے۔ اگر کل کسی وقت وہاں آ سکو تو میں وہیں ملوں گا۔ اس باغ کے مالک سے ڈرنے اور جھجکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ ہمارا پڑوسی ہے اور میرے چچا کا بھائی بنا ہوا ہے"۔

"ہاں وہ باغ!" — شافیعہ نے مسرت بھرے لہجے میں کہا — "میں دو تین بار اس باغ میں گئی ہوں۔ بہت ہی خوبصورت جگہ ہے.... میں وہاں آ جاؤں گی"۔

انہوں نے اگلے روز کی ملاقات کا وقت مقرر کر لیا اور پھر قلعے کی دیوار سے اتر کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

○

شافیعہ تو عبید عربی کی ذات میں گم ہو گئی تھی۔ اُسے تو جیسے احساس ہی نہ رہا تھا کہ شام بہت گہری ہو گئی ہے اور اسے اپنے گھر پہنچنا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ مزّمل اور شمونہ اس سے پوچھیں گے کہ وہ کہاں رہی ہے تو وہ کیا جواب دے گی۔ اس نے کوئی جھوٹ گھڑنا چاہا تو ضمیر نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ وہ مزّمل اور شمونہ کے آگے جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ انہوں نے جو پیار اور جو احترام اسے دیا تھا' اس کی قدر وہ صرف اس طرح کر سکتی تھی کہ ان کے ساتھ مخلص رہے اور صداقت کا دامن نہ چھوڑے۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو شمونہ اس کے لئے خاصی پریشان ہو رہی تھی۔ مزّمل نے اسے بتایا کہ وہ اس کی تلاش میں نکلنے ہی والا تھا۔ دونوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں چلی گئی تھی۔ وہ کھانے کے لئے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"بچپن کا ایک ساتھی مل گیا تھا" — شافیعہ نے بڑے پُراعتماد لہجے میں کہا — "اس کے ساتھ قلعے کی دیوار پر کھڑی بچپن کو یاد کرتی رہی ہوں"۔

"کون ہے وہ؟" — شمونہ نے پوچھا۔

"کچھ دن ہوئے یہاں آیا ہے" — شافیعہ نے جواب دیا — "ہم بچپن میں اکٹھے کھیلا کرتے تھے۔ آج اس عمر میں ملاقات ہوئی ہے اور ہم دونوں نے ایک دوسرے کو فوراً پہچان لیا تھا"۔

"اگر تم اسے اچھی طرح جانتی ہو پھر تو کوئی بات نہیں" — مزّمل نے کہا — "اگر اسے اتنا ہی جانتی ہو کہ بچپن میں تمہارے ساتھ کھیلا کرتا تھا تو پھر محتاط رہنا۔ آج کل کسی کا بھروسہ نہیں"۔

"نہ ملو تو بہتر ہے" — شمونہ نے کہا۔

"یہ بات غلط ہے" — مزّمل نے کہا — "اُسے ضرور ملو۔ اگر وہ شہر میں ابھی ابھی آیا ہے تو اُسے ضرور ملو لیکن یوں نہیں کہ تمہیں اس سے بچپن میں پیار تھا بلکہ اس لئے ملو کہ اسے غور سے دیکھو اور یہ جانچ پڑتال کرنے کی کوشش کرو کہ یہ کوئی غلط آدمی تو نہیں.... وہ حسن بن صباح کا بھیجا ہوا فدائی بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے جس طرح قلعہ ناظرو طبس لیا ہے' اسے حسن بن صباح بخشے گا نہیں۔ ہم نے اس کے پیرو مرشد کو قتل کیا ہے۔ حسن بن صباح انتقام لے گا اور ضرور لے گا۔ ہو سکتا ہے وہ سپہ سالار اوریزی کو بھی قتل کروا دے.... ایسا کوئی اجنبی شہر میں نظر آئے تو اسے ہمیشہ شکی نظروں سے دیکھو"۔

Scanned by iqbalmt

مزمل آفندی نے یہ جو بات کہی تھی بالکل ٹھیک کہی تھی۔ سالار اوریزی نے جاسوسوں اور مخبروں کو بلا کر خاص ہدایات دی تھیں کہ قلعے میں کوئی اجنبی آئے تو اُسے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھیں۔ شہر میں فدائیوں کی موجودگی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ سالار اوریزی نے ایک خاص ہدایت یہ دی تھی کہ تاجروں کا جب مال آتا ہے تو اسے ضرور دیکھیں۔ اگر مال اُتارتے وقت اچھی طرح نہ دیکھ سکیں تو یہ دیکھیں کہ اس میں سے مختلف اشیاء کہاں کہاں جاتی ہیں' وہاں جا کر دیکھیں۔ اوریزی نے بڑی عقلمندی کی بات کی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ جہاں فدائی ہوں گے وہاں حشیش ضرور ہو گی۔ حشیش باہر ہی سے آتی ہو گی۔ اس حشیش کے ذریعے فدائیوں کو پکڑا جا سکتا تھا۔ اس سے پہلے کسی شہر میں اور کسی قلعے میں ایسی جانچ پڑتال اور دیکھ بھال کا کسی کو کبھی خیال نہ آیا تھا۔ اوریزی کو احساس تھا کہ عبدالملک بن عطاش کو مروا کر وہ خود بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس پر قاتلانہ حملہ ہونا ہی تھا۔

شافعہ کی زبانی معلوم ہوا کہ اس خوبرو جواں سال آدمی کا اصل نام ناصر تھا اور وہ یہاں آ کر عبید عربی بن گیا تھا لیکن شافعہ نے نام کی طرف توجہ دی ہی نہیں تھی۔ نام پر توجہ دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ عبید عربی نے کہا تھا کہ کبھی وہ ناصر ہوا کرتا تھا اور پھر اس کا نام عبید عربی رکھ دیا گیا تھا۔ شافعہ نے اس کی اس بات اور وضاحت کو سچ مان لیا تھا۔

"شافعہ!" — شمونہ نے کھانے کے بعد شافعہ سے کہا — "اب تم اپنے لئے کسی کو منتخب کر ہی لو"۔

شمونہ نے شافعہ کو یہ مشورہ اس لئے دیا تھا کہ یہ لڑکی عالمِ شباب میں ہے اور غیر معمولی طور پر حسین بھی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پیار کے دھوکے میں آ کر حسن بن صباح کی جنت میں ہی پہنچا دی جائے۔

"میں عبید کو کسی دن گھر لاؤں گی" — شافعہ نے کہا — "آپ دونوں بھی اسے دیکھ لیں اور مجھے بتائیں کہ میرا انتخاب کیسا ہے"۔

"تمہارا انتخاب یقیناً اچھا ہو گا شافعہ!" — مزمل نے کہا — "لیکن ہم صرف یہ نہیں دیکھیں گے کہ عبید کتنا خوبرو ہے اور تمہیں کتنا چاہتا ہے' ہمیں تو اس کی اصلیت اور اس کا باطن دیکھنا ہے۔ ہم تمہیں کسی فریب کار کے چنگل میں نہیں جانے دیں گے"۔

شافعہ نے وہ رات بے چینی سے کروٹیں بدلتے گزاری۔ آنکھ لگتی تھی تو اُسے خواب میں عبید عربی نظر آتا تھا۔ آنکھ کھل جاتی تو اسی کے تصوّر میں گم ہو جاتی۔ وہ محسوس کرنے لگی جیسے رات بڑی ہی لمبی ہو گئی ہو۔ آخر صبح طلوع ہوئی اور شافعہ بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ملاقات کا وقت ابھی دُور تھا۔ وقت گذارنے کے لئے وہ کام کاج میں مصروف ہو گئی اور ملاقات کا وقت قریب آ گیا۔

"میں اُسے ملنے جا رہی ہوں" — شافعہ نے شمونہ سے کہا — "میری اتنی فکر نہ کرنا' میں بچی تو نہیں ہوں"۔

"پھر بھی محتاط رہنا" — شمونہ نے کہا — "اُسے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھو اور اُسے یہاں ضرور لانا"۔

شافعہ گھر سے نکلی پھر قلعے سے نکل گئی اور سبزیوں والے باغ میں جا پہنچی۔ عبید عربی اس کے انتظار میں وہاں پہلے سے موجود تھا۔ شافعہ کو دیکھ کر دوڑا آیا اور اُس کا بازو پکڑ کر باغ کے اندر ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں درختوں پر چڑھی ہوئی بیلوں نے چھاتہ سا بنا رکھا تھا۔ اس کے نیچے گھاس تھی اور تین اطراف بیلوں اور پودوں کی اوٹ تھی۔ تنہائی میں بیٹھنے کے لئے وہ جگہ موزوں تھی اور رومان پرور بھی تھی۔ دونوں وہاں جا بیٹھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں دنیا سے بے خبر ہو گئے۔

"پہلے ایک فیصلہ کر لو" — شافعہ نے عبید عربی سے کہا — "میں تمہیں ناصر کہا کروں یا عبید؟"

Scanned by iqbalmt

"عبید بہتر ہے" ـــــ عبید عربی نے جواب دیا ـــــ "نام کو اتنی اہمیت کیوں دیتی ہو؟ ... اگر محبت ہے تو نام کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ محبت نہیں تو بڑے پیارے پیارے نام بھی بھدے اور بے معنی لگتے ہیں"۔

اُس روز انہوں نے بہت باتیں کیں۔ پیار کی باتیں' گزرے ہوئے وقت کی باتیں لیکن ایسی نہیں کہ دلوں پر اُداسی اور ملال آ جاتا۔ شافیعہ نے اسے کہا تھا کہ ایسی کوئی بات یاد نہ کرو نہ یاد دلاؤ جس میں تلخیاں ہوں۔ وہ کہتی تھی کہ ہم آہیں بھریں گے' فریادیں کریں گے اور روئیں گے تو بھی ہمیں ماں باپ نہیں مل جائیں گے نہ ان کا پیار ملے گا۔ پیار تو ہم دونوں نے ایک دوسرے کو دینا ہے۔

وہ ایک دوسرے میں گم ہو گئے۔ محبت کی وارفتگی اور خود سپردگی ایسی جیسے یہ دو جسم ایک ہو جانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ شافیعہ کہتی تھی کہ وجود ہو تو محبت کا ہو' ہمارے اپنے کوئی وجود نہیں۔ اگر ہیں تو انہیں اس طرح پاک اور صاف رکھنا ہے کہ خیال ہی نہ آئے کہ جسم کو تسکین کی ضرورت ہے۔

عبید عربی نے اُسے یقین دلایا کہ اُس کی نظر جسم پر ہے نہیں۔ وہ بار بار ایک تشنگی کا اظہار کرتا تھا۔ یہی وہ تشنگی تھی جس سے شافیعہ مری جا رہی تھی۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے پیار و محبت کے چشمے بن گئے۔ وہ یوں محسوس کرنے لگے جیسے یہ چشمے سوکھ گئے تھے اور اچانک پھوٹ پڑے ہوں۔

دن آدھا گزر چلا تھا جب وہ کسی کی آواز پر اچانک بیدار ہو گئے اور گھروں کو جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں تمہیں کسی دن اپنے گھر لے چلوں گی" ـــــ شافیعہ نے کہا ـــــ "میں تمہیں اُن لوگوں سے ملواؤں گی جن کے پاس میں رہتی ہوں.... انہیں تم میرے ماں باپ ہی سمجھو"۔

"شافیعہ!" ـــــ عبید عربی نے کہا ـــــ "ان کے پاس لے جانے سے پہلے مجھے خود سمجھ لو۔ میں کچھ نہیں چاہتا' میں پیار کا تشنہ ہوں"۔

وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

○

محبت نے ان پر دیوانگی طاری کر دی تھی۔ اُسی شام وہ دونوں قلعے کی دیوار پر وہیں

کھڑے تھے جہاں گذشتہ شام ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

اگلے روز وہ پھر سبزیوں کے باغ میں اُسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ شام کے وقت وہ پھر قلعے کی دیوار پر کھڑے تھے۔

اس طرح وہ آٹھ دس روز ملتے رہے اور ایک روز شافیعہ عبید عربی کو اپنے گھر لے گئی۔ شمونہ کو عبید خاص طور پسند آ گیا تھا۔ مزمل نے اس کے ساتھ کچھ ایسے ذاتی سوال کئے جنہیں وہ ضروری سمجھتا تھا۔ عبید عربی نے اُسے مایوس نہ کیا۔

"میری ایک خواہش ہے" ـــــ عبید عربی نے مزمل سے کہا ـــــ "میں سپہ سالار اوریزی سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس کے ہاتھ چومنے کو جی چاہتا ہے۔ اس نے جو کارنامے کر دکھائے ہیں وہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ عبدالملک بن عطاش کو کون قتل کر سکتا تھا!.... یہ قلعہ وسم کوہ کوئی اور فتح نہیں کر سکتا تھا اور پھر جس طرح اس سالار نے قلعہ ناظر و طبس لیا ہے' یہ اسی کی دانشمندی اور عسکری فہم و فراست کا نتیجہ ہے۔ مجھے اس سے ملوا دیں"۔

"میں ملواؤں گا" ـــــ مزمل نے کہا۔

"میں دراصل فوج میں جانا چاہتا ہوں" ـــــ عبید عربی نے کہا ـــــ "میں سپہ سالار اوریزی کے ماتحت سلطنت کی اور اسلام کی خدمت کرنا چاہتا ہوں"۔

شمونہ اور مزمل کو ذرا سا بھی شک نہ ہوا کہ عبید عربی حسن بن صباح کا بھیجا ہوا فدائی ہے۔ مزمل دلی طور پر تیار ہو گیا تھا کہ اسے سالار اوریزی سے ملوا دیا جائے گا۔ اُس نے عبید عربی سے کہا کہ سالار اوریزی سے ملاقات تو کرا دی جائے گی لیکن تمہاری جامہ تلاشی ہو گی اور تمہارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہو گا۔

"میں نے ان سے ملنا ہے" ـــــ عبید عربی نے کہا ـــــ "ان کے سامنے کسی ہتھیار کی نمائش نہیں کرنی"۔

عبید عربی کو وسم کوہ میں آئے دو مہینے ہو گئے تھے اور قلعہ اَلموُت میں حسن بن صباح اس خبر کا انتظار بڑی بے تابی سے کر رہا تھا کہ سالار اوریزی کو عبید عربی نے قتل کر دیا ہے۔ اس دوران بڑھئی نے اپنے ایک جاسوس کو یہ پیغام دے کر قلعہ اَلموُت بھیجا تھا کہ امام سے کہنا سالار اوریزی کو اتنی جلدی قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کوئی آدمی اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ بڑھئی نے حسن بن صباح کو یقین دلایا تھا کہ یہ کام ہو جائے گا اور

Scanned by iqbalmt

عبید عربی موقع ڈھونڈنے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ بڑھئی نے پیغام میں یہ بھی کہا تھا کہ عبید عربی نے اُس گھر تک رسائی حاصل کر لی ہے جس گھر کے افراد سالار اوریزی کے قابلِ اعتماد لوگ ہیں بلکہ یہ اُس حلقے کے لوگ ہیں جو سالار اوریزی کی دوستی کا ذاتی حلقہ ہے۔ اُمید ہے ان لوگوں کے ذریعے سالار اوریزی تک عبید عربی پہنچ جائے گا۔

ایک روز شافیعہ نے صاف طور پر محسوس کیا کہ عبید کچھ پریشان ہے اور بولتا ہے تو اس کی زبان لڑکھڑاتی ہے۔ شافیعہ نے پوچھا تو اُس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شافیعہ کو ٹال دیا لیکن باتیں کرتے کرتے عبید کی بے چینی بڑھتی گئی۔ ایک بار تو اُس نے یوں کیا کہ شافیعہ کا ایک ہاتھ اُس کے ہاتھ میں تھا اور اُس نے اپنی انگلیاں شافیعہ کی انگلیوں میں اُلجھا رکھی تھیں۔ عبید عربی نے اپنے ہاتھ کو اتنی شدت سے مروڑا جیسے اس کے ہاتھ میں لڑکی کا ہاتھ نہیں تھا بلکہ لکڑی کا ایک ٹکڑا تھا اور اسے وہ توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شافیعہ درد سے بلبلا اٹھی۔ اس نے عبید کا چہرہ دیکھا تو چہرہ لال سرخ ہوا جا رہا تھا۔ شافیعہ نے بڑی مشکل سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ سے نکالا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا کہ اُسے کیا ہو گیا ہے۔

"کچھ نہیں شافیعہ!.... کچھ نہیں ہُوا" — عبید عربی نے اُکھڑی اُکھڑی آواز میں کہا — "کبھی کبھی ایسے ہو جاتا ہے.... میں جلدی ہی اپنے آپ میں آ جاؤں گا۔ یوں محسوس کرتا ہوں جیسے کوئی غیبی طاقت میرے وجود کے اندر آ کر مجھ پر غالب آنے کی کوشش کر رہی ہو.... تم گھبراؤ نہیں۔ چلو گھر چلیں.... میں شام تک ٹھیک ہو جاؤں گا اور ہر روز کی طرح دیوار پر ملیں گے"۔

عبید عربی کی یہ حالت دیکھ کر شافیعہ کو بھی ویسی ہی بے چینی محسوس ہونے لگی تھی۔ عبید عربی نے اُسے بہت تسلی دی اور کہا کہ وہ شام کو اُسے بالکل ہشاش بشاش دیکھے گی۔ شافیعہ اپنے گھر چلی گئی اور عبید عربی بڑھئی کے گھر چلا گیا۔

شافیعہ اُس کی یہ کیفیت سمجھ ہی نہیں سکتی تھی۔ عبید کو جسمانی اینٹھن ہو رہی تھی جو صاف علامت تھی کہ یہ شخص نشے سے ٹوٹا ہُوا ہے۔

"تمہیں امام کی قسم ہے' کوئی بندوبست کرو" — عبید نے بڑھئی سے کہا — "آج تو میری حالت بہت ہی بگڑ گئی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکی کو یا کسی اور کو کچھ شک ہو جائے۔ اگر آج مجھے حشیش نہ ملی تو میں پاگل ہو جاؤں گا اور ہو سکتا ہے اس پاگل پن میں

تمہاری گردن مروڑ دوں"۔

"آج شام تک اُمید ہے تمہارا نشہ پورا ہو جائے گا" — بڑھئی نے کہا — "میں نے تمہیں بتایا ہے کہ یہاں آنے والے مال کو کھول کر دیکھا جاتا ہے۔ سالار اوریزی نے بڑا سخت حکم جاری کر رکھا ہے کہ حشیش کا ایک ذرّہ بھی اس قلعہ بند شہر میں نہ آئے اور اگر کسی کے پاس حشیش یا اس قسم کا کوئی اور نشہ پکڑا جائے' اسے فوراً قید خانے میں بند کر دیا جائے"۔

سالار اوریزی نے یہ حکم یہ سوچ کر جاری کیا تھا کہ حشیش صرف فدائی یا حسن بن صباح کے جاسوس اور تخریب کار پیتے ہیں۔ یہ نشہ ان باطنیوں کا ہی تھا۔ سالار اوریزی نے سوچا تھا کہ ان لوگوں کو یہاں نشہ نہ ملا تو یہاں سے بھاگ جائیں گے۔ پھر بھی کسی نہ کسی طریقے سے حشیش وہاں پہنچ ہی جاتی تھی مگر اتنے زیادہ دن ہو گئے تھے' اُلموُت سے حشیش نہیں آئی تھی۔ عبید عربی نشے سے ٹوٹا ہُوا تھا۔

دن کے پچھلے پہر جب سورج مغرب کی طرف اُتر رہا تھا' شافیعہ قلعے کی دیوار پر جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ ہر شام اُس کی عبید عربی کے ساتھ ملاقات ہوتی تھی۔ شافیعہ گھر سے نکلنے ہی لگی تھی کہ مزمّل آ گیا۔ اس نے شافیعہ کو بازو سے پکڑا اور اندر شمونہ کے پاس لے گیا۔

"میں تمہیں بہت بُری خبر سنانے لگا ہوں شافیعہ!" — مزمّل نے کہا — "وقتی طور پر تمہیں یہ خبر بُری لگے گی لیکن اچھا ہُوا کہ ایک بہت بڑے خطرے کا پہلے ہی علم ہو گیا ہے"۔

شمونہ اور شافیعہ کے رنگ اتنی سی بات سے ہی اُڑ گئے۔ دونوں خبر سننے کو بے تاب ہو گئیں۔

خبر یہ تھی کہ تاجروں کا مال اونٹوں سے قلعے سے باہر اُترا تھا۔ مال سے مال کے تبادلے وہیں ہُوا کرتے تھے۔ جس روز تاجروں کا مال آتا تھا' اُس روز وہاں بہت ہی رونق اور لوگوں کا جمگھٹا ہوتا تھا۔ ویسے بھی وہاں منڈی لگتی تھی لیکن اتنے زیادہ لوگ ہر روز نہیں ہوتے تھے۔ سالار اوریزی کے حکم کے مطابق وہاں کچھ لوگ گھومتے رہتے اور دیکھتے پھرتے کہ کون کیا لایا ہے اور یہاں کون کیا خرید کر قلعے کے اندر لے جا رہا ہے۔

ایک مخبر نے ایک آدمی کو دیکھا جو الگ تھلگ کھڑا تھا اور اُس کے ہاتھ میں کپڑے کا

Scanned by iqbalmt

ایک تھیلا تھا۔ یہ تھیلا اتنا سا ہی تھا کہ چغے کے اندر چھپایا جا سکتا تھا۔ مجبر نے دیکھا کہ بڑھئی اور عبید عربی اس کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے پھر بڑھئی نے وہ تھیلا اُس سے لے لیا اور اپنے چغے کے اندر کر کے اوپر بازو رکھ دیئے اور ایک طرف چل پڑا۔ عبید عربی بھی اس کے پیچھے گیا۔

مُجبر کو کچھ شک سا ہوا۔ اُس نے ان دو آدمیوں کو بتایا جو کسی بھی تاجر کا مال کھول کر دیکھ سکتے تھے۔ یہ دونوں آدمی دوڑتے ہوئے بڑھئی اور عبید عربی کے پیچھے گئے۔ انہیں دیکھ کر وہ دونوں بھی دوڑ پڑے اور ایک دروازے میں داخل ہو گئے۔ یہ قلعے کی ایک طرف کا دروازہ تھا۔

وہ بھاگ کر جا ہی کہاں سکتے تھے۔ انہیں قلعے کے اندر پکڑ لیا گیا۔ انہیں یہ تھیلا جس آدمی نے دیا تھا' وہ پہلے ہی کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ اس تھیلے کو کھول کر دیکھا تو اس میں خشک حشیش بھری ہوئی تھی۔ یہ خاصی لمبی مدت استعمال کے لئے کافی تھی۔ بڑھئی اور عبید عربی کو پکڑ کر کوتوال کے پاس لے گئے۔ کوتوال نے دونوں کو قید خانے میں بھیج دیا۔

شافیعہ نے جب سنا کہ عبید عربی قید خانے میں بند ہو گیا ہے تو اس کے آنسو بہنے لگے اور وہ مزمل کے پیچھے پڑ گئی کہ وہ اسے قید خانے میں لے چلے' وہ عبید عربی سے ملنا چاہتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ عبید عربی ایسا آدمی نہیں۔ شمونہ اور مزمل اسے سمجھانے کی کوشش کرنے لگے کہ کسی انسان کا پتہ نہیں ہوتا وہ دریدہ کیا ہے لیکن شافیعہ عبید عربی کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔ وہ کہتی تھی عبید ایسا آدمی نہیں اور یہ ضرور کہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔

مزمل نے شافیعہ کی یہ جذباتی حالت دیکھی تو وہ پریشان سا ہو گیا۔ اُس نے شافیعہ سے کہا کہ وہ جا کر معلوم کرتا ہے کہ عبید عربی حشیش اپنے پاس رکھنے کا مجرم ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے اُسے معلوم ہی نہ ہو اور یہ حشیش اُس کے چچا بڑھئی کے لئے آئی ہو۔

○

مزمل آفندی اور بن یونس سالار اوریزی کے خاص آدمی تھے۔ اوریزی نے ان دونوں کو جاسوسی کے محکمے میں باقاعدہ طور پر رکھ لیا تھا لیکن اوریزی کے ساتھ ان کے تعلقات دوستانہ بھی ہو گئے تھے۔ قید خانے میں کوئی اور آدمی نہیں جا سکتا تھا لیکن مزمل اور بن یونس کے لئے کہیں بھی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ مزمل بن یونس کو ساتھ لے کر

قید خانے کے مہتمم سے ملا اور کہا کہ وہ ان دو قیدیوں سے ملنا چاہتا ہے جنہیں گذشتہ روز حشیش کے سلسلے میں گرفتار کر کے یہاں بھیجا گیا تھا۔

مہتمم نے اُسی وقت قید خانے کے داروغہ کو بلا کر کہا کہ ان دونوں کو اُن دو قیدیوں کے پاس لے جائے جن کے قبضے سے حشیش برآمد ہوئی تھی۔ داروغہ ان دونوں کو لے گیا اور داروغہ نے ہی انہیں بتایا کہ بڑھئی کو ایذا رسانی والے کمرے میں لے جایا گیا ہے اور اُسے بہت ہی اذیتیں دی جا رہی ہیں لیکن وہ بتا نہیں رہا کہ یہ حشیش کہاں سے آئی تھی۔ اُس پر شک یہ ہے کہ وہ فدائی ہے اور اکثوت کا جاسوس بھی ہے۔ عبید عربی کے متعلق داروغہ نے بتایا کہ وہ کوٹھڑی میں بند ہے اور وہ تو یوں سمجھو کہ پاگل ہو چکا ہے۔ داروغہ نے یہ رائے دی کہ وہ نشے سے ٹوٹا ہوا معلوم ہوتا ہے اور بھول ہی گیا ہے کہ وہ انسان ہے۔

بڑھئی کو تو دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی' مزمل اور بن یونس اُس کوٹھڑی تک گئے جس میں عبید عربی بند تھا۔ اُس نے جب مزمل کو دیکھا تو دوڑ کر سلاخوں تک آیا اور سلاخوں کو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا۔

"خدا کے لئے مجھے تھوڑی سی حشیش دے دو" — عبید عربی نے چلّا چلّا کر کہا — "میں مر جاؤں گا.... مجھے اتنی زیادہ اذیت دے کر نہ مارو.... مجھے حشیش دو' نہیں دیتے تو مار ڈالو"۔

مزمل نے اُسے بتایا کہ حشیش تو قلعے میں بھی نہیں داخل ہو سکتی' اُسے قید خانے میں حشیش کیسے دی جا سکتی ہے!.... عبید عربی نے یہ سنا تو اس نے سلاخوں کو پکڑ کر بڑی زور زور سے اپنا سر سلاخوں کے ساتھ مارا۔ اس کی پیشانی سے خون بہنے لگا۔ داروغہ ساتھ تھا۔ اُس نے جب اس قیدی کی یہ حالت دیکھی تو دو تین سنتریوں کو پکارا۔

تین سنتری دوڑے آئے۔ داروغہ نے انہیں کہا کہ وہ رسیاں لے آئیں اور اس قیدی کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیں اور ٹانگیں بھی باندھ دیں۔

وہ طریقہ بڑا ہی ظالمانہ تھا جس سے عبید عربی کے ہاتھ اور پاؤں باندھے گئے۔ مزمل اور بن یونس وہاں سے آ گئے۔ عبید عربی کی چیخیں دور تک ان کا تعاقب کرتی رہیں۔

"اسے تھوڑی سی حشیش دے دی جائے تو یہ بتا دے گا کہ حسن بن صباح کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے" — مزمل نے داروغہ سے کہا — "صاف پتہ چلتا ہے یہ

نشے سے ٹوٹا ہوا ہے"۔

"پھر بھی نہیں بتائے گا" ـــــ داروغہ نے کہا ـــــ "ہمیں ان لوگوں کا بہت تجربہ ہے۔ اسے تھوڑی سی بھی حشیش مل گئی تو یہ شیر ہو جائے گا۔ پھر تو یہ بولے گا ہی نہیں"۔

مزمل اور بن یونس قید خانے سے مایوسی کے عالم میں نکل آئے۔ ان دونوں کو اگر کچھ دلچسپی تھی تو وہ شافعہ کے ساتھ تھی۔ ان دونوں کو تو یقین ہو گیا تھا کہ عبید عربی حشیش کے نشے سے ٹوٹا ہوا ہے اور یہ مشکوک آدمی ہے۔ اب یہ معلوم کرنا تھا کہ اس کا تعلق حسن بن صباح کے ساتھ ہے یا نہیں لیکن شافعہ نہیں مان رہی تھی۔ ان دونوں نے گھر جا کر شافعہ کو یقین دلانے کی کوشش کی بھی لیکن وہ نہیں مانتی تھی۔ وہ روتی اور بُری طرح تڑپتی تھی۔ کہتی تھی مجھے سالار اوریزی تک لے چلو' میں عبید کو قید خانے سے نکلوا لوں گی..... سالار اوریزی قلعے کا امیر بھی تھا۔ وہ عبید عربی کو چھوڑ سکتا تھا لیکن مزمل اور بن یونس ایسی سفارش نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سالار اوریزی باطنیوں کے معاملے میں کس قدر حساس ہے اور انتقام سے بھرا ہوا ہے۔

اگلے روز شافعہ کی جذباتی حالت بہت ہی بگڑ گئی اور اُس نے رو رو کر بُرا حال کر لیا۔ اُس نے مزمل کو مجبور کر دیا کہ وہ آج بھی قید خانے میں جائے اور عبید عربی کو دیکھ کر آئے اور اُسے بتائے کہ وہ کس حال میں ہے۔

مزمل چلا گیا اور عبید کو دیکھ آیا۔ عبید کی حالت اب یہ تھی کہ اُس کے ہاتھ پاؤں تو بندھے ہوئے تھے' ماتھے سے خون رِس رہا تھا اور وہ ایسی بُری طرح چیخ اور چلا رہا تھا جیسے کسی کُتے کو باندھ کر مارا پیٹا جا رہا ہو۔

مزمل نے شافعہ اور شمونہ کو عبید عربی کی یہ حالت بالکل ایسے ہی بتائی جیسی وہ دیکھ کر آیا تھا۔ یہ سن کر شافعہ کی حالت بھی ویسی ہی ہونے لگی۔ شمونہ عورت تھی' شافعہ کی یہ حالت اُس سے برداشت نہ ہو سکی اور وہ رونے لگی۔ مزمل نے شافعہ سے کہا کہ چلو دونوں سالار اوریزی کے پاس چلتے ہیں۔

"کیا سالار اوریزی اُسے چھوڑ دے گا؟" ـــــ شمونہ نے پوچھا۔

"چھوڑے گا تو نہیں!" ـــــ مزمل نے جواب دیا ـــــ "میں سالار اوریزی سے صرف یہ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ وہ طبیب کو قید خانے میں بھیجے کہ وہ عبید عربی کو دیکھے اور کوشش کرے کہ اس کے ذہن سے نشے کا اثر اتر جائے اور وہ صحیح حالت میں آ جائے پھر اس سے پوچھیں گے کہ حشیش اس کے پاس کہاں سے آئی تھی۔ بس یہ ایک صورت ہے کہ ہم عبید عربی کو بچا سکتے ہیں۔ اگر وہ نہیں بتائے گا تو ہم بھی اس کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ پھر تو ہم یہی سمجھیں گے کہ وہ حسن بن صباح کا آدمی ہے۔ اس صورت میں اگر شافعہ مر بھی گئی تو ہم پرواہ نہیں کریں گے"۔

اُس زمانے میں قیدی کے ساتھ کسی کو ذرا سی بھی دلچسپی اور ہمدردی نہیں ہُوا کرتی تھی۔ قید خانے میں قیدی مرتے ہی رہتے تھے۔ قید خانے میں ڈالے جانے کا مطلب ہی یہی ہوتا تھا کہ یہ شخص بڑا خطرناک مجرم ہے اور یہ ذرا سے بھی رحم کا حقدار نہیں۔

○

مزمل اور شمونہ سالار اوریزی کے پاس جا پہنچے۔ انہوں نے ابھی بات شروع کی ہی تھی کہ شافعہ بھی روتی چلاتی وہاں پہنچ گئی۔ دربان اُسے اندر جانے سے روکتا تھا لیکن شافعہ اسے دھکیلتی اور اس کا منہ نوچتی تھی۔ آخر دربان نے اندر جا کر سالار اوریزی کو بتایا کہ ایک لڑکی باہر یوں واویلا بپا کئے ہوئے ہے اور روکے رکتی نہیں۔ سالار اوریزی نے اُسے بھی اندر بلا لیا۔

سالار اوریزی کو بتایا جا چکا تھا کہ ایک بڑھئی اور اُس کا جواں سال بھتیجا حشیش کے ساتھ پکڑے گئے ہیں اور انہیں یہ حشیش باہر کا ایک آدمی دے کر غائب ہو گیا تھا۔ سالار اوریزی نے حکم دے دیا تھا کہ یہ مرتے ہیں تو مر جائیں' ان سے پوچھیں کہ یہ کون لوگ ہیں' ان کا تعلق باطنیوں کے ساتھ ضرور ہو گا۔ اب مزمل اور شمونہ سالار اوریزی کو عبید عربی اور شافعہ کی ملاقاتوں کا قصہ سنا رہے تھے۔ شافعہ اندر گئی تو اس نے اپنا واویلا بپا کر دیا۔ وہ کہتی تھی عبید ایسا آدمی نہیں' ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

سالار اوریزی شافعہ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس لڑکی کے متعلق سب کچھ جانتا تھا اور اُسے معلوم تھا کہ یہ لڑکی کس طرح اس قلعے میں پہنچی تھی اور اس نے اور کیا کچھ کیا ہے لیکن اوریزی کسی مشکوک آدمی کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ شافعہ کی جذباتی حالت یہ تھی کہ اُس نے عبید عربی کی رہائی کی خاطر آگے بڑھ کر اوریزی کے پاؤں پکڑ لئے۔ وہ کہتی تھی کہ اُسے قید خانے میں جانے دیا جائے' وہ عبید سے صحیح بات پوچھ لے گی اور وہ اُسے بتا بھی دے گا۔

Scanned by iqbalmt

Scanned by iqbalmt

سالار اوریزی نے حکم دیا کہ طبیب کو قید خانے میں بھیجا جائے کہ وہ عبید عربی کی مرہم پٹی کرے اور اگر کوئی دوائی کارگر ہو سکتی ہے تو وہ بھی دے' اور شافیعہ کو بھی قید خانے میں جانے دیا جائے کہ یہ عبید کی حالت اپنی آنکھوں دیکھ لے۔

طبیب اور شافیعہ قید خانے میں گئے۔ مزمل اور شمونہ ان کے ساتھ تھے۔ قید خانے کے دو سپاہی بھی ان کے ساتھ ہو لئے تاکہ عبید عربی کو قابو میں رکھا جائے۔

عبید کی حالت پہلے سے زیادہ بُری اور قابلِ رحم ہو چکی تھی۔ اُس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ فرش پر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا اور اُس کے حلق سے بڑی ڈراؤنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر سلاخوں والا دروازہ کھول دیا۔ شافیعہ دوڑ کر اندر چلی گئی۔ کوٹھڑی میں ناقابلِ برداشت بدبُو تھی۔ عبید نے شافیعہ کو دیکھا تو رو رو کر اس کی منتیں کرنے لگا کہ انہیں کہو اسے کھول دیں۔ اُس نے چیخنا چلّانا بند کر دیا۔ وہ اب شافیعہ ہی کے لیے جا رہا تھا۔ اس کے ماتھے سے خون بہہ بہہ کر اُس کے چہرے پر جم گیا تھا۔ شافیعہ نے فرش پر بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور اُسے اس طرح تسلی دلاسے دینے لگی جیسے ماں دودھ پیتے بچے کے ساتھ پیار کیا کرتی ہے۔

"شافیعہ.... شافیعہ!" — عبید عربی ہانپتی آواز میں کہہ رہا تھا — "مجھے پاگل ہونے سے بچالو.... ان لوگوں سے مجھے بچالو.... اپنی پناہ میں لے لو مجھے شافیعہ!.... شافیعہ!"

طبیب عبید کی مرہم پٹی کرنا چاہتا تھا اور اُسے کوئی دوائی بھی دینی تھی لیکن شافیعہ کی وارفتگی اور دیوانگی کا یہ عالم تھا کہ اُس نے عبید کو اپنی گود میں اور زیادہ گھسیٹ لیا اور اپنا ایک گال اُس کے چہرے پر رکھ دیا۔ شافیعہ تو شاید بھول ہی گئی تھی کہ وہاں اُس کے اور عبید کے سوا کوئی اور بھی موجود ہے۔

"تم میری پناہ میں ہو عبید!" — شافیعہ نے اُس کے ساتھ پیار کرتے ہوئے کہا — "ہم دونوں اللہ کی پناہ میں ہیں۔ تم پاگل نہیں ہو گے' اور یہ لوگ جو یہاں موجود ہیں' تمہارے ہمدرد اور غمخوار ہیں.... زخم کی مرہم پٹی کروا لو پھر میں تمہارے پاس بیٹھوں گی"۔

"نہیں!" — عبید عربی نے شافیعہ کا ایک بازو دونوں ہاتھوں میں بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا اور بولا — "تم چلی جاؤ گی۔ مجھے ان لوگوں کے حوالے کر کے نہ جانا۔ یہ لوگ

مجھے مار ڈالیں گے.... پانی پلاؤ شافیعہ' پانی.... مجھے کچھ چاہئے' پتہ نہیں کیا چاہئے"۔

شافیعہ نے اُسے بٹھا کر اپنے ہاتھوں پانی پلایا پھر اپنے ہاتھوں اُس کے چہرے سے خون دھو ڈالا اور پھر طبیب نے اُس کی مرہم پٹی کر دی۔ اگر شافیعہ اُسے مرہم پٹی کروانے کو نہ کہتی تو وہ طبیب کو اپنے قریب بھی نہ آنے دیتا.... عبید عربی کی ذہنی حالت بالکل بگڑ گئی تھی۔ وہ بے معنی سی باتیں بھی کر جاتا تھا اور اُس کی بعض باتیں تو پلّے ہی نہیں پڑتی تھیں۔ اُس کی زبان جیسے اکڑی ہوئی تھی جو صحیح الفاظ بھی بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

اُس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا — "خدا نے آدم کو جنّت سے نکال دیا تھا" — اُس نے یہ الفاظ اس طرح کہے تھے جیسے خواب میں بول رہا ہو۔ شافیعہ کے سوا یہ الفاظ کوئی نہ سمجھ اور سن سکا۔

طبیب نے تھوڑے سے پانی میں ایک دوائی کے چند قطرے ڈال کر شافیعہ کو پیالہ دیا کہ اسے پلا دے۔ شافیعہ کے ہاتھ سے اُس نے یہ دوائی پی لی۔ کچھ دیر انتظار کیا گیا تو دیکھا کہ عبید عربی پر خاموشی طاری ہو گئی تھی اور نیند سے اُس کا سر ڈولنے لگا تھا۔ یہ دوائی کا اثر تھا۔

ذرا ہی دیر بعد عبید عربی کی آنکھیں بند ہو گئیں اور سر ڈھلک گیا۔ اُسے فرش پر لٹا دیا گیا۔ طبیب نے اشارہ کیا کہ سب لوگ یہاں سے نکل چلیں۔ شافیعہ وہاں سے اٹھتی نہیں تھی لیکن طبیب نے اُس کے کان میں کچھ کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سب باہر نکل آئے اور کوٹھڑی کا دروازہ پھر مقفّل کر دیا گیا۔ شافیعہ سلاخوں کو پکڑ کر وہیں کھڑی سوئے ہوئے عبید عربی کو دیکھتی رہی۔ شمونہ نے اُسے پکڑا اور ساتھ لے آئی۔ یہ سب داروغہ کے ساتھ قید خانے کے دفتر میں جا بیٹھے۔

"میں حیران ہوں محترم طبیب!" — داروغہ نے کہا — "کل یہی شخص سلاخوں کے ساتھ اپنا سر پھوڑ رہا تھا۔ اگر ہم اسے باندھ نہ دیتے تو اب تک یہ زندہ نہ ہوتا۔ میں حیران ہوں آج اس لڑکی کو دیکھ کر یہ قیدی آگ سے پانی بن گیا ہے"۔

"میں نے اسے بڑی ہی غور سے دیکھا ہے" — طبیب نے یوں بات کی جیسے قاضی فیصلہ سنا رہا ہو — "مجھے اس کے کل کے رویّے کے متعلق سب کچھ بتا دیا گیا تھا۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ اس لڑکی کے ساتھ لگ کر وہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ میں نے

Scanned by iqbalmt

اسے جو دوائی دی ہے' یہ صرف نیند کے لئے ہے' میں اسے سلانا چاہتا ہوں تاکہ اس کا تھکا ٹوٹا ہوا ذہن ٹھکانے پر آجائے۔ اسے علاج نہ سمجھا جائے۔ میں نے اس کا علاج دیکھ لیا ہے۔ یہ علاج صرف شافیعہ کے پاس ہے۔ شافیعہ اس کے پاس آتی رہے تو یہ اپنی صحیح ذہنی حالت پر آجائے گا۔ یہ نشے سے ٹوٹا ہوا ہے اور خطرہ ہے کہ یہ اپنا دماغی توازن کھو بیٹھے گا"۔

طبیب نے تشخیص کر کے کچھ ہدایات دیں اور زور دے کر کہا کہ اس قیدی کو شافیعہ کے ساتھ کچھ دن رکھا جائے۔ یہ اپنے دل کی ڈھکی چھپی باتیں بھی شافیعہ کے آگے اُگل دے گا۔

قید خانے سے نکل کر یہ سب لوگ سالار اوریزی کے پاس گئے۔ طبیب نے سالار اوریزی کو عبید عربی کے متعلق ساری رپورٹ دی اور اسے بھی کہا کہ عبید کا علاج شافیعہ ہے۔

"سالارِ محترم!" — شافیعہ نے کہا — "اگر آپ مجھے عبید کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں تو کیا میں اس کے ساتھ قید خانے کی کوٹھڑی میں رہوں گی؟.... میں اس کے ساتھ وہاں بھی رہنے کو تیار ہوں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے کسی اچھی جگہ منتقل کر دیا جائے جہاں میں اس کے ساتھ دل جمعی کے ساتھ رہ سکوں؟.... میں پہلے جو بات نہیں مانتی تھی وہ اب مان لی ہے۔ عبید نشے سے ٹوٹا ہوا ہے۔ مجھے اس سے پہلے کبھی شک بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ کوئی نشہ کرتا ہے۔ اگر آپ اس سے کچھ اور پوچھنا چاہتے ہیں تو وہ میں پوچھ لوں گی.... مجھے پورا یقین ہے کہ یہ باطنی نہیں"۔

"جذبات سے نکلو شافیعہ!" — سالار اوریزی نے کہا — "مجھے اب یقین ہونے لگا ہے کہ عبید اور یہ بڑھئی حسن بن صباح کے بھیجے ہوئے آدمی ہیں۔ مجھے خطرہ یہ نظر آ رہا ہے کہ عبید تمہیں محبت کا دھوکہ دے رہا ہے اور یہ لوگ تمہیں یہاں سے اُڑا لے جائیں گے اور قلعہ الموت میں حسن بن صباح کے حوالے کر دیں گے۔ یہ لوگ اتنے پکے ہوتے ہیں کہ بڑھئی نے ابھی تک کچھ نہیں بتایا حالانکہ اُسے ایسی اذیتیں دی گئی ہیں جو ایک تندرست گھوڑا بھی شاید برداشت نہ کر سکے۔ عبید ابھی کچا معلوم ہوتا ہے"۔

شافیعہ نے سالار اوریزی کو کہا تھا کہ عبید کو کسی اچھی جگہ منتقل کر دیا جائے تو وہ اس سے اُگلوا لے گی کہ وہ اصل میں کیا ہے' کہاں سے آیا ہے اور کس ارادے سے آیا ہے

اور اس بڑھئی کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ سالار اوریزی کو تو اصل راز کی ضرورت تھی۔ کسی کو اذیت میں ڈالنا ضروری نہیں تھا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ عبید عربی کو کسی اچھی جگہ منتقل کر دیا جائے۔ یہ جگہ قید خانے کے باہر بھی ہو سکتی ہے اور وہاں پہرہ کھڑا کر دیا جائے' یعنی عبید کو قیدی قرار دے کر رکھا جائے اور شافیعہ جس وقت چاہے اور جتنی دیر تک چاہے اس کے پاس رہ سکتی ہے۔

○

عبید عربی کو اُسی دن قلعے میں ایک کمرہ تیار کر کے بھیج دیا گیا اور باہر دو سپاہی پہرے پر کھڑے کر دیئے گئے۔ اس کمرے میں بڑا اچھا پلنگ اور نرم بستر تھا اور ضروریات کی دوسری چیزیں بھی وہاں موجود تھیں۔ ایک ملازم بھی وہاں بھیج دیا گیا۔

اُس رات شافیعہ عبید عربی کے کمرے میں گئی اور اُس نے دیکھا کہ بہت دیر سو کر وہ کچھ سکون میں آگیا تھا۔ اُسے دراصل یہ تھوڑا سا سکون اس لئے ملا تھا کہ اُسے قید خانے سے نکال دیا گیا تھا اور شافیعہ اس کے پاس تھی۔ ویسے وہ ذہنی طور پر ٹھیک نہیں لگتا تھا۔

شافیعہ اُس کے پاس پلنگ پر اُسی طرح بیٹھی جس طرح وہ سبزیوں کے باغ میں بیلوں اور پودوں کی اوٹ میں بیٹھا کرتے تھے۔ اب اس کمرے میں جس کا دروازہ بند تھا اور کسی کے آنے کا خطرہ نہیں تھا' شافیعہ نے اور زیادہ جذباتی مظاہرے کئے جن میں بناوٹ نہیں بلکہ اُس کی روح شامل تھی۔ عبید اس کے ساتھ اس طرح لگ کر بیٹھ گیا تھا جس طرح ڈرا سہما ہوا بچہ ماں کی آغوش کی پناہ میں جا دبکتا ہے اور اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ عبید عربی حشیش کے نشے سے ٹوٹا ہوا تھا۔ جن فدائیوں کو باہر قتل یا کسی دوسری واردات کے لئے بھیجا جاتا تھا' انہیں حشیش ملتی رہتی تھی اور وہ جیسا نشہ بھی طلب کرتے' انہیں مل جاتا تھا لیکن دسم کہہ میں' جیسا کہ سنایا جا چکا ہے' سالار اوریزی نے حشیش اور دوسری نشہ آور اشیاء کی بھی بندش لگا رکھی تھی۔ حشیش نہ ملنے کے اثرات تو دماغ پر بہت ہی بُرے ہوتے تھے لیکن سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ ایسا آدمی جو نشے سے ٹوٹا ہوا ہوتا تھا' محض نشے کی خاطر راز اُگل دیتا تھا۔ عبید کو پاگل ہو جانا چاہئے تھا لیکن شافیعہ ایک ایسا نشہ تھا جس نے عبید کے دماغ سے حشیش نہ ملنے کے اثرات زائل کرنے شروع کر دیئے۔

Scanned by iqbalmt

اس کے ساتھ طبیب کی دوائی کے اثرات بھی تھے۔ طبیب اپنی دوائی کی خوراک کم کرتا جا رہا تھا۔ اس سے عبید کو نیند کم آنے لگی تھی۔ مختصر یہ کہ شافیہ کے والہانہ پیار نے اور طبیب کی دوائی نے عبید کو نشے کی طلب کی اذیت سے نکال لیا۔ ایک روز شافیہ پیار ہی پیار میں اُسے اس بات پر لے آئی کہ وہ اپنا آپ بے نقاب کر دے۔

عبید عربی تو جیسے اسی انتظار میں تھا کہ شافیہ اس سے یہ بات پوچھے۔ اُس نے بڑی لمبی کہانی شروع کر دی۔ اُس نے شافیہ کو سنایا کہ جب شافیہ اصفہان سے اپنے چچا ابو جندل کے ساتھ ہمیشہ کے لئے چلی گئی تھی تو عبید عربی تھوڑا ہی عرصہ بعد اپنے ماں باپ کے ساتھ ایک قافلے میں کہیں جا رہا تھا۔ اُس کا باپ تاجر تھا اور مال بیچنے اور خریدنے کے لئے جا رہا تھا۔ پہلی بار وہ اپنی بیوی اور عبید کو بھی ساتھ لے گیا۔ اُس وقت عبید کا نام ناصر تھا اور یہی وہ نام تھا جو اُس کے ماں باپ نے رکھا تھا۔

راستے میں قافلے پر لٹیروں کا حملہ ہو گیا۔ عبید عربی نے سنایا کہ لٹیروں نے جہاں سب کچھ لوٹ لیا وہاں یہ ظلم بھی کیا کہ خوبصورت بچّیوں اور جوان لڑکیوں کو اٹھا کر لے گئے اور ایک لٹیرے نے اُسے بھی اٹھا لیا۔ اُسے ابھی تک یاد تھا کہ اُس لٹیرے نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ بڑا ہی خوبصورت بچّہ ہے۔ اُس وقت اس کی عمر بارہ تیرہ سال تھی۔ عبید نے سنایا کہ اُس کی ماں بھی اور اُس کا باپ بھی لٹیروں کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے۔ اُس نے اپنے ماں باپ کو قتل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ تو رو رو کے بے ہوش ہو گیا تھا۔

لٹیروں نے اُسے شاہ در پہنچا دیا۔ شاہ در میں اس کی تربیت ہونے لگی اور وہ بڑا ہونے لگا۔ جب اس کی عمر انیس بیس سال ہو گئی تو اسے قلعہ الموت بھیج دیا گیا۔ وہاں اُسے حسن بن صباح کو پیش کیا گیا جس نے اسے جنّت میں داخل کر لیا۔ اسے دوسروں کی طرح حشیش پلائی جاتی تھی اور وہاں بڑی خوبصورت لڑکیاں تھیں جن کے ساتھ وہ رہتا اور عیش و تفریح کرتا تھا۔

اُسے وہاں ہر عیش اور موج حاصل تھی لیکن پیار کہیں بھی نہیں تھا۔ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ شیخ الجبل ایک دن اُسے بلائے گا اور کہے گا کہ اپنا خنجر نکالو اور اپنے آپ کو قتل کر لو۔ یہ مظاہرہ اُس کے سامنے چند مرتبہ ہوا تھا اور ہر بار ایک فدائی اپنے ہی ہاتھوں ہلاک ہو جاتا تھا۔

عبید عربی کی شخصیت ہی بدل گئی اور وہ اُس ذہنی مقام تک پہنچ گیا جہاں وہ خود چاہنے

لگا کہ شیخ الجبل اسے حکم دے کہ اپنا پیٹ چاک کر دو تو وہ اُسے اپنا پیٹ چاک کر کے دکھا دے۔ پھر بھی پیار کی تشنگی پوری طرح ختم نہ ہوئی۔ حسن بن صباح کی جنّت میں ایک سے ایک حسین اور نوجوان لڑکی تھی لیکن وہ سب خوبصورت اور پُرکشش جسم تھے۔ ان کے اندر جیسے دل تھا ہی نہیں اور روح بھی نہیں تھی۔

آخر ایک روز اُسے شیخ الجبل امام حسن بن صباح نے بلایا اور کہا کہ تم وسم کوہ جاؤ گے اور وہاں سپہ سالار اوریزی کو قتل کرنا ہے اور پھر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا بلکہ وہیں اپنے آپ کو اسی خنجر سے ہلاک کر لینا۔

وہ یہاں آیا۔ یہ بڑھئی اُس کا چچا بالکل نہیں لگتا بلکہ یہ اسی کام کے لئے یہاں موجود ہے کہ کوئی فدائی آئے تو اُسے پناہ دی جائے اور یہاں کی خبریں الموت بھیجی جائیں۔ اس نے سبزیوں کے باغ کے مالک کا نام بھی لیا اور کہا کہ وہ بھی حسن بن صباح کا آدمی ہے۔ عبید نے بتایا کہ وہ ابھی دیکھ رہا تھا کہ سالار اوریزی کو کس طرح اور کہاں قتل کیا جا سکتا ہے کہ اتنے میں اسے شافیہ مل گئی اور شافیہ سے اُسے وہ پیار مل گیا جس کے لئے وہ مرا جا رہا تھا۔

بڑھئی اور سبزیوں والے کے پاس حشیش ختم ہو گئی۔ انہوں نے عبید کو دوسرے نشے پلائے لیکن وہ حشیش ہی طلب کرتا تھا۔ حشیش آئی اور پکڑی گئی۔ اس سے جو حالت اس کی ہوئی وہ پہلے سنائی جا چکی ہے۔ اُس نے حیرت کا اظہار کیا کہ حشیش کے نشے سے وہ اس حد تک ٹوٹ گیا تھا کہ اُس نے اپنا سر پھوڑ لیا تھا لیکن اُس نے قید خانے میں شافیہ کو دیکھا تو نشے سے ٹوٹنے کے اثرات کم ہو گئے۔ دراصل پیار کی پیاس کے اثرات زیادہ زہریلے تھے۔ شافیہ نے والہانہ محبت کا مظاہرہ یہ کیا کہ اُسے قید خانے سے نکلوا لیا اور اس کمرے میں لے آئی۔ مختصر یہ کہ حشیش پر شافیہ کی والہانہ محبت غالب آ گئی اور عبید نے اپنا یہ راز اُگل کر یوں سکون محسوس کیا جیسے اُس کے وجود میں زہر بھرا ہوا تھا اور یہ زہر نکل گیا ہو۔

"میں اس گناہ کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں شافیہ!" — عبید عربی نے کہا — "سپہ سالار اوریزی کو یہ ساری بات سنا دو اور اُسے کہو کہ مجھے جو سزا دینا چاہے وہ میں ہنسی خوشی قبول کر لوں گا"۔

سالار اوریزی نے اُسے کوئی سزا نہ دی۔ بڑھئی اور سبزیوں کے باغ کے مالک کو سزا

Scanned by iqbalmt

عام سزائے موت دی گئی۔ ان کی لاشیں اور سر شہر سے دور جنگل میں پھینک دیئے گئے۔

○

حق و باطل کا تصادم اُسی روز شروع ہو گیا تھا جس روز غارِ حرا سے نُورِ حق کی کرنیں پھوٹی تھیں۔ حق و باطل کے لشکروں نے میدانوں اور صحراؤں میں خونریز لڑائیاں لڑیں، دشت و جبل میں برسرِپیکار ہوئے، پہاڑوں، دریاؤں اور سمندروں میں ان کے معرکے ہوئے اور ہوتے ہی چلے آ رہے تھے۔ دونوں فریقوں کی فوج کے خون سے صحراؤں کی ریت اور سمندروں کا پانی لال ہو گیا۔ مطلب یہ کہ حق و باطل جب بھی باہم متصادم ہوئے، دُوبدُو معرکہ آرا ہوئے لیکن حسن بن صباح اٹھا تو اس نے حق کے خلاف ایک ایسی جنگ شروع کر دی جس کا حق پرستوں کے ہاں کوئی تصوّر ہی نہ تھا۔ یہ ایک زمین دوز جنگ تھی۔ یہ ساری داستان جو اب تک داستان گو سنا چکا ہے، ایسی ہی الومکی جنگ کی داستان ہے۔ یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اہلِ سنّت حق پرستوں نے پہلے پہل اسی لئے بہت نقصان اٹھایا کہ وہ اس طریقۂ جنگ سے واقف نہ تھے۔ وہ تو مردانِ حُر تھے جو میدان میں اُتر کر لڑا کرتے تھے۔ یہ سنایا جا چکا ہے کہ کتنی ہی اہم شخصیات باطنیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئیں لیکن اب مسلمان اس طریقۂ جنگ کو سمجھ گئے اور اُنہوں نے باطنیوں کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔ شاہ در کی فتح تاریخ اسلام کا ایک سنگِ میل ثابت ہوئی۔ یہ بھی سنایا جا چکا ہے کہ حسن بن صباح کے پیر و مرشد عبدالملک بن عطاش کا قتل بھی ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ حسن بن صباح کو کہیں سے بھی اپنے فرقے کے نقصان کی کوئی خبر ملتی تھی تو وہ مسکرا دیا کرتا تھا جیسے اُسے اس کی کوئی پرواہ نہ ہو۔ اُس کے قلعے لے لئے گئے تو بھی اُس نے ہنس کر ٹال دیا مگر اب اس پر سنجیدگی طاری ہو گئی تھی۔

حسن بن صباح کا پیر و مرشد تو مارا ہی گیا تھا اور حسن بن صباح نے یہ انتہائی کڑوا گھونٹ بھی نگل لیا تھا لیکن عبدالملک اس کے سامنے ایک اور مسئلہ رکھ گیا تھا۔ وہ یہ کہ اس نے قلعہ ناظرِ وطبس میں حسن بن صباح سے ملاقات کے دوران کہا تھا کہ اُس نے شاہ در سے کچھ دُور اچھا خاصا خزانہ چھپا کر رکھا ہُوا ہے جسے وہ بوقتِ ضرور استعمال کرے گا۔ اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے علاوہ صرف دو آدمی ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ خزانہ کہاں ہے۔

عبدالملک نے یہ بات یوں کی تھی جیسے اُسے یقین تھا کہ اُس نے تو مرنا ہے ہی نہیں۔ وہ یہ خزانہ پیچھے چھوڑ کر دنیا سے اُٹھ گیا یا اٹھا دیا گیا۔ اُس نے حسن بن صباح کو یہ تو بتایا ہی نہیں تھا کہ خزانہ کہاں ہے۔ یہی بتایا تھا کہ دو آدمی جانتے ہیں لیکن اُس نے ان دو آدمیوں کے نام نہیں بتائے تھے نہ یہ بتایا کہ وہ کہاں ہیں۔ حسن بن صباح کو تو خزانے کی ضرورت ہر وقت رہتی تھی۔ ضرورت نہ بھی ہوتی تو بھی اُس کی فطرت خزانوں کی متلاشی رہتی تھی۔ وہ اب اس سوچ میں گم رہنے لگا کہ اپنے پیر و مرشد کا یہ خزانہ کس طرح ڈھونڈے اور وہ جانتا تھا کہ جب تک ان دو آدمیوں کا اتا پتہ نہ ملے، خزانہ نہیں مل سکے گا۔

عبدالملک حسن بن صباح کے آگے ایک اور مسئلہ رکھ گیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ ہم لوگ چوری چھپے قتل کرانا جانتے ہیں اور ہمارے پاس ایسے فدائی موجود ہیں جو قتل کر کے خُود کُشی کر لیتے ہیں لیکن ایسے قاتل فوجوں کی یلغار کو نہیں روک سکتے نہ ہی وہ محاصرے کو توڑ سکتے ہیں۔ اس کے لئے باقاعدہ فوج کی ضرورت ہے اور اس فوج کو محاصرہ توڑنے کی اور محاصرہ کرنے کی اور میدان میں لڑنے کی تربیت دی جائے۔ اُس نے حسن بن صباح سے یہ بھی کہا تھا کہ جن سلجوقیوں نے شاہ در لے لیا ہے وہ اب سیدھے اَلَمُوت پر آئیں گے اور کوئی بعید نہیں کہ وہ اَلَمُوت کو بھی فتح کر لیں.... حسن بن صباح نے اس تجویز پر سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اُس نے اپنے مشیروں کو بتا دیا تھا کہ وہ ایک لشکر تیار کر لیں اور پھر اس کی تربیت کا بندوبست کیا جائے گا۔

○

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفّار کو شکست دینے کے لئے ابابیلیں بھیج دی تھیں جن کی چونچوں میں کنکریاں تھیں، اسی طرح حسن بن صباح کے فرقے کے خاتمے کے لئے خداوند تعالیٰ نے کنکریوں والی ابابیلوں کا ہی بندوبست کر دیا۔ یہ اللہ کی مدد تھی اور اللہ حق پرستوں کو کچھ عرصہ آزمائش میں ڈال کر ان کی مدد کا بندوبست کر ہی دیا کرتا ہے ورنہ شافعیہ جیسی حسین و جمیل اور معصیت زدہ لڑکی ایسے باطنیوں کی ہلاکت کا باعث نہ بنتی جو سالار اوریزی کو قتل کرنے آئے تھے اور دمشق میں رہ کر نہ جانے اور کتنی اور کیسی تباہی لاتے۔ ایسا دو سرا کردار جو تاریخ کے اس باب میں اُبھرا وہ نُور تھی اور اس کے ساتھ اس کا باپ تھا۔

Scanned by iqbalmt

شافعیہ کی طرح نُور بھی حسین و جمیل اور جواں سال لڑکی تھی۔ اُس کی داستان سنائی جا چکی ہے۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ شاہ در کی فتح کا باعث اس کا باپ بنا تھا اور وہ خود بھی۔ اب وہ مَرو میں سلطان کے محل میں تھی۔ سلطان محمد نے اُسے اور اُس کے باپ کو خاصا انعام و اکرام دیا تھا اور دونوں کو محل میں رہنے کے لئے جگہ دے دی تھی۔

نُور اب آزاد تھی۔ حسین بھی تھی' جوان بھی تھی۔ اُسے اب زندگی سے لطف اٹھانا چاہئے تھا' اور یہ اُس کا حق بھی تھا۔ اُس پر جو گزری تھی' وہ بڑا ہی دردناک حادثہ تھا۔ اُسے ایک بوڑھے نے زبردستی اپنی بیوی بنا لیا تھا لیکن اُس کی حیثیت ایک زر خرید لونڈی کی سی تھی۔ وہ تو جہنم سے نکل کر جنّت میں آئی تھی۔ اب اُس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ اپنی پسند کا کوئی آدمی دیکھ کر اس کے ساتھ شادی کر سکتی تھی۔ ایک سے بڑھ کر ایک امیر زادہ اُس کی راہ میں آنکھیں بچھانے کو بے تاب تھا لیکن اس کی اپنی بے تابیاں کچھ اور ہی نوعیت کی تھیں۔ اُس کے اندر انتقام کی آگ جل رہی تھی۔ بعض اوقات بیٹھے بیٹھے وہ کسی سوچ میں کھو جاتی اور اچانک پھٹ پڑتی اور باپ سے کہتی کہ وہ کچھ کرنا چاہتی ہے۔ وہ اس پر مطمئن نہیں تھی کہ اس کا خاوند سزائے موت پا گیا ہے اور عبدالملک بن عطاش بھی جہنم واصل ہو چکا ہے اور ان کا انتہائی مضبوط اڈہ جسے شاہ در کہتے تھے' حق پرستوں کے قبضے میں آ گیا ہے۔ انتقام کا جذبہ اُسے بے حال کئے جا رہا تھا۔

باپ اُسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ اب اُس کی شادی کسی موزوں آدمی کے ساتھ ہو جائے اور وہ اپنے اس فرض سے سبکدوش ہو کر باقی عمر اللہ اللہ کرتے گزارے۔ نُور کہتی تھی کہ شادی تو اسے کرنی ہی ہے لیکن وہ باطنیوں کے خلاف کچھ کئے بغیر کسی کی بیوی بننا پسند نہیں کرتی۔

ایسی ہی باتیں کرتے کرتے ایک روز نُور نے باپ سے کہا کہ وہ شاہ در جا کر آباد ہو جائیں تو شاید اسے چین آ جائے۔ اُس کا یہ خیال اچھا تھا۔ جس شاہ در میں وہ زر خرید بیوی یا لونڈی تھی' اس شاہ در میں جا کر وہ آزادی سے گھومنا پھرنا چاہتی تھی۔ اس کے باپ نے اپنی کوئی رائے ضرور دی ہو گی لیکن نُور فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ باپ کو ساتھ لے کر شاہ در چلی جائے گی اور باقی عمر وہیں گذارے گی.... ایک روز اُس نے اپنے باپ کو مجبور کر دیا کہ وہ سلطان کے پاس جائے اور اُسے کہے کہ وہ انہیں شاہ در بھجوانے کا بندوبست کر دے اور وہاں ان کا کوئی ذریعۂ معاش بھی ہو جائے تو وہ باقی عمر وہیں گذاریں

گے۔

اُس کا باپ سلطان محمد کے پاس گیا اور عرض کی کہ وہ اسی طرح سلطان کے محل میں سرکاری ٹکڑوں پر زندہ نہیں رہنا چاہتے کیونکہ یہ ان کے وقار کے خلاف ہے۔ باپ نے کہا کہ وہ کوئی ایسا بوڑھا تو نہیں ہو گیا کہ اپنے ہاتھوں کچھ کما نہ سکے' وہ شاہ در کو ہی موزوں سمجھتا ہے جہاں وہ اپنی روزی خود کمائے گا۔

سُلطان محمد نے اُسی وقت حکم دے دیا کہ نُور اور اُس کے باپ کو شاہ در پہنچا دیا جائے اور سنجر کو یہ پیغام دیا جائے کہ اس باپ بیٹی کو اتنی زمین دے دی جائے جو انہیں باعزت روٹی بھی دے اور معاشرے میں پُروقار مقام بھی بن جائے.... اس طرح کچھ دنوں بعد نُور اور اُس کا باپ شاہ در پہنچ گئے۔ انہیں سرکاری انتظامات کے تحت گھوڑا گاڑی میں وہاں تک پہنچایا گیا تھا۔ سنجر کو سلطان کا حکم دیا گیا کہ انہیں زمین اور مکان فوراً" دے دیا جائے۔ سنجر تو ان پر بہت ہی خوش تھا۔ نُور کے باپ نے جو کارنامہ کر دکھایا تھا' اس کی قیمت تو دی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ سنجر نے انہیں ایک تو بڑا ہی اچھا مکان دے دیا اور قلعے کے باہر اچھی خاصی زرخیز زمین بھی دے دی۔ کچھ مالی امداد بھی دی تاکہ یہ اپنی زمین کی کاشت شروع کر سکیں۔

باپ بیٹی اس مکان میں آباد ہو گئے اور پھر باپ نے ایسے نوکروں کا انتظام کر لیا جن کا پیشہ کاشتکاری تھا۔

○

نُور اُس محل میں گئی جہاں عبدالملک اور اُس کا بھائی احمد شہنشاہوں کی طرح رہتے تھے۔ وہ جب اس محل میں داخل ہوئی تو اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ یوں محسوس کرنے لگی جیسے اُس کا خاوند یہیں ہے اور جوں ہی وہ اندر داخل ہوئی' خاوند اُسے دبوچ لے گا لیکن جب وہ اس محل میں داخل ہوئی تو سنجر کی دونوں بیویوں نے اس کا استقبال بڑے ہی پیار اور خلوص کے ساتھ کیا۔ وہ جانتی تھیں کہ اس لڑکی اور اس کے باپ نے شاہ در کی فتح میں کیا کردار ادا کیا ہے۔ نُور نے وہ کمرہ دیکھا جس میں وہ اپنے بوڑھے خاوند کے ساتھ راتیں بسر کرتی تھی۔ اب اس کمرے میں کوئی پلنگ نہیں تھا نہ اُس وقت کی کوئی چیز موجود تھی۔ وہاں سنجر کے تین بچے اتالیق سے دینی تعلیم لے رہے تھے.... نُور کو روحانی تسکین ہوئی۔ اُس کی ذات میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی تھی' وہ کچھ سرد ہو گئی۔

Scanned by iqbalmt

اُس کا باپ علی الصبح اپنی زمین پر چلا جاتا اور نوکروں سے کام کروایا کرتا تھا۔ انہیں کچھ کھیتیاں تو ایسی مل گئی تھیں جن میں فصل پک رہی تھی۔ نُور اپنے لئے اور باپ کے لئے کھانا تیار کر کے وہیں کھیتوں میں لے جایا کرتی تھی۔ باپ اُسے کہتا تھا کہ کھانا نوکر لے آیا کرے گا لیکن نُور آزاد گھومنا پھرنا چاہتی تھی اور اُسے یہ کھیت جو قلعے کے باہر تھے، بڑے ہی اچھے لگتے تھے۔ یہ اُس کی نئی زندگی کا آغاز تھا۔

ایک روز دوپہر کے وقت باپ کے ساتھ کھانا کھا کر نُور کھیتوں کی طرف نکل گئی۔ فصل کی ہریالی سمندر کی لہروں جیسی لگتی تھی۔ ہوا کے جھونکوں سے لہلہاتے کھیت اُس پر کچھ اور ہی کیفیت طاری کرنے لگے۔ وہ دو کھیتوں کے درمیان آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی کہ سامنے اسے ایک جوان سال آدمی آتا نظر آیا۔ اس شخص کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر لگتی تھی۔ بڑا ہی خوبرُو جوان تھا۔ دُور سے ہی نُور کو اُس کا چہرہ شناسا اور مانوس لگا۔ وہ آدمی بھی نُور کو دیکھ کر کچھ ٹھٹک سا گیا اور پھر اُس نے اپنے قدم تیز کر لئے۔ اُسے بھی نُور کا چہرہ ایسا لگا جیسے یہ چہرہ اُس نے کئی بار دیکھا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب آ گئے اور پھر دونوں کے قدم تیز ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے رک گئے۔

"اللہ کرے وہ خبر غلط ہو جو میں نے سنی ہے" — بس آدمی نے کہا — "سنا تھا آپ بیوہ ہو گئی ہیں اور عبدالملک بن عطاش بھی قتل کر دیا گیا ہے اور...."

"تم نے جو سنا ہے وہ ٹھیک سنا ہے" — نُور نے مسکرا کر کہا — "اب یہ نہ کہنا کہ تمہیں یہ خبر سن کر دلی رنج ہوا ہے۔ مجھے ذرا سا بھی رنج اور ملال نہیں ہوا اور میں اب آزاد اور خوش ہوں.... مجھے تمہارا نام یاد ہے۔ حاذق ہے نا تمہارا نام؟.... اب مجھے آپ نہ کہنا۔ میں تم سے تین چار برس چھوٹی ہوں اور مجھے تم کہو تو زیادہ اچھا لگے گا"۔

اس آدمی کا نام حاذق ہی تھا۔ وہ شاہ در کا ہی رہنے والا تھا۔ نُور کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ شخص کیا کام کرتا ہے۔ وہ اتنا ہی جانتی تھی کہ شاہ در کے محاصرے سے پہلے اونچی حیثیت کا آدمی تھا۔ تیسرے چوتھے روز عبدالملک سے ملنے آیا کرتا تھا۔ نُور کے خاوند احمد سے بھی بڑے پیار اور دوستانہ انداز سے ملا کرتا تھا اور خاصا وقت ان کے پاس اندرونی ایک کمرے میں بیٹھا رہتا تھا۔ اس محل میں حاذق کو خصوصی احترام حاصل تھا۔ کبھی نور سے اس کا آمنا سامنا ہو جاتا تو نُور کو وہ مسکرا کر اور بڑے ادب و احترام سے سلام کیا کرتا

تھا۔

نُور کو یہ شخص دلی طور پر اچھا لگتا تھا لیکن اس کے ساتھ اُسے بات کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا تھا۔ صرف مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوتا تھا۔ اونچی حیثیت کا ہونے کے علاوہ یہ شخص خوبرو تھا۔ دراز قد تھا اور قد و کاٹھ میں اتنی جاذبیت تھی کہ عورتیں اُسے رک کر دیکھتی تھیں۔ تب نُور کے دل میں ایک خواہش سر اٹھانے لگی کہ اس شخص کو کسی دن روک لے اور اپنے کمرے میں بٹھائے اور اس کے ساتھ باتیں کرے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ حاذق اسے بہت ہی اچھا لگتا تھا۔ یہ دراصل اُس کا نفسیاتی اور جذباتی معاملہ تھا۔ وہ حاذق کو اپنے بوڑھے خاوند کے مقابلے میں دیکھتی تھی۔ باہر کا کوئی اور آدمی تو اس محل میں جا ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ واحد آدمی تھا جو وہاں جاتا تھا اور اسے محل میں خصوصی پوزیشن حاصل تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ نُور کے دل میں اپنے خاوند کے خلاف انتقامی جذبہ بھی پرورش پا رہا تھا۔ نُور حاذق کو دیکھ کر مسکرا اٹھتی تھی۔ اس مسکراہٹ میں صحرا میں بھٹکتے ہوئے مسافر کی پیاس تھی اور اس مسکراہٹ میں پنجرے میں بند پنچھی کی تڑپ تھی۔ اُس کی اس بے ساختہ مسکراہٹ میں بیڑیوں میں جکڑی ہوئی لونڈی کی آہیں اور فریادیں تھیں۔ نُور پر پابندیاں ایسی لگی ہوئی تھیں کہ وہ حاذق کو روک نہیں سکتی تھی لیکن اُس کی مسکراہٹوں کو تو بیڑیاں نہیں ڈالی جا سکتی تھیں۔ حاذق اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تو اُس کا دل ڈوبنے لگتا تھا۔

○

اب وہ حاذق اس کے سامنے کھیتوں میں کھڑا تھا۔ نُور نے پہلے تو کچھ یوں محسوس کیا جیسے وہ حاذق کو خواب میں دیکھ رہی ہو یا یہ اُس کا تصور ہو لیکن جب باتیں ہوئیں تو حاذق اُس کے سامنے حقیقی روپ میں آ گیا.... اب نُور آزاد تھی۔ شاید اسی لئے وہ پہلے سے زیادہ حسین لگتی تھی۔ اس کے چہرے پر اداسی اور مظلومیت کے تاثرات نہیں تھے جو اس کے چہرے پر چپک کے رہ گئے تھے۔ اس کی بیڑیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ شاہ در کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔ عبدالملک کا محل تو وہیں تھا لیکن اب اس میں وہ نحوست اور ابلیسیت نہیں تھی۔ اب نُور کے اور حاذق کے درمیان کچھ بھی، کوئی بھی انسان حائل نہیں ہو سکتا تھا۔

"میرا خیال تھا تم یہاں نہیں ہو گے" — نُور نے حاذق سے کہا اور بے اختیار اُس

Scanned by iqbalmt

کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"مجھے جانا ہی کہاں تھا!" — حاذق نے نُور کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا — "یہ لوگ، حسن بن صباح کے فرقے کے تھے اور میں اہلِ سنّت ہوں اور پکا مومن ہوں۔ میں نے تو اللہ کا شکر ادا کیا ہے کہ ان کا تختہ اُلٹ گیا ہے اور اسلام ایک بار پھر شاہ در میں داخل ہو گیا ہے۔

"کیا تم شہر میں رہتے ہو؟" — نُور نے پوچھا۔

"نہیں!" — حاذق نے ایک گاؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا — "میں اُس گاؤں میں رہتا ہوں،... اکیلا ہی رہتا ہوں"۔

"اکیلا کیوں؟" — نور نے پوچھا۔

"بیوی دھوکہ دے گئی ہے" — حاذق نے جواب دیا — "اُلمُوت بھاگ گئی ہے۔ وہ باطنیوں کے جال میں آگئی تھی۔ یہ مجھے بعد میں پتہ چلا۔ مجھے اس کا کوئی غم نہیں۔ وہ ایک ابلیس کی مرید تھی، اچھا ہوا اُسی کے پاس چلی گئی ہے اور میں دھوکے اور فریب سے محفوظ ہو گیا ہوں"۔

نُور نے حاذق کو بتایا کہ یہ اتنی زیادہ زمین اور کھیتیاں اُسے اور اُس کے باپ کو سلطان نے عطا کی ہیں اور شہر میں بڑا ہی اچھا اور کشادہ مکان بھی دیا ہے۔ حاذق نے اسے بتایا کہ اس نے آگے گاؤں کے اردگرد تمام کھیتیاں اس کی ہیں اور ان کھیتوں نے اُسے اچھی خاصی دولت دی ہے اور شہر میں عزّت بھی دی ہے۔

"آؤ میں تمہیں اپنے باپ سے ملواؤں" — نُور نے کہا اور حاذق کا بازو پکڑ کر اُس طرف چل پڑی جہاں اُس کا باپ کام کروا رہا تھا۔

نُور کے باپ نے دیکھا کہ اُس کی بیٹی ایک آدمی کو اپنے ساتھ لا رہی ہے تو وہ اُس کی طرف چل پڑا۔ ذرا قریب گیا تو اس کے قدم رکنے لگے کیونکہ وہ حاذق کو پہچانتا ہی نہیں بلکہ جانتا بھی تھا۔ نُور کا باپ عبدالملک کا قابلِ اعتماد خادم بنا ہُوا تھا۔ کئی بار حاذق عبدالملک کے پاس نُور کے باپ کی موجودگی میں آیا اور ان کی باتیں نُور کے باپ نے بھی سنیں۔ اس کی نگاہ میں حاذق باطنی تھا اور عبدالملک کا بڑا ہی پکا اور برخوردار مرید تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ حاذق حسن بن صباح کے فرقے کا خاص آدمی تھا۔

حاذق نے آگے بڑھ کر نُور کے باپ سے مصافحہ کیا اور پھر اُس کے ساتھ بغلگیر ہو گیا

لیکن جس وارفتگی کا مظاہرہ اُس نے کیا تھا اتنی ہی سرد مہری کا مظاہرہ نُور کے باپ نے کیا۔

"میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں کہ تم باطنی نہیں ہو؟" — نُور کے باپ نے پوچھا۔

"کیا یہ بھی کوئی پیچیدہ مسئلہ ہے؟" — حاذق نے جاں فزا مسکراہٹ سے جواب دیا — "میرا یہاں موجود ہونا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ میں پکا مسلمان ہوں اور ان باطنیوں کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نُور کو بتا چکا ہوں کہ میری بیوی باطنی تھی اور وہ مجھے دھوکہ دے کر اُلمُوت بھاگ گئی ہے۔ میں پہلے جان ہی نہ سکا کہ وہ ان شیطانوں کے چنگل میں آئی ہوئی ہے۔ آپ نے مجھ پر بجا طور پر شک کیا ہے۔ عبدالملک اور اس کے بھائی اور بیٹے کو میں نے اپنا دوست بنا رکھا تھا۔ یہ محض ایک فریب تھا۔ وہ دیکھیں میری کھیتیاں۔ کتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر میں ان لوگوں کے ساتھ بگاڑ کر رکھتا تو وہ مجھے قتل کر کے میری اتنی وسیع و عریض جائیداد پر قبضہ کر لیتے۔ میں اپنی اس جائیداد کو اور اپنی حیثیت کو بچانے کی خاطر ان کے سامنے باطنی بنا رہا اور گھر میں باقاعدہ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کرتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ میں سر اونچا کر کے اور سینہ تان کر اس شہر میں گھومتا پھرتا ہوں۔ اگر میں باطنی ہوتا تو میں پہلی صف کا باطنی ہوتا۔ میری کارروائیاں بڑی ہی تباہ کن ہوتیں لیکن یہاں مجھے جاننے والے جو لوگ ہیں ان سے پوچھو، وہ تمہیں بتائیں گے کہ میں نے کوئی ایسی حرکت یا کوئی ایسی بات کی ہو۔ عبدالملک بڑا استاد بنا پھرتا تھا لیکن میں اُسے بے وقوف بناتا رہا اور اُسے اپنی مٹھی میں بند رکھا۔ اس کے قتل کی خوشی جتنی مجھے ہوئی ہے وہ شاید کسی اور کو نہیں ہو گی۔ اللہ نے اس خاندان پر قہر نازل کیا اور پورا خاندان ہی ختم ہو گیا ہے"۔

حاذق نے اور بھی بہت سی باتیں کہہ سن کر ثابت کر دیا کہ وہ حسن بن صباح کا پیروکار نہیں بلکہ مردِ مومن ہے اور اب اسلام کے فروغ اور اس عظیم دین کی بقا کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے۔ وہ جب وہاں سے رخصت ہُوا تو نُور بڑی بے تابی سے کچھ دور تک اس کے ساتھ گئی اور چلتے چلتے اُس سے پوچھا کہ وہ اُسے کب اور کہاں ملے گا۔

حاذق نے اُسے بتایا کہ کل وہ شہر میں جو باغ ہے، اُسے وہاں ملے گا۔ اُس نے وقت بھی بتا دیا اور باغ کا ایک خاص گوشہ بھی۔ شہر کے اندر یہ بڑا ہی خوبصورت باغ تھا جہاں اچھی حیثیت کے لوگ سیر سپاٹے کے لئے جایا کرتے تھے۔

Scanned by iqbalmt

○

حلاق چلا گیا اور نور نے یوں محسوس کیا جیسے اُس کا چین اور سکون حلاق کے ساتھ ہی چلا گیا ہو۔ اُس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا ورنہ اُس کے قدم حلاق کے پیچھے ہی اُٹھ چلے تھے۔ وہ وہیں کھڑی حلاق کو جاتا دیکھتی رہی۔ اگر باپ اُسے آواز نہ دیتا تو وہ حلاق کو دیکھتی ہی رہتی۔

نور اپنے باپ کے پاس پہنچی تو باپ سے یہ نہ پوچھا کہ اُس نے کیوں بلایا ہے بلکہ اس کے ساتھ حلاق کی ہی بات چھیڑ دی۔ وہ باپ سے منوانا چاہتی تھی کہ حلاق باطنی نہیں اور یہ پکا مسلمان ہے۔ نور کے باپ کو مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ پہلے ہی نہ صرف یہ کہ قائل ہو چکا تھا بلکہ وہ حلاق کا گرویدہ بن گیا تھا۔ یہ حلاق کی زبان کا جادو تھا جو باپ بیٹی پر اثر کر گیا تھا۔ اُس کے بولنے کا انداز بڑا ہی پیار اور اثر انگیز تھا۔

"اتنی بڑی حیثیت کا آدمی اکیلا رہتا ہے" — نور نے کہا — "اس کی زمینیں دیکھو کتنی دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں"۔

"میں تمہاری بات سمجھتا ہوں نورا" — نور کے باپ نے کہا — "میں جانتا ہوں تم نے کیا سوچ کر یہ بات کہی ہے لیکن کسی سے متاثر ہو کر فوراً ہی اپنی آئندہ زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کر لینا اچھا نہیں ہوتا۔ میں تمہارے متعلق ہی سوچتا رہتا ہوں۔ یہ اب مجھے سوچنے دو کہ تمہارے لئے حلاق کا انتخاب کروں یا اور انتظار کر لوں"۔

نور تو اپنی زندگی کا فیصلہ کر چکی تھی لیکن ابھی اس نے باپ کے ساتھ کھل کر بات نہ کی۔

○

وسم کوہ میں سالار اوریزی نے یہ جو تجربہ کیا تھا کہ حشیش کا داخلہ شہر میں بند کر دیا جائے اور تاجروں کا سامان کھول کر دیکھا جائے' پوری طرح کامیاب رہا تھا۔ اس کی کامیابی کا ایک واقعہ سنایا جا چکا ہے۔ اُس نے دوسرا تجربہ یہ کیا تھا کہ کوئی شخص اُس کے قریب نہ آئے۔ اگر کسی کا اس کے قریب آنا بہت ہی ضروری ہوتا تو اس شخص کی پوری طرح جامہ تلاشی لی جاتی تھی۔ سالار اوریزی نے سنجر کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی شاہ در میں یہی طریقے اختیار کرے۔ شاہ در ایک بڑا شہر تھا اور بڑی منڈی بھی تھی اور یہاں سے اناج دوسرے مقامات کو جاتا تھا۔ سالار اوریزی نے سنجر کو تفصیلی پیغام بھیجا کہ وہ تاجروں کا

سارا سامان کھلوا کر دیکھا کرے اور ایسا انتظام کرے کہ شہر کے اندر جو سامان لایا جائے' خواہ وہ چھوٹی سی پوٹلی کیوں نہ ہو' کھول کر دیکھی جائے۔

سالار اوریزی نے دوسرا طریقہ یہ پیغام میں شامل کیا کہ سنجر کسی بھی آدمی کو' خواہ وہ غریب ہو یا امیر' اپنے قریب نہ آنے دے اور کسی کا آنا ضروری ہی ہو تو اُس کی جامہ تلاشی لی جائے۔

جس وقت سالار اوریزی کا قاصد سنجر کے پاس بیٹھا یہ پیغام دے رہا تھا' اُس وقت نور شہر کے سب سے بڑے اور بڑے ہی خوبصورت باغ میں حلاق کے پاس ایک ایسے گوشے میں بیٹھی تھی جہاں انہیں ٹھنڈی ہواؤں کے سوا کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نور بالکل اُسی طرح حلاق میں جذب ہو گئی تھی جس طرح شافعہ نے اپنے آپ کو عبید عربی کی ذات میں تحلیل کر لیا تھا۔ یہ صرف محبت نہیں بلکہ عشق کی دیوانگی تھی۔ نور پر تو اُس صحرا نورد کی کیفیت طاری تھی جو بھٹک بھٹک کر' پیاس سے مرتا مرتا اور اپنے آپ کو گھسیٹتا ایک نخلستان میں پہنچ گیا ہو اور اُس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ باقی عمر اسی نخلستان میں گذار دے گا۔ وہاں ٹھنڈا پانی تھا اور گھنے پیڑوں کی ٹھنڈی چھاؤں تھی۔

اس کے بعد نور کی زندگی ایک بڑے ہی حسین خواب کی طرح گزرنے لگی۔ نور نے حلاق کو بتا دیا تھا کہ اُس کا باپ علی الصبح نکل جاتا ہے اور وہ گھر میں دوپہر تک اکیلی ہوتی ہے۔ حلاق نے نور کو اپنے ایک دوست کا گھر بتا دیا تھا جو اکیلا رہتا تھا۔ پھر ملاقاتوں کا یہ سلسلہ شروع ہو گیا کہ حلاق کبھی نور کے گھر آ جاتا اور کبھی نور حلاق کے دوست کے گھر میں چلی جاتی اور وہ بہت دیر اس طرح بیٹھے رہتے جیسے ان کے جسم ایک ہو گئے ہوں۔ حلاق نے نور کو تو جیسے ہپناٹائز کر لیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ نور ہپناٹائز ہونا چاہتی تھی۔ اُس پر خود سپردگی کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

اس کے ساتھ ہی حلاق تقریباً" ہر روز نور کے باپ سے ملتا تھا اور اُس کی زمینوں میں عملی دلچسپی لیتا تھا۔ وہ اس طرح کہ اس نے نور کے باپ کے نوکروں کے ساتھ اپنے مزارعے بھی لگا دیئے۔ نور کا باپ کاشتکاری سے واقف نہیں تھا۔ حلاق نے اس کا یہ کام آسان کر دیا۔ نور کے باپ نے دو تین مرتبہ حلاق کو شام کے کھانے پر اپنے گھر مدعو کیا۔ یہ باپ اپنی بیٹی کی جذباتی حالت بھی دیکھ رہا تھا اور حلاق کی نیت کو اور خلوص کو بھی دیکھ رہا تھا جس میں اسے کوئی شک و شبے والی بات نظر نہیں آتی تھی۔

Scanned by iqbalmt

ایک روز حاذق نے نُور کے باپ سے نُور کو مانگ ہی لیا۔ نُور کا باپ تو اسی کا منتظر تھا۔ حاذق کے منہ سے بات نکلی ہی تھی کہ نور کے باپ نے بصد خوشی ہاں کر دی۔

اب شادی کا دن مقرر کرنا تھا۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا' کسی دن بھی یہ بات طے ہو سکتی تھی.... شام گہری ہوئی ہی تھی کہ حاذق کے گھر ایک گھوڑ سوار بڑے لمبے سفر سے آیا۔ حاذق اُٹھ کر اور بازو پھیلا کر اُس سے بغلگیر ہو کر ملا۔ یہ سوار اُلمُوت سے آیا تھا اور حسن بن صباح کا ایک پیغام لایا تھا۔ حاذق نے اپنے نوکر سے کہا کہ وہ ٹھنڈا مشروب لائے لیکن سوار نے کہا کہ پہلے وہ پیغام سن لے' کھانا پینا بعد کی بات ہے۔

"حاذق بھائی!" — سوار نے کہا — "یہ تو تم جانتے ہو کہ شیخ الجبل کے پیر استاد عبدالملک بن عطاش قتل ہو چکے ہیں.... یہ جو انقلاب آیا ہے' اس سے تم واقف ہو۔ اس کے متعلق بات کرنا بیکار ہے۔ شیخ الجبل امام حسن بن صباح کو ایک اور غم کھا رہا ہے۔ اُس کے پیر و مُرشد نے اُسے بتایا تھا کہ شاہ در کے قریب اُنہوں نے ایک خزانہ چھپایا تھا۔ وہ جگہ کسی کو معلوم نہیں۔ امام نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ شاہ در میں دو آدمی ہیں جو اس خزانے سے واقف ہیں۔ خزانہ ایسی چیز ہے کہ بھائی اپنے بھائی کا گلا کاٹ دیتا ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ وہ دو آدمی خزانے پر ہاتھ صاف کر جائیں گے۔ امام نے تمہارے لئے پیغام بھیجا ہے کہ پہلے ان دو آدمیوں کا سراغ لگاؤ۔ یہاں کے معاملات تمہارے ہاتھ میں ہیں۔ اپنے تمام آدمیوں کو تم جانتے ہو۔ شیخ الجبل امام حسن بن صباح کو یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ جب ہمارے لوگ شاہ در سے بھاگے تھے تو وہ دو آدمی بھی بھاگ گئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس خزانے کو ذہن سے اتار دینا چاہئے"۔

"عمار بھائی!" — حاذق نے حسن بن صباح کے اس قاصد سے کہا — "تم شاید نہیں جانتے کہ میں امام حسن بن صباح کا کس قدر شیدائی اور گرویدہ ہوں۔ یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں اس کی عظیم ذات کو دھوکہ دوں گا۔ خزانے سے جو دو آدمی واقف ہیں' ان میں ایک تو میں ہوں اور دوسرا شاہ در کے اندر رہتا ہے۔ وہ بھی دھوکہ دینے والا آدمی نہیں۔ ہم دونوں یہاں اسی لئے ٹھہرے ہوئے ہیں کہ امام کا حکم آئے اور ہم یہ خزانہ نکال کر اُس کے قدموں میں رکھ دیں۔ اگر کچھ دن اور امام کا حکم نہ آتا تو میں خود اُلمُوت پہنچ جاتا اور امام کو اس خزانے کے متعلق بتا دیتا"۔

"تو اب میں امام کو جا کر کیا جواب دوں؟" — عمار نے پوچھا۔

"کہنا کہ خزانہ کچھ دنوں تک الموت پہنچ جائے گا" — حاذق نے جواب دیا — "تم کل صبح ہی واپسی سفر پر روانہ ہو جانا"۔

"شیخ الجبل امام نے مجھے ایک اور بات بھی کہی تھی" — عمار نے کہا — "اُس نے کہا تھا کہ تمہیں یا کسی اور کو میری ضرورت ہو تو میں یہاں رکا رہوں"۔

"نہیں!" — حاذق نے کہا — "تم چلے جاؤ۔ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ ہم دو آدمی کافی ہیں.... میں امام کے لئے ایک حُور بھی لا رہا ہوں"۔

"کون ہے وہ؟" — عمار نے پوچھا — "کہاں سے ملی ہے؟"

"شاہ در کے امیر احمد بن عطاش کی نوجوان بیوی تھی" — حاذق نے جواب دیا — "ہمارے ہاتھوں سے شاہ در جو نکلا ہے' اس کے پیچھے اسی لڑکی اور اس کے باپ کا ہاتھ تھا .... لیکن عمار بھائی ایک مشورہ دو۔ مجھے پہلی بار کسی لڑکی کے ساتھ دلی بلکہ روحانی محبت ہوئی ہے۔ اپنی جنت کی حوروں کے ساتھ بھی وقت گزرا ہے اور زندگی میں چند اور لڑکیاں بھی آئی ہیں لیکن وہ سب جسمانی معاملہ تھا۔ یہ پہلی لڑکی ہے جو میرے دل میں اُتر گئی ہے اور میں اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں لیکن امام کی اجازت کے بغیر میں شادی نہیں کروں گا"۔

"حاذق بھائی!" — عمار نے کہا — "تم یہ خزانہ امام تک پہنچا دو اور ساتھ یہ کہہ دینا کہ یہ لڑکی تمہیں انعام کے طور پر دے دے تو مجھے یقین ہے امام انکار نہیں کرے گا۔ کیا تم لڑکی کو ساتھ لا رہے ہو؟"

"لڑکی کو بھی اور لڑکی کے باپ کو بھی ساتھ لا رہا ہوں" — حاذق نے جواب دیا — "اگر میں لڑکی کو ساتھ نہ لایا تو یہ کسی سلجوقی کے قبضے میں چلی جائے گی"۔

"میں امام کو پہلے ہی بتا دوں گا" — عمار نے کہا — "اور تمہاری سفارش بھی کر دوں گا"۔

○

وہ دوسرا آدمی جو اس خزانے سے واقف تھا' حاذق کا وہی دوست تھا جو شاہ در شہر میں اکیلا رہتا تھا اور نُور حاذق سے اس کے گھر میں کئی بار ملی تھی اور ہر بار اُس نے وہاں خاصا وقت گذارا تھا۔ اگلے ہی روز حاذق علی الصبح شہر کے دروازے کھلتے ہی آ گیا اور نُور کے گھر آ پہنچا۔ نُور کا باپ ابھی روزمرہ کے کام کاج کے لئے گھر سے نہیں نکلا تھا۔ نُور

Scanned by iqbalmt

اسے دیکھ کر خوش بھی ہوئی اور حیران بھی کہ حاذق اتنی سویرے کیوں آگیا ہے۔ حاذق نے انہیں بتایا کہ وہ ایک ضروری بات کرنے آیا ہے۔

"تمہیں یہ تو معلوم ہے کہ عبدالملک کے ساتھ میرے تعلقات کتنے گہرے تھے" — حاذق نے کہا — "تمہیں اندازہ نہیں کہ ہم کس حد تک ایک دوسرے کے ہمراز تھے۔ میں تمہارے ساتھ ایسی بات کرنے لگا ہوں جس کا کسی کے ساتھ ذکر نہ ہو ورنہ ہم تینوں قتل ہو جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ عبدالملک نے شاہ در سے کچھ دور ایک جگہ بہت بڑا خزانہ چھپایا تھا۔ میں اُس کے ساتھ تھا اور ہمارے ساتھ ایک اور دوست تھا۔ عبدالملک مجھے باطنی سمجھتا تھا اور قابلِ اعتماد دوست بھی۔ میں اُس کی زندگی میں اُسے ایسا دھوکہ نہیں دینا چاہتا تھا کہ اپنے دوست کو ساتھ لے کر وہ خزانہ اُڑا لے جاتا اور پھر کبھی اِدھر کا رُخ ہی نہ کرتا۔ اب وہ اس دنیا سے اٹھ گیا ہے اور اُس کے گھر کا کوئی مرد زندہ نہیں رہا تو میں نے سوچا کہ میں یہ خزانہ کیوں نہ نکال لوں!"

"یہ تمہارا جائز حق ہے" — نُور نے کہا — "میرے دل سے پوچھو تو مجھے خزانے کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں لیکن چونکہ یہ خزانہ ان باطنیوں کا تھا بلکہ باطنیوں کے پیر و مُرشد کا تھا اس لئے اسے اڑا لینا یا نکال لینا ایک نیکی کا کام ہے اور یہ تمہارا جائز حق ہے"۔

"مجھ سے پوچھو تو میں بھی یہی کہوں گا" — نُور کا باپ بولا — "خزانہ نکالو اور اپنی ملکیت میں رکھو"۔

"لیکن میں اس خزانے کا اکیلا مالک نہیں بننا چاہتا" — حاذق نے کہا — "تم نے اپنی بیٹی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا ہے۔ خزانے پر میرا اتنا حق نہیں جتنا تم دونوں کا ہے۔ نُور پر ان لوگوں نے جو ظلم ڈھائے ہیں، میں اس کی یہ قیمت دے سکتا ہوں کہ ان لوگوں کا خزانہ نُور کے قدموں میں رکھ دوں۔ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا"۔

"یہ بھی تو سوچو" — نُور کے باپ نے کہا — "یہ سارا خزانہ لُوٹ مار کا ہے۔ نہ جانے یہ لوگ کب سے قافلوں کو لُوٹ رہے ہیں اور یہ خزانہ اکٹھا کرتے رہے ہیں۔ اس خزانے کو نکال ہی لینا چاہئے"۔

"تمہیں بھی تو لُوٹا گیا تھا" — حاذق نے کہا — "اللہ کا کرم دیکھو، تم سے جو لُوٹا گیا تھا، اس سے کئی گنا زیادہ تمہیں اللہ نے دے دیا ہے.... خزانہ تو سمجھو نکل آیا۔ اب میں

وہ بات کہنے لگا ہوں جو بہت ہی ضروری ہے۔ ہم جب خزانہ نکالنے جائیں گے تو تم دونوں ہمارے ساتھ ہو گے۔ پھر ہم یہاں واپس نہیں آئیں گے ورنہ خزانہ چھپانا مشکل ہو جائے گا۔ ہم وہیں سے اصفہان چلے جائیں گے جہاں ہمیں جاننے اور پہچاننے والا کوئی نہیں ہو گا۔ میں تمہیں خواب نہیں دکھا رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم تینوں وہاں شاہانہ زندگی بسر کریں گے"۔

حاذق دراصل نُور اور اُس کے باپ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ وہ تیار ہو گئے تو اُس نے انہیں بتانا شروع کیا کہ خزانہ کہاں ہے اور کس قسم کے خطروں میں سے گزر کر خزانے تک پہنچا جائے گا.... شاہ در سے تقریباً ایک دن کی مسافت پر ایک بہت بڑی جھیل ہُوا کرتی تھی۔ یہ جھیل نیم دائرے میں تھی۔ اس کے درمیان خشکی تھی اور اس خشکی پر بڑی اونچی اور کچھ نیچی چٹانیں تھیں۔ ان کے پیچھے خشکی ہی تھی لیکن کچھ آگے جا کر جھیل کا پانی پھر وہاں پھیل گیا تھا۔ اس جھیل کے کناروں پر دلدل تھی۔ یہ جگہ مگرمچھوں کے لئے بڑی موزوں تھی۔ اس جھیل میں مگرمچھ رہتے تھے جن کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں تھی لیکن تھوڑی بھی تھی تو یہ تعداد بہت ہی خطرناک تھی۔ مگرمچھ بہت بڑے بڑے تھے اور ان میں مگرمچھوں کی وہ قسم بھی پائی جاتی تھی جن کی لمبائی تھوڑی سی ہوتی ہے۔

نُور نے پوچھا کہ ان مگرمچھوں سے کس طرح بچا جائے گا تو حاذق نے بتایا کہ اس کا انتظام وہ کرے گا اور یہ انتظام انہیں جھیل پر پہنچ کر دکھایا جائے گا۔ حاذق نے یہ بھی کہا کہ انہیں جان کے خطرے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

خزانہ ایسی چیز ہے کہ انسان جان کا خطرہ بھی مول لے لیا کرتا ہے۔ باپ بیٹی ان خطروں میں کودنے کے لئے تیار ہو گئے اور حاذق نے انہیں بتا دیا کہ کس روز روانہ ہونا ہے۔ اُس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ روانگی کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ شاہ در کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ جائیں گے۔

○

دو دنوں بعد نُور اور اُس کا باپ گھر سے نکلے تو ان کے ساتھ گھر کا کچھ ضروری سامان تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے شاہ در سے نکل رہے تھے۔ کسی نے ان کی طرف توجہ نہ دی کہ یہ کیا اٹھا کر لے جا رہے ہیں اور کسی کو ذرا سا بھی شک نہ ہُوا کہ یہ آج واپس نہ آنے کے

Scanned by iqbalmt

لئے جا رہے ہیں۔ شہر سے نکل کر وہ اپنی کھیتوں میں گئے اور وہاں رکے نہیں۔ کام کرنے والے نوکروں نے کچھ دیر بعد آنا تھا۔ وہ چلتے چلے گئے اور حاذق کے گھر جا پہنچے۔ ایسے ہی طے کیا گیا تھا۔ حاذق ان کا منتظر تھا۔

کچھ دیر بعد حاذق کا دوست بھی آ گیا۔ انہوں نے سارا دن وہیں گذارا۔ حاذق اور اس کا دوست باہر چلے گئے تھے کیونکہ انہوں نے بہت سے انتظامات کرنے تھے۔

شام گہری ہو گئی تو شاہ در کے تمام دروازے بند ہو گئے اور شہر باہر کی دنیا سے کٹ گیا۔ شہر سے تھوڑی ہی دور چھوٹے سے ایک گاؤں سے ایک گھوڑا گاڑی نکلی۔ یہ گھوڑا گاڑی حاذق کے گھر سے نکلی تھی۔ یہ کوئی شاہانہ بگھی نہیں تھی بلکہ باربرداری والی تھی۔ اس پر تازہ کٹی ہوئی ہری فصل کے چند ایک گٹھے لدے ہوئے تھے اور کچھ گھریلو سامان تھا جس میں دو تین چارپائیاں بھی تھیں۔ گھوڑوں کی باگیں حاذق کے ہاتھ میں تھیں اور اُس کے ساتھ اس کا دوست بیٹھا ہُوا تھا۔ پیچھے سامان پر نُور اور اس کا باپ سوار تھے۔

اس سامان کے ساتھ پانچ بھیڑیں بھی تھیں جو اس گاڑی میں جا رہی تھیں۔ حاذق نے نور اور اُس کے باپ کو بتایا تھا کہ یہ سامان نئی جگہ لے جانا بالکل ضروری نہیں، یہ اس لئے ساتھ لے جایا جا رہا ہے کہ خزانے کے بکس اس سامان کے نیچے چھپائے جائیں گے۔ خزانے والی جگہ سے اصفہان تک کئی دنوں کی مسافت تھی اور لٹیروں کا خطرہ بھی تھا۔ بھیڑوں کے متعلق اس نے بتایا کہ یہ جھیل پر جا کر کٹائے گا۔

جھیل تک کا سفر تقریباً ایک دن کا تھا لیکن حاذق نے کچھ دور جا کر گھوڑے دوڑا دیئے اور یہ سفر تیزی سے کم ہونے لگا۔ گھوڑے بڑے ہی تندرست اور اچھی نسل کے تھے۔ راستہ صاف تھا اس لئے ان کی رفتار تیز ہی تیز ہوتی چلی جا رہی تھی۔ آدھے راستے میں حاذق نے گاڑی روک لی تاکہ گھوڑے ذرا دم لے لیں۔

آدھی رات کے بہت بعد وہ جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ حاذق نے گاڑی کو جھیل کے کنارے سے کچھ دور دور رکھا تاکہ مگرمچھ گھوڑوں پر لپک نہ سکیں۔ مگرمچھ پانی میں اپنا شکار پکڑا کرتا ہے، خشکی پر آ کر وہ شکار نہیں کھیلا کرتا۔ حاذق نے ایسی جگہ جا گاڑی روکی جہاں چار پانچ کشتیاں کنارے پر رکھی ہوئی تھیں۔ یہ پانی میں نہیں بلکہ خشکی پر تھیں۔

سب گھوڑا گاڑی میں سے اُترے۔ حاذق نے سامان میں سے چار بڑی مشعلیں نکالیں اور چاروں کو جلا لیا۔ ان کے دستے ایک ایک گز سے زیادہ لمبے تھے اور ان کے

شعلے تو بہت ہی اوپر جا رہے تھے۔ حاذق نے ایک ایک مشعل سب کو دے دی۔ اب چاروں کے ہاتھوں میں ایک ایک مشعل تھی۔

وہ جھیل کے کنارے پڑی ہوئی کشتیوں کے قریب گئے۔ دو کشتیاں تو بالکل ٹوٹ گئی تھیں۔ ان سب میں ایک کشتی بڑی بھی تھی اور صحیح سلامت بھی تھی اور اس میں دو چپو لگے ہوئے تھے۔ حاذق اور اس کے دوست نے پانچوں بھیڑوں کو اُٹھا کر کشتی میں ڈال لیا اور پھر حاذق کے کہنے پر سب کشتی میں سوار ہو گئے۔ دونوں دوستوں نے چپو سنبھال لئے۔

کشتی کنارے سے ذرا ہی دُور گئی ہو گی کہ مشعلوں کی روشنی میں دو تین مگرمچھوں کے منہ پانی سے اُبھرے ہوئے نظر آئے۔ یہ مگرمچھ بڑی تیزی سے کشتی پر حملہ کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ حاذق کے دوست نے چپو چھوڑ کر ایک بھیڑ کو اٹھایا اور پانی میں پھینک دیا۔ سارے مگرمچھ اس بھیڑ کی طرف ہو گئے اور اُس پر ٹوٹ پڑے۔ بھیڑ نے ایسی خوفزدگی کے عالم میں آوازیں نکالیں کہ دل دہل جاتے تھے۔

یہ مگرمچھ اس بھیڑ کو چیرنے پھاڑنے لگے۔ یوں لگا جیسے پانی میں طوفان آ گیا ہو، کشتی آگے نکل گئی۔ کچھ آگے گئے تو دو اور مگرمچھ کشتی کی طرف آتے نظر آئے۔ حاذق کے دوست نے ایک اور بھیڑ کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا۔ یہ مگرمچھ بھی بھیڑ پر جھپٹ پڑے اور کشتی آگے نکل گئی۔

حاذق نے نُور اور اُس کے باپ کو بتایا کہ اب مگرمچھوں کا کوئی خطرہ نہیں رہا کیونکہ جھیل کے سارے مگرمچھوں کو پتہ چل گیا تھا کہ پانی میں کوئی نیا شکار آیا ہے۔ وہ سب بڑی تیزی سے تیرتے اپنے اُن ساتھیوں تک جا پہنچے جو ان بھیڑوں کو چیر پھاڑ رہے تھے۔

○

آخر کشتی اُس خشکی تک جا پہنچی جو اس جھیل کے درمیان تھی۔ وہاں بھی ایک بھیڑ پھینکی پڑی کیونکہ وہاں کنارے پر تین چار مگرمچھ موجود تھے۔ بھیڑ کے گرتے ہی وہ بڑی تیزی سے اس تک پہنچے اور حاذق اور اس کا دوست کشتی کو کنارے تک لے گئے اور دونوں کود کر خشکی پر گئے اور کشتی کا رسہ کھینچ کر ایک بڑے پتھر کے ساتھ باندھ دیا۔ نُور اور اُس کے باپ کو بھی اُترنے کے لئے کہا گیا۔ دونوں بڑے آرام سے اُتر گئے۔

حاذق آگے آگے جا رہا تھا۔ زمین بڑی ہی ناہموار تھی۔ چھوٹے بڑے پتھروں پر

Scanned by iqbalmt

پاؤں پڑتے اور پھسلتے تھے۔ ذرا آگے گئے تو چٹانوں کی گلیاں سی آ گئیں۔ حیرت والی بات یہ تھی کہ یہ خشکی جھیل کے درمیان میں تھی لیکن وہاں گھاس کی ایک پتّی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ ایسی چٹانیں بھی آئیں جن کے درمیان سے گزرنا ناممکن نظر آتا تھا لیکن یہ لوگ جسم کو سکیڑ سمیٹ کر گزر گئے۔ انہیں کئی موڑ کاٹنے پڑے اور چٹانیں اونچی ہی اونچی ہوتی چلی گئیں۔

قدرت نے ان چٹانوں کی شکل و صورت ایسی بنائی تھی کہ یہ انسانی معماروں کی بنی ہوئی لگتی تھیں۔ بعض جگہوں پر گلیاں اتنی تنگ تھیں اور چٹانیں اتنی اونچی کہ وہاں دم گھٹتا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے یہ چٹانیں آگے بڑھ کر ان انسانوں کو کچل ڈالیں گی۔ آخر ایک گلی ایک غار کے دہانے پر جا ختم ہوئی۔

اس دہانے میں داخل ہوئے تو یوں لگا جیسے وہ ایک کشادہ کمرے میں آ گئے ہوں۔ ایک جگہ بہت سے پتھر ڈھیر کی صورت میں پڑے ہوئے تھے۔ حلاق نے سب سے کہا کہ یہ پتھر ایک طرف پھینکنے شروع کر دو۔ نُور کو بھی پتھر اُٹھا اُٹھا کر پھینکنے پڑے۔ کچھ پتھر تو زیادہ ہی وزنی تھے۔

پتھر آدھے ہی ہٹائے گئے ہوں گے کہ ان کے نیچے پڑے ہوئے چار بکس نظر آنے لگے۔ باقی پتھر بھی ہٹا دیئے گئے۔

حلاق اور اُس کے دوست نے چاروں بکسوں کے ڈھکنے اٹھا دیئے۔ بکس مقفل نہیں تھے۔ جب ڈھکنے اُٹھے تو نُور اور اُس کے باپ کو تو جیسے غشی آنے لگی ہو۔ ان بکسوں میں سونے کے سکّے اور زیورات تھے اور ہیرے اور جواہرات تھے اور ایک بکس میں بڑے قیمتی' رنگ دار اور چمکدار چھوٹے چھوٹے پتھر تھے۔ یہ بادشاہوں کے کام کی چیزیں تھیں یا بڑے ہی امیر لوگ ان کے خریدار تھے۔ مشعلوں کی روشنی میں سونا' ہیرے' جواہرات اور یہ پتھر چمکتے تھے اور ان میں سے رنگا رنگ کرنیں پھوٹتی تھیں۔

حلاق نے کہا کہ اب زیادہ وقت ضائع نہ کرو اور یہ بکس کشتی تک پہنچاؤ۔ اُس وقت حلاق اور اُس کے دوست کی جذباتی کیفیت ایسی ہو گئی تھی جیسے انہوں نے کوئی نشہ پی لیا ہو۔ یہ خوشی کی انتہا تھی اور یہ خزانے کا نشہ یا جادو تھا جو ان کے دماغوں کو چڑھ گیا تھا۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے جو خوشی کی انتہا کی علامت تھی۔

"یا شیخ الجبل!" — حلاق کے دوست نے بازو اوپر کر کے کہا — "یہ سب تیری

دولت ہے۔ ہم یہ خزانہ تیرے قدموں میں رکھیں گے"۔

"ہمارے پیر اُستاد عبدالملک کی روح بھی خوش ہو جائے گی جب ہم اَلمُوت...."

— حلاق بولتے بولتے چُپ ہو گیا اور لہجہ بدل کر بولا — "بکس جلدی اٹھاؤ' ہمیں اصفہان پہنچنا ہے"۔

نُور کے باپ نے ان دونوں کی باتیں سن لی تھیں۔ حلاق نے اپنے دوست کی طرف دیکھا اور نُور کے باپ نے منہ پھیر لیا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں باطنی ہیں اور یہ خزانہ اَلمُوت لے جائیں گے۔ نُور کے باپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے اور اس کی بیٹی کے ساتھ یہ کیا سلوک کریں گے۔ اُس نے بڑی تیزی سے سوچ لیا کہ کیا کرنا ہے۔

بکسوں کے دونوں طرف لوہے کے کُنڈے لگے ہوئے تھے جنہیں پکڑ کر بکس اٹھائے جاتے تھے۔ ایک بکس حلاق اور اس کے دوست نے اِدھر اُدھر سے پکڑ کر اٹھا لیا اور دوسرا بکس نُور اور اُس کے باپ نے اٹھایا۔ بکس وزنی تو تھے لیکن وہ اٹھا کر باہر لے آئے۔ اب ان کے لئے چلنا خاصا دشوار ہو گیا تھا لیکن وہ بکسوں کو کہیں اٹھاتے اور کہیں گھسیٹتے دھکیلتے جھیل تک لے آئے۔

انہوں نے یہ دونوں بکس کشتی میں رکھ دیئے۔ نُور کے باپ نے دیکھا کہ کشتی کا اگلا حصہ خشکی پر تھا اور زیادہ تر حصہ پانی میں تھا۔ جب حلاق اور اس کا دوست بکس رکھ کر واپس پھر غار کی طرف گئے تو نُور کے باپ نے کشتی کو دھکیل کر پانی میں کر دیا۔ کشتی رسے سے بندھی ہوئی تھی اس لئے اس کے بہہ جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ باپ بیٹی کشتی سے کود کر اُترے اور خزانے کی طرف چلے گئے۔

○

جس طرح وہ چاروں پہلے دو بکس اٹھا کر لے آئے تھے اسی طرح باقی دو بکس بھی اٹھا لائے۔ ایک ایک ہاتھ سے بکس اٹھاتے تھے اور دوسرے ہاتھوں میں ایک ایک مشعل تھی۔

اب وہ کشتی کی طرف بکس اٹھا کر آ رہے تھے تو پہلے کی طرح نُور اور اُس کا باپ پیچھے نہیں تھے بلکہ آگے آگے آ رہے تھے۔ وہ اتفاقیہ آگے آگے نہیں آئے تھے بلکہ نُور کے باپ نے کچھ سوچ کر یہ پھرتی دکھائی تھی کہ غار میں جا کر بکس اٹھایا اور تیزی سے غار سے

Scanned by iqbalmt

نکل آیا تھا۔

نُور اور اس کے باپ نے بکس کشتی میں رکھا اور دونوں کشتی میں آ گئے۔ حلاق اور اُس کا دوست بکس اٹھائے ہوئے کشتی کے قریب آئے تو نُور کے باپ نے لپک کر بکس پکڑا اور گھسیٹ کر کشتی میں کر لیا۔ اب اُن دونوں نے کشتی میں سوار ہونا تھا۔ نُور کے باپ نے فوراً" اپنی مشعل نُور کے ہاتھ سے لی اور بڑی ہی تیزی سے مشعل پہلے حلاق کے جسم کے ساتھ لگائی اور پھر فوراً" ہی اُس کے دوست کے جسم کے ساتھ لگا دی۔

مشعل کا شعلہ بہت بڑا تھا۔ اس شعلے نے دونوں کے کپڑوں کو آگ لگا دی اور آگ نے یکلخت اُن کے پورے لباس کو لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی نُور کے باپ نے نُور سے کہا کہ مشعل آگے کرو اور کشتی کا رسہ جلا ڈالو.... رسّہ بندھا ہُوا تھا جسے کھولنے کے لئے نُور یا اُس کے باپ کو کشتی سے اُترنا تھا لیکن اتنا وقت نہیں تھا۔ نُور نے مشعل آگے کر کے رسّے کے درمیان لگا دی۔ فوراً" ہی رسّہ جل گیا اور کشتی پانی میں آ گئی بلکہ آہستہ آہستہ چل پڑی۔

حلاق اور اس کے دوست کے کپڑوں کو آگ لگی تو دونوں پانی میں کود گئے۔ آگ تو بجھ گئی لیکن ان کے جسم جل گئے تھے جن پر پانی پڑا تو تکلیف بڑھنے لگی۔ آخر وہ دونوں جوان اور دلیر آدمی تھے۔ پانی میں ہی دونوں نے اپنی تلواریں نکال لیں اور کشتی کی طرف لپکے۔ اتنی سی دیر میں نُور اور اس کے باپ نے مشعلیں کشتی میں ٹھونک کر تیزی سے چپّو مارے تو کشتی کنارے سے دُور آ گئی لیکن وہ دونوں بھی کشتی کے قریب آ گئے۔

نُور کے باپ نے نُور سے کہا کہ دونوں چپّو سنبھالو اور کشتی کو رُکنے نہ دینا۔ حلاق اور اس کا دوست بڑی تیزی سے تیرتے کشتی کے قریب آئے اور انہوں نے کشتی کو پکڑنے کی کوشش کی۔ نُور کے باپ نے دونوں مشعلیں اٹھا کر ایک کا شعلہ حلاق کے چہرے پر اور دوسری کا شعلہ اس کے دوست کے چہرے پر رکھ دیا اور زور سے آگے کو دھکیلا۔ تصوّر میں لایا جا سکتا ہے کہ اُن کی آنکھیں تو فوراً" ہی بیکار ہو گئی ہوں گی اور چہرے تو بُری طرح جلے ہوں گے۔ دونوں کی اس طرح چیخیں سنائی دینے لگیں جیسے بھیڑیے غرّا اور چلّا رہے ہوں۔ اب ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ آگے بڑھتے' وہ تو ڈوب رہے تھے۔

نُور کے باپ نے ایک چپّو نُور کے ہاتھ سے لے لیا اور دونوں تیزی سے چپّو چلانے لگے۔ دونوں دائیں بائیں جھیل میں دیکھ رہے تھے کہ مگرمچھ نہ آ جائیں۔ آ بھی جاتے تو

ان کے پاس بندوبست موجود تھا۔ دو بھیڑیں ابھی کشتی میں موجود تھیں لیکن اب مگرمچھوں کو شکار مل گیا تھا۔ یہ تھا حلاق اور اُس کا دوست۔ دُور سے ان دونوں کی بڑی ہولناک آوازیں سنائی دیں جو فوراً" ہی ختم ہو گئیں۔ یوں لگتا تھا جیسے دونوں کو مگرمچھوں نے پکڑ لیا ہو۔ مشعلوں کی روشنی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ کشتی میں مشعلیں کھڑی رکھنے کا انتظام تھا۔ نور کے باپ نے دونوں مشعلیں ان جگہوں میں پھنسا دی تھیں۔

○

نُور کے باپ نے یہ کوشش نہ کی کہ کشتی کو اُس جگہ تک لے جائے جہاں سے انہوں نے کشتی لی تھی اور جہاں گھوڑا گاڑی رکی کھڑی تھی۔ اُن دونوں نے کشتی کو قریبی کنارے پر لگا دیا اور اُتر آئے۔ دونوں نے پورا زور لگا کر کشتی کو اتنا کھینچا کہ آدھی کشتی خشکی پر آ گئی۔

باپ نے نُور سے کہا کہ وہ کشتی کے قریب کھڑی رہے اور اگر کشتی پانی میں جانے لگے تو اسے پکڑ کر کھینچ لے۔ وہ خود گھوڑا گاڑی لینے چلا گیا۔ اب وہ ہر خطرے سے نکل آئے تھے۔

نُور کا باپ گھوڑا گاڑی وہیں لے آیا اور کشتی کے قریب روک کر باپ بیٹی کشتی سے بکس اتارنے لگے۔ وہ علاقہ ایسا تھا جہاں سے کسی انسان کا گزر نہیں ہوتا تھا کیونکہ یہ علاقہ کسی راستے میں نہیں آتا تھا اور خطرناک بھی اتنا تھا کہ ادھر سے کوئی گزرتا ہی نہیں تھا۔

دونوں نے زور لگا کر چاروں بکس گھوڑا گاڑی میں لاد لئے اور سوار ہو گئے۔ گھوڑوں کی باگیں باپ نے سنبھال لیں اور گاڑی شاہ در کی طرف موڑ کر چل پڑے۔ نُور ابھی دیکھ رہی تھی کہ باپ یہ خزانہ کہاں لے جاتا ہے۔ نُور کی توجہ دراصل خزانے پر تھی ہی نہیں۔ وہ بہت بڑے صدمے سے دوچار تھی۔ اُسے جس کے ساتھ روحانی محبت ہو گئی تھی' اسے وہ اپنے ہاتھوں جلا کر اور ڈبو کر جا رہی تھی۔ حلاق کے خیال سے اور اس کے انجام سے اُسے اتنا شدید صدمہ ہُوا کہ اس کے آنسو بہہ نکلے اور پھر وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

"روتی کیوں ہو؟" — باپ نے نُور سے کہا — "کیا ہمیں خوش نہیں ہونا چاہئے کہ ہم بہت بڑے دھوکے سے بچ گئے ہیں؟.... یہ باطنی تھے اور یہ سیدھے اُلّوٹ جا

Scanned by iqbalmt

رہے تھے۔ مجھے تو یہ راستے میں ہی قتل کر دیتے اور تمہیں وہاں لے جا کر حسن بن صباح کے حوالے کر دیتے اور وہ ابلیس تمہیں اپنی جنت کی حُور بنا دیتا۔ آج تم ایک خاوند کی تلاش میں ہو' وہاں ہر روز تمہارا ایک نیا خاوند ہوتا.... اللہ کا شکر ادا کرو جس نے ہمیں اس ذلت سے بچا لیا ہے۔ خدا کی قسم مجھے اس خزانے کی خوشی نہیں' خوشی ہے تو یہ ہے کہ میں آخر تمہیں بچا لایا ہوں"۔

نوُر کو اصل غم تو یہ تھا کہ اُس کی قسمت میں یہی لکھا گیا تھا کہ ایک فریب کار کے چُنگل سے نکلے تو ایک اور فریب کار کے جال میں آ جائے.... نوُر کے لئے یہ صدمہ برداشت کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بہرحال اس نے یہ انتہائی تلخ گھونٹ نگلنے کی کوشش شروع کر دی اور باپ اسے سمجھاتا بجھاتا گیا اور پھر اسے اُمید بھی دلاتا رہا کہ اُس کے لئے ایک مردِ حق یقیناً منتظر ہے۔ اللہ نے جہاں اتنا کرم کیا ہے وہاں وہ یہ کرم بھی ضرور کرے گا کہ نوُر کی شادی ہو جائے گی۔

نوُر کے باپ نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ وہ بہت جلدی شاہ در پہنچنا چاہتا تھا۔ راستے میں وہ ایک جگہ رکے۔ گاڑی میں کھانے پینے کا سامان موجود تھا۔ گھوڑوں نے ستا لیا اور باپ بیٹی نے کھا پی لیا اور پھر گاڑی میں سوار ہوئے اور باپ نے گھوڑے دوڑا دیئے۔

○

دن تقریباً" آدھا گزر گیا تھا۔ سنجر اپنے دفتر میں بیٹھا روزمرہ کے کام کاج میں مصروف تھا۔ اس کے ذمے بڑا ہی نازک اور پیچیدہ کام تھا۔ اُس نے اس شہر کو از سرِ نو آباد کرنا تھا اور اس شہر کو باطنیوں سے صاف بھی کرنا تھا۔ دربان نے اسے اطلاع دی کہ باہر ایک آدمی آیا ہے جس کے ساتھ ایک بڑی خوبصورت اور جواں سال لڑکی ہے اور وہ گھوڑا گاڑی پر آئے ہیں۔ دربان نے بتایا کہ یہ وہی باپ بیٹی ہیں جنہیں کچھ عرصہ پہلے یہاں ایک مکان دیا گیا تھا اور زمین بھی دی گئی تھی۔

سنجر نے کسی حد تک بے دلی سے کہا کہ انہیں اندر بھیج دو۔ اُس نے سوچا ہو گا کہ اپنی کسی ضرورت کی خاطر آئے ہوں گے۔ دربان نے باہر جا کر انہیں کہا کہ وہ اندر چلے جائیں لیکن نوُر کے باپ نے کہا کہ وہ اندر نہیں جانا چاہتے' سلطان خود باہر آئے۔

سنجر کو جب یہ بتایا گیا کہ باپ بیٹی اُسے باہر بلا رہے ہیں تو سنجر جھنجلاہٹ کے عالم

میں باہر آ گیا۔ نوُر کے باپ نے اسے کہا کہ وہ گھوڑا گاڑی تک چلے۔ اُس وقت سنجر نے قدرے اکتاہٹ سے کہا کہ آخر بات کیا ہے؟ وہ کسی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ کوئی اُسے جدھر لے جانا چاہے وہ اُس طرف چل پڑے۔ نوُر اور اُس کا باپ کچھ بھی نہ بولے اور اُسے گھوڑا گاڑی تک لے گئے۔

نوُر کے باپ نے گاڑی پر جا کر چاروں بکس کھول دیئے اور سلطان کو اشارہ کیا کہ وہ اوپر آ جائے۔ سنجر پہلے ہی اکتایا ہُوا تھا' وہ غصے کی حالت میں گھوڑا گاڑی پر چڑھا اور جب اُس نے کھلے ہوئے بکس دیکھے تو اُس پر کچھ اور ہی کیفیت طاری ہو گئی۔

"یہ مال کہاں سے آیا ہے؟" — سنجر نے ہکلاتی ہوئی زبان سے پوچھا اور جواب کا انتظار کئے بغیر کہا — "یہ تو بے انداز اور بے حد قیمتی خزانہ ہے"۔

"یہ میں سلطان کو اندر بیٹھ کر بتاؤں گا کہ یہ مال کس طرح آیا ہے" — نوُر کے باپ نے کہا — "یہ سارا مال نہ آپ کا ہے نہ میرا ہے بلکہ یہ سلطنتِ سلجوقیہ کا مال ہے اور یہ وہ خزانہ ہے جو یہ باطنی ابلیس قافلوں سے لُوٹتے رہے ہیں"۔

سنجر نے فوراً" چاروں بکس اٹھوائے اور اپنے کمرے میں رکھوا دیئے پھر اُس نے باپ اور بیٹی کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھا کہ یہ خزانہ کہاں سے آیا ہے۔

نوُر کے باپ نے اسے ساری داستان سنا ڈالی۔

"میں تمہیں اس میں سے دل کھول کر انعام دوں گا" — سنجر نے کہا۔

"میں اس میں سے ایک ذرّہ بھی نہیں لوں گا" — نوُر کے باپ نے کہا — "یہ سلطنت کی ملکیت ہے اور یہ اللہ کی لعنت سمجھ کر استعمال کی جائے۔ میں اپنا انعام لے چکا ہوں۔ مجھے مکان مل گیا ہے اور زمین بھی مل گئی ہے۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے"۔

Scanned by iqbalmt

داستان گو داستان کو واپس اُس مقام تک لے جاتا ہے جہاں عبید عربی کی نشاندہی پر بڑھئی اور سبزیوں کے تاجر کو پکڑا گیا اور ایک روز کے بعد انہیں جلاد کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

سالار اوریزی نے عبید عربی کو بڑے پیار اور شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اور اُس سے پوری بات سنی تھی اور عبید عربی نے اُسے اپنی وہی داستان سنائی تھی جو وہ شافعہ کو سنا چکا تھا۔ اس کا یہ بیان پچھلے باب میں تفصیل سے پیش کیا جا چکا ہے۔

"اے سلجوقی سالار!" — عبید عربی نے کہا تھا — "میں اللہ کے وجود کا قائل ہو گیا ہوں۔ میں تو آپ کو قتل کرنے آیا تھا لیکن آج آپ سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اپنے ہاتھوں قتل کر دیں.... ہمارا خدا بھی حسن بن صباح تھا' رسول بھی حسن بن صباح اور حسن بن صباح کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو یوں قدر و احترام سے سنا کرتے تھے جیسے یہ بات آسمان سے اُتری ہو۔ ہمارے لئے نیکی اور بدی کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔ ہمارا امام کہا کرتا ہے کہ جو فعل تمہیں اچھا لگتا ہے وہ کرو اور اسے گناہ مت سمجھو۔ گناہ اس فعل کو کہتے ہیں جو تم نہ کرنا چاہو لیکن یہاں آ کر میں نے اپنی اصلیت کو پا لیا ہے"۔

"تمہیں اس کا اجر اللہ دے گا" — سالار اوریزی نے کہا تھا — "تم اُن کا انجام بھی دیکھ لو گے جن کی تم نے نشاندہی کی ہے اور تمہیں جو صلہ ملے گا وہ سب لوگ دیکھیں گے.... میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا ان دونوں کے علاوہ تم ایسے آدمی بتا سکتے ہو جو وسم کوہ میں موجود ہوں؟"

"نہیں قابلِ احترام سالار!" — عبید عربی نے کہا تھا — "ضرور ہوں گے لیکن یہ

ضروری نہیں ہوتا کہ کسی جگہ ہر باطنی دوسرے باطنیوں کو جانتا ہو۔ حسن بن صباح کے بعض فدائیوں کو یوں چھپا کر رکھا جاتا ہے کہ کوئی دوسرا فدائی بھی اسے نہیں جانتا.... میں چونکہ آپ کو قتل کرنے کے لئے آیا تھا اس لئے میں ان ہی دو آدمیوں سے واقف ہو سکا جن کے ذمے مجھے پناہ میں رکھنا تھا۔ مجھے آپ کے قتل کے بعد خود کُشی کر لینی تھی یا موقع ملتا تو فرار ہونا تھا اور میرے پکڑے جانے کا بھی امکان تھا۔ اِس صورت میں آپ نے تشدّد اور ایذا رسانی کے ذریعے مجھ سے یہ راز اگلوا لینا تھا کہ یہاں کتنے باطنی ہیں اور وہ کہاں کہاں رہتے ہیں اور ان میں فدائی کون کون ہیں۔ میں نے اپنے اس راز پر اپنی جان دے دینی تھی لیکن ایذا رسانی سے بڑے مضبوط آدمی بھی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں اور وہ راز اگل دیتے ہیں.... پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ ان کا سراغ لگا لوں۔ یہ بھی سن لیں کہ آپ کو تو ان لوگوں نے قتل کرنا ہی ہے' میری جان بھی خطرے میں آ گئی ہے۔ میں نے حسن بن صباح کے دو بڑے ہی اہم اور تجربہ کار آدمی پکڑوا دیئے ہیں اور اب یہ لوگ موقع ملتے ہی مجھے قتل کر دیں گے لیکن میں جان کی بازی لگا کر باقی باطنیوں کا سراغ لگاؤں گا"۔

سالار اوریزی نے کہا کہ وہ اُسے بچائے رکھنے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ دوسرے باطنیوں اور فدائیوں کا سراغ کہاں سے لگائے.... سالار اوریزی نے یہ بھی کہا کہ یہ دونوں آدمی جو عبید نے پکڑوائے ہیں کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔

"یہ نا امید دل سے نکال دیں" — عبید عربی نے کہا — "انہیں آپ کوئی لالچ دے سکتے ہیں جو یہ کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ دوسرا طریقہ ایذا رسانی کا ہے۔ یہ لوگ مرنا پسند کریں گے لیکن بتائیں گے کچھ بھی نہیں۔ میرا معاملہ کچھ اور ہے۔ آیا تو میں بھی مارنے اور مرنے کے لئے تھا لیکن میری جذباتی دنیا میں جو شدید زلزلہ آیا' یہ مجھے آپ کے سامنے اس صورت میں لایا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اسے میں اللہ تعالیٰ کا ایک معجزہ کہتا ہوں لیکن یہ دونوں آدمی اُس درجے کے باطنی ہیں جو فخر سے اپنی جانیں دے دیا کرتے ہیں۔ انہیں یہ تو معلوم ہی ہو گا کہ آپ انہیں سزائے موت دیں گے"۔

"یہ تو میرا فیصلہ ہے" — سالار اوریزی نے کہا — "کل سارے شہر میں منادی کرواؤں گا کہ دو باطنیوں کو قلعے کے باہر سزائے موت دی جائے گی اور تمام لوگ ان

Scanned by iqbalmt

وقت اکٹھے ہو جائیں۔ پھر میں انہیں....."

"گستاخی معاف قابلِ احترام سالار!" — عبید عربی نے سالار اوریزی کی بات کاٹ کر کہا — "آپ کی باقی بات بعد میں سنوں گا' ایک طریقہ میرے دماغ میں آگیا ہے جس سے باطنیوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ ان دونوں کو سرِعام سزائے موت دیں گے۔ یہ آپ بہت اچھا کریں گے کہ شہر کے تمام لوگوں کو اکٹھا ہونے کو کہہ رہے ہیں۔ یہاں جتنے باطنی ہیں یا بڑھئی اور سبزیوں کے باغ کے مالک جیسے آدمی ہیں' وہ بھی لوگوں میں شامل ہوں گے۔ ان دونوں کے سر جلاد کاٹ چکے گا تو مجھے پورا پورا یقین ہے کہ ایک یا دو آدمی اَلمُوت کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ یہ ان کے فرائض میں شامل ہے کہ اس قسم کا سنگین واقعہ فوراً اَلمُوت جا کر حسن بن صباح کو سنائیں۔ آپ یہ بندوبست کریں کہ چند ایک آدمی شہر کے ہجوم سے باہر باہر دیکھتے رہیں۔ وہ جب کسی ایک یا دو یا تین آدمیوں کو گھوڑوں پر سوار اَلمُوت کی طرف رُخ کر کے جاتا دیکھیں تو انہیں گھیر کر پکڑ لیں۔ وہ یقیناً حسن بن صباح کے آدمی ہوں گے"۔

"وہ سب کے سب تو نہیں ہوں گے!" — سالار اوریزی نے کہا — "دوسرے پھر بھی شہر میں ڈھکے چھپے رہیں گے' بہرحال مجھے تمہاری یہ تجویز بہت پسند آئی ہے۔ میں اس پر عمل درآمد کرواؤں گا"۔

"جو تجربہ اور دانشمندی آپ کو حاصل ہے وہ مجھے نہیں" — عبید عربی نے کہا — "لیکن میں یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ منادی میں یہ بھی شامل کریں کہ تمام لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ گھروں میں سے نکل کر قلعے کے باہر اکٹھے ہوں اور ان دو آدمیوں کو جلاد کے ہاتھوں کٹتا دیکھیں.... اس طرح یہ ہو گا کہ کوئی باطنی اپنے گھر میں بیٹھا نہیں رہے گا"۔

"تم اور شافیعہ بہت بڑے انعام کے حقدار ہو عبید!" — سالار اوریزی نے خوش ہوتے ہوئے کہا — "میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم دونوں کو کیا انعام دوں"۔

"انعام کی حقدار تو شافیعہ ہے" — عبید عربی نے کہا — "اگر آپ ہم دونوں کو انعام دینا ہی چاہتے ہیں تو سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ مجھے شافیعہ کو اور شافیعہ مجھے دے دیں"۔

"یہ تو طے ہے" — سالار اوریزی نے کہا — "ان دونوں باطنیوں کو پرسوں جہنم

واصل کر کے میں تم دونوں کا نکاح پڑھا دوں گا"۔

سالار اوریزی نے اُسی وقت مزمل آفندی اور بن یونس کو بلوا لیا اور عبید عربی کی تجویز انہیں سنائی۔ انہوں نے آپس کے صلاح مشورے سے طے کر لیا کہ یہ کارروائی کس طرح کی جائے۔

○

اگلی صبح سورج طلوع ہوا ہی تھا کہ دسم کوہ کا بچہ بچہ قلعے کے باہر گھوڑ دوڑ کے میدان کے اردگرد اکٹھا ہو گیا تھا۔ منادی میں یہ حکم بھی شامل تھا کہ تمام لوگ حکماً باہر آئیں گے۔ عورتیں اُس طرف جو قلعے کی دیوار تھی' اُس پر اکٹھی ہو گئی تھیں۔ گھر بالکل خالی ہو گئے تھے۔ بڑھئی اور سبزیوں کے باغ والے کو قلعے سے نکالا گیا۔ ان کے ہاتھ اُن کی پیٹھوں کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ چار محافظ انہیں لے جا رہے تھے۔ ہجوم نے اس طرف سے انہیں راستہ دیا اور ان دونوں کو میدان کے وسط میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد سالار اوریزی اپنے چھ گھوڑ سوار محافظوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔

محافظ ہجوم کے پیچھے رک گئے اور سالار اوریزی وہاں جا پہنچا جہاں دونوں باطنیوں کو کھڑا کیا گیا تھا۔ مزمل آفندی اور بن یونس بھی وہیں تھے لیکن وہ تماشائیوں کے ہجوم کے پیچھے گھوڑوں پر سوار تھے اور ایک دوسرے سے دُور دُور تھے۔ ان کی نظریں ہجوم پر لگی ہوئی تھیں اور وہ دونوں ایک جگہ رُکتے نہیں تھے بلکہ گھوڑوں کو آہستہ آہستہ ہجوم کے پیچھے پیچھے چلا رہے تھے۔ ان کے ساتھ سالار اوریزی کے محافظ دستے کے دو گھوڑ سوار بھی تھے۔ وہ بھی ہجوم کے پیچھے پیچھے ایک طرح کی گشت کر رہے تھے۔ محافظ دستے کے دو اور شہر کی دیوار پر اُس جگہ کھڑے تھے جہاں سے قلعہ اَلمُوت کی طرف جانے والا راستہ نظر آتا تھا۔ وہاں سے اَلمُوت تک دونوں کی مسافت تھی۔

"اے ایمان والو!" — سالار اوریزی نے بڑی ہی بلند اور گونج دار آواز میں ہجوم سے خطاب کیا — "یہ دو آدمی میرے یا سلطنتِ سلجوقیہ کے مجرم نہیں بلکہ یہ اللہ' رسولؐ اور دینِ اسلام کے مجرم ہیں۔ یہ حسن بن صباح کے پیروکار ہیں جسے ابلیس نے زمین پر اُتارا ہے۔ یہ دونوں باطنی یہاں فدائیوں کو پناہ میں رکھتے تھے اور اب انہوں نے ایک ایسے فدائی کو پناہ دی تھی جو مجھے قتل کرنے آیا تھا لیکن اللہ کی قدرت دیکھو کہ یہ

Scanned by iqbalmt

دونوں میرے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں۔ اگر حسن بن صباح اللہ کا بھیجا ہُوا نبی ہے یا اُس کے ہاتھوں میں کوئی خدائی طاقت ہے تو ان دونوں کو قتل ہونے سے بچا لے لیکن اس کے پاس جو طاقت ہے وہ ابلیسیت کی طاقت ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں اِن دونوں کو ذاتی انتقام کے طور پر قتل کر رہا ہوں۔ میں اللہ کی راہ میں ہر وقت قتل ہونے کے لئے تیار رہتا ہوں۔ تمام لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ باطنی ہونا بہت بڑا جرم ہے جس کی سزا موت ہے۔ اس شہر میں ابھی اور باطنی موجود ہیں۔ یہ تم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ جس کسی پر شک ہو کہ وہ باطنی ہے' اس کے متعلق اطلاع دے۔ یہ بھی سُن لو کہ صرف شک پر بھی میں سزائے موت دوں گا۔ اگر حسن بن صباح یہ اعلان کر دے کہ اُس کا مذہب بالکل الگ تھلگ ایک مذہب ہے جس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو پھر کسی باطنی کو صرف اس لئے سزا نہیں دی جائے گی کہ وہ باطنی ہے۔ ہر کسی کو مذہبی آزادی حاصل ہے لیکن یہ لوگ اسلام کا چہرہ مسخ کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ یہ ایسا گناہ ہے جسے میں معاف نہیں کر سکتا کیونکہ معاف کرنے کو بھی میں گناہ سمجھتا ہوں۔ حسن بن صباح کے حکم سے ہمارے بہت سے علمائے دین' خطیب اور امام اور وزیر قتل کئے جا چکے ہیں۔ ان باطنیوں نے مَرو میں خانہ جنگی بھی کروا دی تھی۔ میں ان بے گناہوں کے خون کا انتقام لے رہا ہوں"۔

سالار اوریزی ایک طرف ہٹ گیا اور اُس کے اشارے پر جلاد جو سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھا اور ہاتھ میں چوڑے پھل والی تلوار تھی' تیزی سے آگے آیا اور اس نے ایک باطنی کو زمین پر دو زانو کر کے اُسے آگے کو جھکا دیا۔ اس کی تلوار بلند ہوئی اور دوسرے ہی لمحے اس باطنی کا سر اس کے جسم سے الگ ہو کر مٹی میں گر پڑا تھا۔ اس کے بعد دوسرے باطنی کو بھی اسی طرح جہنم واصل کر دیا گیا۔

سالار اوریزی نے حکم دیا کہ ان کی لاشیں دُور جنگل میں لے جا کر پھینک دی جائیں۔

○

اتنا بڑا ہجوم باطنیوں کی لاشوں کی طرف دوڑ پڑا۔ لوگ لاشوں کو ٹھُڈے مارنے لگے اور ان پر انہوں نے تھوکا بھی۔ ہجوم میں سے مختلف آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ پیچھے والے لوگ کہہ رہے تھے کہ انہیں بھی لاشوں پر تھوکنے کا ثواب حاصل کر لینے دیا جائے۔ ایک

بڑی ہی بلند اور دبنگ آواز گرج رہی تھی — "زندہ رہے گا تو صرف اسلام رہے گا" — معلوم نہیں یہ کون تھا۔ لوگ اسلام زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے اور آگے بڑھ بڑھ کر باطنیوں کی لاشوں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ کچھ لوگ ان باطنیوں کی کھوپڑیوں کو ٹھُڈا مار مار کر ہجوم سے باہر لے گئے اور اسی طرح ٹھڈ مارتے مارتے دُور جنگل تک لے گئے اور کہیں پھینک کر واپس آئے۔ تھوڑی سی دیر میں دونوں لاشوں کی کھال اتر چکی تھی اور اب لوگ انہیں پتھر مار رہے تھے۔

سالار اوریزی نے شہر کی دیوار پر دو آدمی کھڑے کر رکھے تھے۔ وہ اس ہجوم کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو گھوڑ سوار ہجوم میں سے نکل کر اُس راستے پر ہو گئے تھے جو اَلمُوت کو جاتا تھا۔ مزمّل' بن یونس اور ان کے دو اور ساتھی ان سواروں کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ دیوار پر جو آدمی کھڑے تھے وہ بڑی تیزی سے دوڑتے نیچے آئے اور انہیں مزمّل آفندی نظر آیا جو اس بے قابو اور بپھرے ہوئے ہجوم کے اردگرد اپنے گھوڑے پر سوار گشت کر رہا تھا۔

دیوار سے اُتر کر آنے والے آدمیوں نے مزمّل کو بتایا کہ وہ دیکھ نہیں سکا کہ دو سوار ہجوم میں سے نکل کر اَلمُوت کی سمت چلے گئے ہیں۔ مزمّل نے گھوڑا دوڑا کر اور کچھ آگے جا کر دیکھا۔ اُسے وہ دونوں سوار نظر آ گئے۔ اتنی دیر میں وہ خاصی دُور نکل گئے تھے۔

"بن یونس اور دوسرے دو آدمیوں کو ڈھونڈ کر جلدی لاؤ" — مزمّل آفندی نے ان آدمیوں سے کہا — "میں ان دونوں کے پیچھے جاتا ہوں اور تم دونوں بھی پیچھے پیچھے آ جانا"۔

مزمّل آفندی نے گھوڑا تیز نہ دوڑایا۔ رفتار اتنی ہی رکھی کہ وہ دونوں سوار اُس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائیں۔ آگے گھنا جنگل تھا اور ٹیکریاں اور چٹانیں بھی تھیں جن کی وجہ سے راستے میں کئی موڑ تھے اور ان موڑوں کی وجہ سے سوار نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔

مزمّل کم و بیش ایک میل دُور نکل گیا تھا جب بن یونس چار آدمیوں کے ساتھ گھوڑے دوڑاتا اُس تک پہنچ گیا۔ یہ چار آدمی سالار اوریزی کے محافظ دستے کے منتخب سوار تھے۔ وہ صرف شہسوار ہی نہیں تھے بلکہ بڑے ہی تجربہ کار چھاپہ مار بھی تھے.... اَلمُوت کی طرف جانے والا یہ راستہ ٹیکریوں میں سے جاتا تھا اور آگے آگے جانے والے

Scanned by iqbalmt

دونوں سوار نظر نہیں آتے تھے۔ مزمل آفندی نے اپنی اس سوار جماعت کے ساتھ گھوڑوں کو ایڑ لگا دی اور ٹیکریوں کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ اگلے دونوں سوار اس راستے سے آگے نکل گئے تھے اور وہ مزمل کو نظر آ گئے۔ اس جماعت نے اپنے گھوڑوں کی رفتار خاصی کم کر دی۔ شک تو یہ تھا کہ یہ دونوں آدمی باطنی ہیں اور الموت حسن بن صباح کو اطلاع دینے جا رہے ہیں کہ عبید عربی نے ان دو آدمیوں کو پکڑوا کر سزائے موت دلوا دی ہے جن کے ہاں اُس نے پناہ لی تھی لیکن یہ دونوں سوار کوئی عام سوار بھی ہو سکتے تھے۔ انہیں روک کر پوچھنا تو بے کار تھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے یہ تھوڑے ہی بتا دینا تھا کہ وہ باطنی ہیں اور الموت جا رہے ہیں۔ مزمل آفندی اور بن یونس سوچ رہے تھے کہ یہ کس طرح معلوم کیا جائے کہ یہ دونوں مشکوک ہیں۔

اگلے دونوں سوار چلتے چلے گئے اور پیچھے والے چھ سوار اُن کی رفتار سے ذرا تیز چلتے گئے۔ آگے علاقہ کچھ ہموار آ گیا تھا۔ ذرا اور آگے گئے تو آگے جانے والے دونوں سواروں میں سے ایک نے پیچھے دیکھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو اپنے سر سے کچھ اشارہ کیا تو اُس نے بھی پیچھے دیکھا۔ دونوں نے گھوڑوں کی رفتار خاصی تیز کر لی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ اپنے تعاقب میں آنے والے سواروں سے خاصا زیادہ آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔

"یہ ہمارے ملزم ہیں" — مزمل آفندی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا — "انہیں جانے نہ دینا"۔

سب نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی اور گھوڑے دوڑ پڑے۔ اگلے دو سوار اگر مشتبہ یا ملزم نہ ہوتے تو وہ پرواہ ہی نہ کرتے بلکہ رُک کر دیکھتے کہ ان لوگوں نے گھوڑے کیوں دوڑائے ہیں لیکن انہوں نے بھی گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور ان کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ تعاقب میں جانے والے سواروں کے جو گھوڑے تھے وہ فوجی گھوڑے تھے جنہیں بڑی اچھی خوراک ملتی تھی اور تھے بھی وہ اعلیٰ نسل کے گھوڑے۔ تھوڑی ہی دُور جا کر ان گھوڑوں نے اگلے سواروں کے ساتھ فاصلہ بہت ہی کم کر دیا۔

اگلے دونوں سوار ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گئے۔ ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف چلا گیا۔ ان کے تعاقب میں جانے والوں کی تعداد چھ تھی۔ انہوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو پھیلا دیا یعنی تین ایک طرف اور تین دوسری طرف ہو گئے اور گھیرا ڈالنے کے انداز سے ان کے پیچھے گئے۔ اُن دونوں سواروں نے بچ نکلنے کے لئے گھوڑوں

کو انتہائی تیز رفتار کر لیا لیکن فوجی گھوڑے اُن پر جا پہنچے۔

"زندہ پکڑنا ہے" — مزمل نے بڑی ہی بلند آواز سے اپنے ساتھیوں سے کہا — "پکڑے نہ جائیں تو زخمی کر کے گرا لو، قتل نہیں کرنا"۔

ایک سوار گھیرے میں آ کر رُک گیا۔ اُس نے تلوار نکال لی اور تعاقب میں جانے والوں نے بھی تلواریں نکال لیں لیکن اس آدمی نے مقابلہ نہ کیا بلکہ تلوار اپنے دل کے مقام پر رکھ کر ایسی دہائی کہ آدھی تلوار اس کے جسم میں داخل ہوئی اور پیچھے سے اُس کی نوک باہر آ گئی۔ وہ گھوڑے سے گرا اور جب اُسے جا کر دیکھا تو اُس نے اتنا ہی کہا کہ تم کسی فدائی کو زندہ نہیں پکڑ سکو گے اور پھر اس کے ساتھ ہی اُس نے آخری سانس لی اور مر گیا۔

اس کا ساتھی بھی گھیرے میں آ گیا تھا لیکن اُس نے تلوار تو نکالی، خودکشی نہ کی بلکہ مقابلے میں اُتر آیا۔ پہلے تو اس کا مقابلہ تین سواروں کے ساتھ تھا۔ اس نے گھوڑے کی پیٹھ پر جس طرح گھوڑے کو گھما پھرا کر پینترے بدلے اور تلوار گھمائی اس سے پتہ چلا کہ یہ بڑا ہی ماہر تیغ زن ہے۔ اُس نے ایک آدمی کو زخمی بھی کر دیا لیکن زخم شدید نہ تھا۔

تین سواروں نے گھوم گھوم کر اس پر وار کئے لیکن وہ ہر وار بچا گیا حتیٰ کہ اُس کا گھوڑا ذرا سا زخمی ہو گیا۔ توقع تھی کہ گھوڑا زخمی ہو کر بھاگ اُٹھے گا اور سوار کے قابو سے نکل جائے گا لیکن سوار نے اسے قابو میں رکھا۔ وہ شخص دراصل جان کی بازی لگائے ہوئے تھا۔ اُسے آخر مارے ہی جانا تھا لیکن وہ اس کوشش میں تھا کہ جاتے جاتے دو تین آدمیوں کو بھی لیتا جائے۔

پہلے تو اس کا مقابلہ تین آدمیوں کے ساتھ تھا۔ اُن کے ساتھی نے اپنے آپ کو خود ہی قتل کر لیا تھا اس لئے جو تین آدمی اس کی طرف گئے تھے وہ بھی اِدھر آ گئے اور اب یہ اکیلا سوار چھ آدمیوں کے گھیرے میں آ گیا تھا اور مزمل نے ایک بار پھر کہا کہ اسے زندہ پکڑو۔

اب یہ چھ کے چھ آدمی اس کوشش میں تھے کہ یہ سوار خودکشی کے لئے اپنی تلوار اپنے پیٹ پر رکھے تو فوراً جھپٹ کر تلوار چھین لی جائے لیکن وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کر رہا تھا بلکہ جم کر اور پینترے بدل بدل کر چھ گھوڑ سواروں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اُسے زخم آ چکے تھے اور یہ سب زخم اُس کی ٹانگوں پر تھے۔ یہ چھ تیغ زن سوار اس کوشش میں تھے

Scanned by iqbalmt

کہ اسے جان سے نہ مارا جائے اور اتنا سا زخمی کر دیا جائے کہ گر بھی پڑے اور زندہ بھی رہے۔

آخر یوں ہُوا کہ مزمّل کے ایک سوار نے پیچھے سے آکر اُس کی تلوار والا ہاتھ زخمی کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اُسے ایسا پکڑا کہ گھوڑے سے گرا دیا۔ تین چار سواروں نے اُتر کر اُس پر قابو پا لیا۔ انہوں نے دوسرا کام یہ کیا کہ اسی کی چادر پھاڑ کر اُس کے زخموں پر باندھ دی تاکہ وسم کوہ تک اس کا خون اتنا نہ نکل جائے کہ وہ زندہ ہی نہ رہ سکے۔ اُسے اُسی کے گھوڑے پر ڈال دیا گیا۔ اُس پر غشی طاری ہو چکی تھی۔ اس کے دوسرے ساتھی کا گھوڑا بھی پکڑ لیا گیا اور اُس کی لاش وہیں پڑی رہنے دی۔

جب یہ قافلہ واپس وسم کوہ کے قریب آیا تو بن یونس کو ایک احتیاط کا خیال آگیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وسم کوہ میں اور باطنی بھی ہوں گے۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ ان کے دو ساتھی اَلمَوت روانہ ہو گئے ہیں۔ احتیاط یہ کرنی چاہئے کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اَلمَوت جانے والوں میں سے ایک مارا جا چکا ہے اور دوسرے کو زخمی کر کے پکڑ لائے ہیں۔

بن یونس نے بڑی اچھی بات سوچی تھی لیکن ان کے پاس کوئی ایسا کپڑا نہیں تھا جس سے اس باطنی کو چھپا لیتے۔ مزمّل نے اپنے ساتھیوں کو وہیں روک لیا اور ایک سے کہا کہ وہ وسم کوہ جائے اور وہاں سے ترپال یا کمبل یا بڑے سائز کی دو بوریاں لے آئے.... اس سوار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

وسم کوہ کوئی دُور نہیں تھا' وہ سامنے نظر آ رہا تھا۔ سوار دو بڑی بوریاں لے کر واپس آگیا۔ بے ہوش باطنی کو اس طرح دو بوریوں میں بند کر کے گھوڑے پر ڈال لیا گیا جیسے یہ کوئی سامان ہو۔ یہ قافلہ چل پڑا اور وسم کوہ میں داخل ہُوا اور وہاں سے سالار اوریزی کے ہاں جا پہنچا۔ انہوں نے زخمی باطنی کو گھوڑے سے اُتارا اور اندر ایک کمرے میں لے گئے۔ اُس سے بوریاں اُتار دیں اور جب سالار اوریزی نے دیکھا تو فوراً" حکم دیا کہ جرّاح اور طبیب کو لایا جائے۔

○

طبیب اور جرّاح آئے تو سالار اوریزی نے انہیں بتایا کہ یہ بے ہوش زخمی باطنی ہے اور اس کے سینے کے راز نکالنے ہیں۔ جرّاح نے کہا کہ پہلے اس کے زخموں کا

بندوبست کریں گے تاکہ خون رک جائے ورنہ یہ خون نکل جانے سے ہی مر جائے گا۔

"خون نکل جانے دو" — بوڑھے طبیب نے کہا — "اس کے جسم میں اتنا ہی خون رکھا جائے گا جو اسے زندہ رکھے گا۔ اس کا زیادہ سے زیادہ خون نکل جانا چاہئے"۔

جرّاح نے اور باقی سب نے حیرت زدگی کے عالم میں طبیب کی طرف دیکھا۔ وہ اتنا ہی جانتے تھے کہ خون نکل جانے سے انسان مر جاتا ہے لیکن طبیب کا تجربہ کچھ اور کہتا تھا۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ یہ باطنی ہے اور اس کے سینے سے راز نکالنے ہیں۔ باطنی اپنی جان دے دیا کرتے تھے' راز نہیں دیتے تھے۔ طبیب جانتا تھا کہ باطنیوں کے خون میں حشیش کے علاوہ نہ جانے کیسی کیسی جڑی بُوٹیوں کے اثرات شامل ہوتے ہیں۔ اُس نے کچھ عرصہ گزرا مَرو میں دو باطنیوں کا یہی علاج کیا تھا کہ وہ اتفاق سے زخمی تھے اور طبیب نے ان کا خون بہہ جانے دیا تھا اور پھر انہیں ایسی غذا اور ایسی دوائیاں دیتا رہا تھا کہ نیا خون پیدا ہُوا تو وہ باطنی راز دینے پر آگئے تھے۔ اس باطنی پر بھی طبیب وہی طریقہ آزما رہا تھا۔ اس طبیب نے کوئی جڑی بُوٹی دریافت بھی کر لی تھی جو ذہن کو نارمل حالت میں لے آتی تھی اور جسم پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے تھے۔

"کیا خون نکل جانے سے یہ مر نہیں جائے گا؟" — سالار اوریزی نے پوچھا۔

"میں زندگی اور موت کی ضمانت نہیں دے سکتا" — طبیب نے کہا — "میں صرف یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ یہ زندہ رہ گیا تو آپ اسے بدلے ہوئے روپ میں دیکھیں گے اور اگر اس کے زخم فوراً" ٹھیک کر دیئے گئے اور یہی خون اس کے جسم میں رہا تو پھر آپ ایذا رسانی کے ذریعے اس کی جان لے سکتے ہیں' راز نہیں"۔

سب خاموش ہو گئے اور طبیب نے زخمی کے منہ میں قطرہ قطرہ پانی ٹپکانا شروع کر دیا۔ اس پانی میں اُس نے دوائی ملا دی تھی۔ کچھ دیر پانی پلا کر اُس نے زخمی کے منہ میں وہ دودھ ٹپکانا شروع کر دیا جس میں شہد ملا ہُوا تھا۔ زخمی کے زخموں سے خون اُمڈتا ہی چلا آ رہا تھا۔ وہ تنومند جوان تھا اور اس کے جسم میں سیروں کے حساب سے خون موجود تھا۔

○

سورج غروب ہو رہا تھا جب طبیب نے اپنی انگلیاں زخمی کی نبض پر رکھ دیں۔ زخمی کے چہرے کا رنگ ایسا پھیکا پڑ گیا تھا جیسے اس کی زندگی کا بھی سورج غروب ہو رہا ہو۔ اس کے زخموں کے نیچے ایک خاصا بڑا برتن رکھا ہوا تھا' وہ بھر چکا تھا.... طبیب نے جرّاح سے

Scanned by iqbalmt

کہا کہ اب وہ اس کے زخموں کی مرہم پٹی کر دے تاکہ مزید خون نکلنا بند ہو جائے۔ زخمی بے ہوش تھا اور اب اس کی سانسوں کا تسلسل کمزور سا ہو گیا تھا۔ جراح نے زخموں کو صاف کر کے مرہم پٹی شروع کر دی۔

دوائیاں لگا کر پٹیاں باندھ دی گئیں تو طبیب نے ایک بار پھر زخمی کے منہ میں پانی ٹپکانا شروع کر دیا جو اس کے حلق سے اُترتا چلا جا رہا تھا۔ یہ ثبوت تھا کہ وہ زندہ ہے اور پانی قبول کر رہا ہے ورنہ پانی اس کے منہ سے واپس نکلنا شروع ہو جاتا۔ اس طرح خاصا پانی ٹپکا کر طبیب نے پھر اُسے شہد ملا دودھ قطرہ قطرہ دینا شروع کر دیا۔

"بہتر ہے آپ سب اپنے اپنے کام کاج میں لگ جائیں" — طبیب نے کہا — "اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے جائیں اور آرام کریں۔ یہ کل دوپہر کے بعد شاید ہوش میں آئے گا اور اب میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ اللہ کی رضا سے زندہ رہے گا"۔

وہ رات گزر گئی' اگلا دن بھی گزر گیا اور پھر ایک رات اور آ گئی۔ طبیب اس دوران زخمی کے منہ میں کچھ نہ کچھ ٹپکاتا رہا۔ اس میں شہد ملا دودھ بھی تھا' دوائی ملا پانی بھی تھا اور کچھ اور دوائیاں بھی تھیں اور وہ زخمی کے زخموں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ ان سے خون تو نہیں نکل رہا.... خون بند ہو چکا تھا اور اب زخمی کے منہ میں طبیب کچھ ٹپکاتا تھا تو زخمی اپنا منہ خود ہی کھول دیتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہوش میں آ رہا ہے لیکن اس قدر کمزوری محسوس کر رہا ہے کہ اس سے بولا بھی نہیں جاتا۔

وہ رات گزری اور اس رات کے بطن سے جس صبح نے جنم لیا' وہ صبح امید افزا ثابت ہوئی۔ زخمی نے بڑی ہی نحیف آواز میں پوچھا' میں کہاں ہوں!

"اپنے عزیزوں کے پاس!" — طبیب نے کہا — "دل پر کوئی غم اور بوجھ نہ رکھو۔ تم وہاں ہو جہاں تمہارے لئے پیار ہی پیار ہے"۔

○

زخمی ابھی اتنا کمزور تھا کہ وہ اُٹھ بیٹھ نہیں سکتا تھا لیکن وہ ہوش و حواس میں آ گیا تھا۔ طبیب اس کی ہر حرکت بڑی غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں دائیں بائیں گھومتی تھیں اور آنکھوں کی اِن حرکات کو بھی طبیب بڑی اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ طبیب کے انداز میں ایسی شفقت تھی جس کا اظہار زخمی زبان سے تو نہیں کرتا تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات سے معلوم ہوتا تھا جیسے متاثر تو ہو رہا ہے لیکن یہ سمجھ نہیں پا

رہا کہ وہ ہے کہاں!

ایک دن اور ایک اور رات گزر گئی جب سے زخمی یہاں آیا تھا' تین مرتبہ اُس کے زخموں کی پٹی بدلی گئی تھی اور اب خون نہیں نکلتا تھا۔ وہ بیٹھنے لگا اور اُسے مقوی غذائیں دی جانے لگیں جو وہ اپنے ہاتھ سے کھاتا تھا۔

طبیب نے مزمّل آفندی' بن یونس اور باقی ان افراد کو جن کا زخمی کے کمرے میں جانے کا امکان تھا' خصوصی ہدایات دے دی تھیں کہ زخمی کے ساتھ اُن کا رویہ اور باتیں کس قسم کی ہوں گی۔ جب طبیب نے دیکھا کہ اب زخمی کے ہوش و حواس بحال ہو گئے ہیں اور صرف جسمانی کمزوری ہے تو اُس نے سالار اوریزی اور دو تین اور افراد کو کمرے میں آنے کی اجازت دے دی۔ زخمی کا ردِعمل یہ تھا کہ وہ حیرت سے ہر فرد کو دیکھتا اور اس کے ماتھے پر شکن آ جاتے جیسے وہ اپنے آپ سے پوچھ رہا ہو کہ یہ کون لوگ ہیں اور اسے اس سوال کا جواب نہ مل رہا ہو۔ زخمی سالار اوریزی کو اچھی طرح جانتا تھا اور تقریباً" ہر روز اُسے دیکھتا تھا۔ مزمّل آفندی اور بن یونس سے بھی وہ واقف تھا اور جب عبید عربی اُس کے سامنے آیا تو بھی وہ سوچ میں گم ہو گیا کہ اس جواں سال خوبرو آدمی کو کہاں دیکھا تھا۔

"میں شاید ایک بڑے ہی حسین خواب سے بیدار ہُوا ہوں" — زخمی نے کہا — "میں خواب میں ایک بہت ہی خوبصورت اور بڑی ہی خوشنما جگہ دیکھ رہا تھا جس میں حسین اور نوجوان لڑکیاں بھی تھیں اور کہتے تھے یہ جنّت ہے اور یہ حوُریں ہیں.... معلوم نہیں وہ خواب تھا یا یہ خواب ہے جو میں دیکھ رہا ہوں" — اُس نے کچھ دیر سوچ کر جھنجلاہٹ کے لہجے میں کہا — "میں خواب اور حقیقت میں اُلجھ کر رہ گیا ہوں"۔

طبیب نے اُسے ایک دوائی دی جس کے اثر سے وہ سو گیا۔ طبیب نے الگ جا کر سالار اوریزی وغیرہ سے کہا کہ اب یہ جواں سال باطنی ہمارے قبضے میں آ گیا ہے۔ اگر میں کامیاب نہ ہوتا تو یہ تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوتا اور مقابلے پر اُتر آتا۔ اس کے ذہن سے زخمی ہونے سے پہلے کی زندگی کی ہر بات نکل گئی ہے۔ اب اس سے پوچھنا ہے کہ وہاں کیا ہوتا تھا اور وہ یہاں کیا کرتا تھا۔

یہ تبدیلی اُسی رات سامنے آ گئی۔ زخمی کو بدستور مقوّی غذا کھلائی جا رہی تھی۔ طبیب نے اسے دوائیاں بھی دیں اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ زخمی پچھلی زندگی کی باتیں

Scanned by iqbalmt

یوں ذہن پر زور دے دے کر یاد کرتا تھا جیسے اُس نے واقعی خواب دیکھا تھا۔ زخمی چُپ ہو گیا اور خلاؤں میں گھُورنے لگا جیسے اُسے کوئی خاص بات یاد آ گئی ہو یا وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"وہ میری بہن تھی" — زخمی نے کہا اور اُس کے چہرے کا رنگ سُرخ ہو گیا جو غصے کی علامت تھی۔ اس نے غضبناک آواز میں کہا — "وہ میری بہن تھی اور میں اُس کے ساتھ.... نہیں.... نہیں.... میں اس شیطان کو قتل کر دوں گا"۔

وہ بے قابو ہو چلا تھا' طبیب اور سالار اوریزی نے پیار اور محبت اور شفقت سے اُسے ٹھنڈا کر لیا اور پوچھا کہ وہ اصل بات بتائے اور حسن بن صباح کو قتل کرنے کا انتظام وہ خود کریں گے۔

اُسے سب کچھ یاد آ گیا تھا۔ اس کی ایک بہن تھی جو اُسے یاد آئی تو اس کا ذہن بیدار ہو گیا اور زخمی ہونے سے پہلے کی ساری زندگی اُس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ اُس نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ وہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ قلعہ اَلمُوت حسن بن صباح کو یہ اطلاع دینے جا رہا تھا کہ ہمارے دو آدمی اس شخص نے پکڑوا کر مروا دیئے ہیں جسے اَلمُوت سے سالار اوریزی کو قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہ جس انداز اور جس لہجے میں بات کر رہا تھا اس میں رنج و ملال تھا' تاسف بھی تھا اور کچھ عتاب بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ اُس کا باپ حسن بن صباح کا ایسا مرید تھا کہ اسے خدا کا بھیجا ہُوا نبی سمجھتا تھا۔ اس کی عمر پندرہ سولہ سال تھی اور اس کی ایک چھوٹی بہن تھی جس کی عمر تیرہ سال تھی۔ ان کی ماں فوت ہو گئی۔

وہ اور اس کی بہن اپنے باپ کے لئے مسئلہ بن گئی۔ باپ نے دوسری شادی نہ کی اور ایک روز وہ اسے اور اس کی بہن کو ساتھ لے کر اَلمُوت چلا گیا۔ یہ لوگ بغداد کے رہنے والے تھے۔

باپ نے اَلمُوت جا کر اُسے اور اس کی بہن کو حسن بن صباح کے سامنے پیش کر دیا اور التجا کی کہ امام اس کے بچوں کو قبول کر لے اور یہ اس کے لئے بڑی سعادت ہو گی۔ اس کی بہن بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ باپ ان دونوں کو حسن بن صباح کے حوالے کر کے وہاں سے آ گیا۔

بہن بھائی کو پہلے اپنی ماں یاد آیا کرتی تھی' اب باپ بھی یاد آنے لگا اور پھر گھر کی یاد

بھی ستانے لگی لیکن یہ کیفیت صرف دو تین دن رہی۔ وہاں حسن بن صباح کے استادوں نے ان دونوں کی ایسی برین واشنگ کی کہ وہ اپنی ماں' باپ اور گھر کو بھول گئے۔ انہیں الگ الگ کر دیا گیا تھا۔ یہ تو انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ انہیں جو شاہی کھانے کھلائے جا رہے ہیں ان کھانوں میں حشیش کے علاوہ اور بھی اشیاء ملی ہوئی ہوتی ہیں جو انسان کی سوچ اور فکر اور شخصیت کو ہی بدل دیتی ہیں۔ اس شخص کو اپنی بہن کے ساتھ بہت ہی پیار تھا لیکن بہن کو اس سے الگ کر دیا گیا تو اس نے ذرا سا بھی محسوس نہ کیا کہ اس کی بہن اب اس کے ساتھ نہیں اور نہ جانے اُسے کہاں لے گئے ہیں۔ وہ نہ سمجھ سکا کہ حسن بن صباح انسانی فطرت سے بڑی اچھی طرح واقف ہے۔ وہ جانتا تھا کہ فدائی اُس وقت بننے شروع ہوتے ہیں جب عقل اور روح ابھی کچی ہوتی ہے اور پھر فدائی اس وقت بنتے ہیں جب ان تمام اعمال کی نہ صرف اجازت دے دی جاتی ہے بلکہ ان کا ارتکاب لازمی قرار دے دیا جاتا ہے جن میں لذت اور لطف ہوتا ہے۔ وہ دراصل یہ بیان کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اَلمُوت میں انسانوں کے ضمیر مار دیئے جاتے ہیں۔ ضمیر کے احتجاج اور ردِعمل کو دبانے کے لئے ہی وہاں حشیش پلائی جاتی تھی اور گناہوں کا نشہ بھی طاری کر دیا جاتا تھا۔ اصل نشہ تو ان حسین اور نوجوان لڑکیوں کا ہوتا تھا جنہیں اس جنت کی حُوریں کہا جاتا تھا اور انہیں خاص تربیت دی جاتی تھی۔ ان لڑکیوں کی بھی برین واشنگ کی ہوئی ہوتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو سچ مچ جنت کی حُوریں سمجھتی تھیں۔ حسن بن صباح کے عقیدے کی بنیاد یہ تھی کہ جو بات یا جو عمل اور فعل دل کو اچھا لگے کر گزرو۔

اُس نے بتایا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد اُس کے دل سے خون کے رشتوں کا تقدس صاف ہو گیا۔ کسی فدائی کو کہا جاتا کہ اپنی ماں کا گلا کاٹ دو یا اپنے باپ کو قتل کر دو تو وہ یوں اپنی ماں اور اپنے باپ کو قتل کر دیتا تھا جیسے وہ اس کے بدترین دشمن تھے اور وہ ان دونوں کو قتل کرنے کے لئے ہی پیدا ہُوا تھا۔ حسن بن صباح نے بعض بیٹوں کے ہاتھوں اپنے باپوں کو قتل کروایا' بعض باپوں نے حسن بن صباح کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے بیٹوں کو قتل کر دیا تھا۔

اس باطنی نے جس نے اپنا نام ابنِ مسعود بتایا تھا ایک بڑی ہی تکلیف دہ بات سنائی۔ اُس نے کہا کہ ساڑھے چار پانچ سال بعد جب وہ پکا فدائی بن چکا تھا' اسے جو حُور دی گئی وہ اس کی سگی چھوٹی بہن تھی۔ ان دونوں کی ذات میں یہ احساس بیدار ہُوا ہی نہیں کہ یہ

Scanned by iqbalmt

بہن بھائی ہیں۔ ابنِ مسعود کا یہ احساس دم کوہ میں آٹھ نو سال بعد بیدار ہوا تھا جب طبیب نے اس کے ذہن کو بیدار کر دیا تھا۔ اُس کا خون ایک بار پھر جوش میں آگیا اور وہ مُٹھیاں بھینچ کر اور دانت پیس کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"میں حسن بن صباح کو قتل کروں گا" ۔۔۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "پھر میں اُسی خنجر سے اپنے آپ کو مار لوں گا"۔

"بیٹھ جاؤ ابنِ مسعود!" ۔۔۔ طبیب نے کہا ۔۔۔ "تمہاری یہ خواہش اور یہ ارادہ بھی پورا ہو جائے گا لیکن ابھی اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ تمہارے زخم ابھی کچے ہیں۔ اگر تم نے خون کو یوں گرمایا اور اتنا ابال دیا تو زخم کُھل سکتے ہیں پھر تم کچھ نہیں کر سکو گے"۔

سالار اوریزی نے بھی اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے تسلیاں دیں کہ وہ بھی یہی کام کرنا چاہتے ہیں اور وہ صرف حسن بن صباح کو ہی قتل نہیں کریں گے بلکہ اَلموُت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اس طرح دوسروں نے بھی کچھ نہ کچھ کہہ کر اسے ٹھنڈا کر لیا۔

وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ حسن بن صباح کو اپنے ہاتھوں قتل کرے گا اور اپنی بہن کو وہاں سے واپس لے آئے گا۔ ایک بار تو اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی بہن کا سامنا بھی نہیں کر سکے گا اور وہ بہن کو بھی قتل کر دے گا۔

اس سے پوچھا گیا کہ فدائی بن کر وہ کیا کام کیا کرتا تھا.... اُس نے اپنے اُن کاموں کی تفصیل سنائی جو اس سے گزرے ہوئے چھ سات برسوں کے عرصے میں کروائے گئے تھے۔ یہ پُراسرار غارت گری اور عیش و عشرت کی روئیداد تھی۔ اُس نے کہا کہ قتل کرنا اور پھر قتل ہو جانا اور سینے میں خنجر اُتار لینا ایسے ہی تھا جیسے کوئی آدمی سو گیا اور جاگ اٹھا اور پھر سو گیا۔ اس نے بتایا کہ اَلموُت میں انسان کو اُس مقام پر پہنچا دیتے ہیں جہاں وہ خود کُشی میں بھی لذّت محسوس کرتا ہے۔

"اس کے بعد مجھے قافلے لُوٹنے کا کام دے دیا گیا تھا" ۔۔۔ ابنِ مسعود نے کہا ۔۔۔ "میں آج پہلی بار محسوس کر رہا ہوں اور اپنے آپ پر لعنت بھیجتا ہوں کہ میں درندوں سے بڑھ کر ظالم تھا اور میں نے معصوم بچّوں اور بے گناہ مردوں اور عورتوں کا خون بہایا ہے۔ ہم قافلوں پر اس طرح جھپٹ پڑتے تھے جس طرح بھیڑیے بھیڑوں کے ریوڑ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ہم بھیڑیوں سے کم نہ تھے۔ کوئی آدمی ذرا سی بھی مزاحمت کرتا یا یہ شک ہوتا کہ یہ مزاحمت کرے گا ہم اس کے سینے میں خنجر اُتار دیا کرتے تھے۔ میں نے

ہوں کی گودیوں سے بچے اور بچیاں لوچی ہیں۔ ہمارے لئے حکم تھا کہ کوئی خوبصورت بچہ اور کوئی خوبصورت بچی نظر آئے تو اُسے اٹھا لاؤ۔ ہم قافلے کو لوٹ کر واپس آتے تو پیچھے خون کی ندی چھوڑ آتے تھے۔ کچھ دُور تک ہمیں چیختی چلاتی ماؤں اور دھاڑیں مار مار کر روتے آدمیوں کی جگر پاش آوازیں سنائی دیتی تھیں جو ہمارے گھوڑوں کے ٹاپوں میں دب جاتی تھیں۔ ہمیں اس کامیابی پر اس قدر خوشی ہوتی تھی کہ ہم چیختے اور چلاّتے تھے۔ ہمارے ساتھ قافلے سے اٹھائی ہوئی چند ایک نوجوان لڑکیاں بھی ہوتی تھیں۔ ہم ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور عیش موج کر کے جشن مناتے تھے.... مجھے آج یہ بھی یاد نہیں کہ کتنے انسان میرے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں۔ کیا وہ سینکڑوں میں تھے یا ہزاروں میں، مجھے کچھ یاد نہیں.... میں نے یہ قتل و غارت نشے کی حالت میں کی تھی اور کبھی یوں لگتا ہے جیسے وہ ایک خواب تھا اور اس کی کوئی حقیقت نہیں تھی اور اب میں بیدار ہوں لیکن وہ حقیقت تھی۔ مجھے درندہ بنا دیا گیا تھا اور میں اس میں روحانی لذّت محسوس کرتا تھا.... اب میں انتقام لوں گا۔ مجھے جنہوں نے قاتل بنایا تھا، اب میں انہیں قتل کروں گا"۔

"تم اکیلے یہ کام نہیں کر سکو گے" ۔۔۔ سالار اوریزی نے کہا ۔۔۔ "قتل کرنے جاؤ گے اور جاتے ہی خود قتل ہو جاؤ گے۔ ہم تمہیں بار بار کہتے ہیں کہ یہ ہمارا کام ہے۔ ہم اس اڈے کو ہی اکھاڑ پھینکیں گے جہاں قاتل تیار کئے جاتے ہیں اور معصوم بچّوں کو گناہوں کی وادیوں میں چھوڑ دیا جاتا ہے اور جہاں بہن بھائی کا مقدّس رشتہ بھی دم توڑ جاتا ہے.... انتقام لینے کے لئے کوئی خاص طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ تم صرف یہ بتا دو کہ یہاں دم کوہ میں کون کون باطنی ہے اور فدائی کون کون ہے۔ ان کی نشاندہی کرو اور ہم پہلے انہیں پکڑتے ہیں اور تلوار تمہارے ہاتھ میں دیں گے کہ یہ لو ان کی گردنیں اُڑا دو"۔

ابنِ مسعود نے تین مکان بتائے اور کچھ لوگوں کے نام بھی لئے۔ سالار اوریزی نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلایا اور ان مکانوں پر چھاپہ مارنے کے لئے کچھ ضروری ہدایات دیں۔ اُس نے کہا کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو۔

چھاپہ مار دستہ فوراً گھوڑوں پر سوار ہُوا اور ان تینوں مکانوں پر بیک وقت چھاپہ مارا گیا۔ ان تینوں مکانوں میں سے جو افراد پکڑے گئے ان میں تین جوان سال اور بڑی خوبصورت عورتیں تھیں، سات آدمی تھے اور بچہ ایک بھی نہ تھا۔ ان کو پکڑنے کے لئے

Scanned by iqbalmt

بڑھے تو ان میں سے چار نے خنجر نکال لئے لیکن وہ مقابلے پر نہ آئے بلکہ خنجر اپنے دلوں میں اُتار لئے اور گرفتاری سے بچ کر دنیا سے ہی اُٹھ گئے۔ دو آدمیوں نے بڑے آرام سے اپنے کپڑوں کے اندر سے کچھ نکالا اور منہ میں ڈال لیا۔ وہ وہیں کھڑے رہے۔ چھاپہ مارنے والے انہیں پکڑنے کو آگے بڑھے تو وہ بڑے اطمینان سے خود ہی آگے آگئے اور چھاپہ ماروں نے انہیں گرفتار کر لیا لیکن چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ وہ گر پڑے اور مر گئے۔ انہوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی تھی۔

تین عورتیں جو پکڑی گئی تھیں' ان کے چہروں پر ذرا سا بھی کوئی خوف یا ملال نہ تھا بلکہ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سی مسکراہٹیں تھیں۔ تینوں مکانوں میں سے کچھ مقدار حشیش کی اور کچھ جڑی بوٹیاں برآمد ہوئیں اور سونے کی شکل میں خاصا مال ملا۔ اس کے علاوہ خنجر تلواریں اور تیر و کمان ملے۔

صرف ایک آدمی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ چھاپہ مار اس گھر میں داخل ہوئے تو وہ جوان سال آدمی بالائی منزل کے ایک کمرے میں سے نکلا۔ اُس نے نیچے دیکھا اور چھت سے اس طرح کُودا کہ منڈیر سے لٹکا اور گلی میں کود گیا۔ ایک چھاپہ مار اُسے پکڑنے کے لئے باہر کو دوڑا لیکن وہ جوان سال باطنی چھاپہ ماروں کے کھڑے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے پر کُود کر سوار ہُوا اور ایڑ لگا دی۔ جتنی دیر میں اُسے پکڑنے والا چھاپہ مار اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اتنی دیر میں وہ باطنی دُور نکل گیا تھا۔ چھاپہ مار کچھ دُور تک اس کے تعاقب میں گیا لیکن وہ بہت ہی فاصلہ طے کر گیا تھا اور اب اُس کے پیچھے جانا بے کار تھا۔

سات ہی آدمی ہاتھ آئے تھے جن میں سے چھ نے خودکشی کر لی اور ساتواں بھاگ نکلا۔ پیچھے تین عورتیں رہ گئیں جنہیں سالار اوریزی کے حوالے کر دیا گیا۔ سالار اوریزی نے ان سے پوچھا کہ وہ ان کی بیویاں تھیں اور وہ یہاں کیا کرتی تھیں۔

"ہم میں سے کوئی بھی کسی کی بھی بیوی نہیں تھی" — ان تینوں میں سے ایک نے پُراعتماد لہجے میں کہا — "ہم ان سب کی داشتائیں تھیں اور ان کی تفریح کا ذریعہ' ہمارا کوئی اور کام نہیں تھا۔ ہم صرف یہ بتا سکتی ہیں کہ قتل کی باتیں ہوتی رہتی تھیں اور پھر یہ پتہ چلا کہ عبید عربی نام کے ایک آدمی نے بھانڈہ ہی پھوڑ دیا ہے"۔

ان عورتوں سے راز لینے کی بہت کوشش کی گئی لیکن وہ کچھ بھی نہ بتا سکیں' اور

آخر اسی کو سچ مان لیا گیا کہ یہ کچھ بھی نہیں جانتیں۔

○

یہ سارا واقعہ بہت بڑا کارنامہ تھا جو خواہ کسی نے ہی سرانجام دیا تھا' یہ سالار اوریزی کے کام آیا۔ اتنی بڑی کامیابی کو وہ اپنے تک ہی محدود نہیں رکھ سکتا تھا۔ اُس نے سلطان محمد کو اطلاع دینے کے لئے ایک قاصد مَرو بھیج دیا۔ دوسرا قاصد سنجر کی طرف شاہ در بھیجا۔ سنجر بھی سلطان ہی تھا۔

سالار اوریزی کا قاصد سلطان محمد کے پاس پہنچا اور پیغام سنایا تو سلطان محمد کچھ دیر قاصد کو دیکھتا رہا جیسے اُسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ہو یا جیسے وہ قاصد کی بات نہ سمجھ سکا ہو۔ اسے توقع نہیں تھی کہ کہیں سے اس قسم کی خبر بھی آئے گی کہ حسن بن صباح کے ایسے آدمی بھی پکڑے جائیں گے اور راز فاش کر دیں گے جو پتھر دل تھے۔ سلطان محمد کی حیرت زدگی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک دو روز پہلے اُسے سنجر نے پیغام بھیجا تھا کہ بہت بڑا خزانہ ہاتھ آیا ہے۔ اس خزانے کے ساتھ دوسری اچھی خبر یہ تھی کہ حسن بن صباح کے دو بڑے ہی تجربہ کار تخریب کار پکڑے گئے اور انہیں مگرمچھوں نے کھا لیا تھا۔

اُس وقت حسن بن صباح کی سلطنت دُور دُور تک پھیل گئی تھی اور وہ اس سلطنت کا بے تاج بادشاہ تھا۔ کم و بیش ایک سو چھوٹے اور بڑے قلعے باطنیوں کے قبضے میں تھے۔ یہ کوئی باقاعدہ سلطنت نہیں تھی' یہ حسن بن صباح کے اثرات تھے جو لوگوں نے اس انداز سے قبول کر رکھے تھے کہ حسن بن صباح دلوں پر راج کرتا تھا۔ تاریخ نویسوں نے بھی اس کے زیر اثر علاقوں کو اُس کی سلطنت ہی لکھا ہے..... اتنی بڑی سلطنت میں حسن بن صباح کے دو چار تخریب کاروں اور فدائیوں کا مارے جانا کوئی ایسا نقصان نہیں تھا کہ حسن بن صباح کے بازو اور اس کے اثرات کمزور ہو جاتے۔ اُس کے پاس پچاس ہزار سے زائد فدائی تھے لیکن نُور کے باپ نے جس طرح خزانہ حاصل کر لیا تھا اور اس کے تخریب کاروں کو مگرمچھوں کے حوالے کر دیا تھا اور پھر عبید عربی نے جو پردے اٹھائے اور اور دو باطنیوں کو سزائے موت دلوائی تھی اور پھر ابن مسعود کا واقعہ تھا' اس سے یہ فائدہ ہوا کہ سلطان محمد' سلطان سنجر اور سالار اوریزی اور ان کے دیگر سالاروں کے حوصلوں میں جان آ گئی اور ان سب نے ان واقعات کو خدائی اشارہ سمجھا کہ فتح حق پرستوں کی ہو گی۔

Scanned by iqbalmt

اُدھر الموت میں دسم کوہ سے بھاگا ہُوا باطنی حسن بن صباح کے پاس پہنچا اور اُسے بتایا کہ دسم کوہ میں کیا انقلاب آگیا ہے۔ اس نے تفصیل سے سنایا کہ عبید عربی جو سالار اوریزی کو قتل کرنے گیا تھا' اُس نے اپنے ہی دو آدمی سالار اوریزی سے قتل کروا دیئے ہیں اور پھر ایک اور پرانے فدائی ابن مسعود نے دسم کوہ کے تمام باطنیوں کو پکڑوا دیا ہے لیکن وہ پکڑے نہیں گئے بلکہ انہوں نے خودکشی کرلی ہے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ حسن بن صباح اس قسم کی خبروں سے کبھی پریشان نہیں ہُوا تھا لیکن اب اسے ایسی کوئی خبر ملتی تھی تو وہ گہری سوچ میں کھو جاتا اور اُس کے چہرے پر رنج و الم کا تاثر آ جاتا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو عمر تھی۔ وہ خاصا بوڑھا ہو چکا تھا۔ دوسری وجہ اُس کے پریشان ہونے کی یہ تھی کہ اُس نے ابھی تک اپنی فوج نہیں بنائی تھی۔ فوج سے مراد تربیت یافتہ لشکر تھا جسے وہ میدانِ جنگ میں لڑا سکتا۔ اُس کے پاس فدائیوں کی کوئی کمی نہیں تھی اور اس کے فدائی اُس کے اشارے پر اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے تھے لیکن وہ صرف چھُری چاقو چلانا جانتے تھے اور لوگوں کو دھوکے میں لا کر قتل کرنے کے فن کے ماہر تھے۔ اُس نے تھوڑے عرصے سے اپنے مشیروں اور مصاحبوں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ باقاعدہ فوج تیار کی جائے جو باقاعدہ جنگ کی تربیت یافتہ ہو۔ وہ مشیروں سے کہتا تھا کہ سلجوقی ایک نہ ایک دن الموت پر حملہ ضرور کریں گے۔ بے شک الموت کا قلعہ ناقابلِ تسخیر تھا۔ ایک تو وہ وسیع و عریض چٹان پر بنایا گیا تھا اور اُس کے تین طرف دریا تھا لیکن وہ بے خبر نہیں تھا کہ مسلمان قربانی دینے پر آ گئے تو وہ اس قلعے میں داخل ہو جائیں گے۔

اُس نے اسی وقت اپنے مشیروں وغیرہ کو بلایا اور بتایا کہ دسم کوہ میں کیا ہُوا ہے اور ایسا انتظام ہونا چاہئے کہ کوئی پیروکار اس طرح غداری نہ کرے۔ کچھ دیر صلاح مشورے اور بحث مباحثے کے بعد یہ فیصلہ ہُوا کہ ہر شہر اور قصبے میں دو دو فدائی بھیج دیئے جائیں جو وہاں اپنے آدمیوں پر نظر رکھیں اور اُن سے ملتے ملاتے رہیں اور جہاں کہیں شک ہو کہ فلاں شخص غداری کرے گا کسی ثبوت کے بغیر اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔

جب سے حسن بن صباح کا پیر استاد عبدالملک بن عطاش قتل ہُوا تھا' حسن بن صباح کچھ مغموم سا رہنے لگا تھا۔ شاید وہ تنہائی محسوس کر رہا تھا.... دسم کوہ سے بھاگ کر آنے والا آدمی حسن بن صباح کو ساری بات سنا چکا تو حسن بن صباح کو اپنا پیر و مرشد بہت یاد

آیا۔ اس پر کبھی کوئی مشکل آ پڑتی تو وہ اپنے مرشد کی طرف قاصد بھیج کر مشورہ لے لیتا یا اسے اپنے ہاں بلا لیتا تھا۔ اب دسم کوہ کی یہ خبر سن کر اسے اپنا پیر و مرشد عبدالملک بن عطاش یاد آیا لیکن اب اسے اپنے مرشد سے زیادہ وہ خزانہ یاد آیا جسے نکلوانے کے لئے اس نے قاصد کو حاذق کے پاس بھیجا تھا اور حاذق نے قاصد کو یقین دلایا تھا کہ وہ کچھ دنوں بعد وہ خزانہ شیخ الجبل امام حسن بن صباح کے قدموں میں لا رکھے گا۔ بہت دن گزر گئے تھے' شاہ در سے حاذق نے کوئی اطلاع نہیں بھیجی تھی کہ اس نے خزانہ نکال لیا ہے یا نہیں۔ اسے یہ خیال آ رہا تھا کہ حاذق خزانہ نکال چکا ہوتا تو اب تک وہ الموت پہنچ گیا ہوتا۔ حاذق نے خزانہ شاہ در تو نہیں لے جانا تھا۔

حسن بن صباح کو شک ہونے لگا کہ حاذق دھوکہ نہ دے گیا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ خزانہ ایسی چیز ہے جو باپ بیٹے کو اور سگے بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے.... دسم کوہ سے بھاگا ہُوا آدمی ابھی اس کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ حسن بن صباح کے دو تین مصاحبین بھی وہاں موجود تھے۔ اس نے ان کے ساتھ شاہ در کے خزانے کا ذکر کیا اور کہا کہ یہ خزانہ پیر و مُرشد عبدالملک بن عطاش چھپا گیا تھا اور دو آدمی اس خزانے کی اصل جگہ سے واقف تھے اور اس جگہ تک پہنچنے کا راستہ صرف ان دو کو معلوم تھا لیکن ابھی تک وہ دونوں نہیں پہنچے۔

"یا امام!" — ایک مصاحب نے کہا — "زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ یہ خزانے کا معاملہ ہے۔ اس آدمی کو ایک بار پھر شاہ در بھیجیں اور وہ حاذق سے مل کر واپس آئے اور بتائے کہ وہ کیا کر رہا ہے.... ہو سکتا ہے حاذق وہاں موجود ہی نہ ہو۔ اگر وہ شاہ در سے جا چکا ہے تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہو گا کہ وہ خزانہ نکال کر کہیں غائب ہو گیا ہے یا وہ زندہ ہی نہیں"۔

"ہمارا آدمی شاہ در تک ہی جا سکتا ہے" — حسن بن صباح نے کہا — "یہ تو ہم میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں کہ وہ خزانہ ہے کہاں!"

"مجھے معلوم ہے یا شیخ الجبل!" — دسم کوہ سے بھاگ کر جانے والے آدمی نے کہا — "آپ کو شاید معلوم نہیں کہ میں نے ایک لمبا عرصہ شاہ در میں گذارا ہے اور میں حاذق کے ساتھ رہا ہوں اور ہمارے پیر استاد عبدالملک بن عطاش مجھ پر پُورا اعتماد رکھتے تھے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ میں شاہ در چلا جاؤں؟"

Scanned by iqbalmt

حسن بن صباح تو خوشی سے اُچھل پڑا۔ اُسے توقع ہی نہیں تھی کہ کوئی اور بھی اس خزانے سے واقف ہو گا جو اس کا پیر و مرشد نہ جانے کتنے عرصے سے کہیں رکھ رہا تھا۔ اس نے اس آدمی سے کہا وہ فوراً شاہ در کو روانہ ہو جائے۔

"یا شیخ الجبل!" — ایک معمر مصاحب نے کہا — "اگر یہ شخص خزانے والی جگہ سے واقف ہے تو اس کے ساتھ دو تین آدمی بھیج دیئے جائیں۔ اگر حاذق شاہ در میں نہ ملے تو یہ شخص خزانے والی جگہ چلا جائے اور دیکھے کہ وہاں کچھ ہے بھی یا نہیں۔ اگر حاذق بھی نہیں اور خزانہ بھی نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ یہ مال و دولت حاذق لے اُڑا ہے"۔

حسن بن صباح نے اُسی وقت یہ انتظام کرنے کا حکم دے دیا۔ اُس نے دوسرا حکم یہ دیا کہ خزانہ اگر حاذق نے نکال لیا ہے تو وہ جہاں کہیں نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے.... باطنیوں اور خصوصاً فدائیوں کے لئے اپنے دشمن کو ڈھونڈ نکالنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

وسم کوہ سے بھاگ کر آنے والا یہ جوان سال آدمی جس کا نام حیدر بصری تھا، دو روز بعد دو آدمیوں کو ساتھ لے کر شاہ در کے لئے روانہ ہو گیا۔

○

سلطنتِ سلجوقیہ کے دارالسلطنت مرو میں فوجی سرگرمیاں عروج کو پہنچی ہوئی تھیں۔ حسن بن صباح کی طاقت کو کچلنے کے لئے ایک فوج تیار ہو رہی تھی۔ لوگ اس فوج میں شامل ہو رہے تھے اور انہیں جنگ کی تربیت دی جا رہی تھی۔ اب اس فوج کا ہدف قلعہ الموت تھا۔ سب جانتے تھے کہ الموت کو فتح کرنا اگر ناممکن نہیں تو بے حد دشوار ضرور ہے۔ فوج کو ذہن نشین کرایا جا رہا تھا کہ قلعہ الموت کی ساخت کیسی ہے اور شکل و صورت کیسی ہے اور وہ کس طرح ایک چٹان پر بنایا گیا ہے اور اس کے دروازے تک پہنچنے میں کیسی کیسی دشواریاں اور خطرے حائل ہیں۔

یہ حکم تو سلطان محمد کا تھا کہ ایسی فوج تیار کی جائے جس کی نفری کم نہ ہو اور اگر کم ہو بھی تو اس میں ایسا جذبہ اور ایسی اہلیت اور صلاحیت ہو کہ اگلی جنگ کو فیصلہ کُن بنا سکے اور اس کے بعد باطنی فرقے کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو لیکن سلطان محمد ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔ وہ ابھی اس فوج کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھا۔ سلطان محمد کا وزیر ابو نصر احمد تھا۔ ابو نصر احمد سلطان محمد کے باپ سلطان ملک شاہ کے وزیر خواجہ حسن طوسی

نظام الملک مرحوم کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ابو نصر احمد اپنی نگرانی میں یہ فوج تیار کروا رہا تھا اور وہ اس کی کارکردگی سے پوری طرح مطمئن تھا۔ اس معاملے میں وہ سلطان محمد سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ الموت پر "فوراً" حملہ کر دیا جائے تاکہ حسن بن صباح کو مزید تیاری کا موقع نہ ملے۔

سلطان محمد اسے ابھی حملے کی اجازت نہیں دے رہا تھا لیکن ابو نصر احمد کا باطنیوں کے خلاف جذبہ بڑا ہی شدید تھا اور کبھی کبھی تو وہ جذباتی بھی ہو جایا کرتا تھا۔ ایک تو مسلمان کی حیثیت سے وہ حسن بن صباح کو ابلیس کہتا اور اس سے شدید نفرت کرتا تھا اور اس کے ساتھ ابو نصر احمد حسن بن صباح کو اپنا ذاتی دشمن بھی سمجھتا تھا۔ پہلے اس داستان میں سنایا جا چکا ہے کہ ابو نصر احمد کے باپ نظام الملک مرحوم کو حسن بن صباح کے ایک فدائی نے قتل کیا تھا۔ پھر ابو نصر احمد کا بڑا بھائی ابو المظفر علی وزیر بنا تو اُسے بھی ایک فدائی نے قتل کر دیا تھا۔ ابو نصر احمد اپنے باپ اور اپنے بھائی کے خون کا انتقام لینے کو بے تاب تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ابو نصر احمد کی یہ ایک خامی تھی کہ وہ جذبے میں جذبات کو شامل کر لیتا تھا اور پھر بھول جاتا تھا کہ جنگ میں کچھ احتیاط بھی لازمی ہوتی ہے۔

اب ابو نصر احمد کو خبر ملی کہ وسم کوہ میں دو باطنی بلکہ حسن بن صباح کے دو فدائی صراطِ مستقیم پر آ کر حسن بن صباح سے متنفر ہو گئے ہیں تو وہ اپنے کسی خیال کے پیشِ نظر وسم کوہ جانے کے لئے بے تاب ہو گیا۔ اس نے سلطان محمد سے اجازت چاہی اور ساتھ یہ وجہ بتائی کہ وہ ان دونوں فدائیوں سے قلعہ الموت کے اندر کی باتیں معلوم کرے گا جو حملے میں ہمارے کام آئیں گی۔ سلطان محمد نے اُسے اجازت دے دی۔

○

ایک روز ابو نصر احمد محافظ دستے کے آٹھ گھوڑ سواروں کے ساتھ وسم کوہ روانہ ہو گیا۔ اس کے سامنے دو اڑھائی دنوں کی مسافت تھی۔ اس مسافت کو کم کرنے کے لئے اُس نے گھوڑوں کی رفتار تیز رکھی اور اپنے محافظوں سے کہا کہ شام سے پہلے کہیں پڑاؤ نہیں کیا جائے گا.... گھوڑے دن بھر چلتے رہے اور شام کو پہلا پڑاؤ کیا۔ گھوڑوں کو کھلایا پلایا گیا اور خود بھی کھا پی کر تھوڑا سا آرام کیا اور آدھی رات سے کچھ بعد ابو نصر احمد نے روانگی کا حکم دے دیا۔ اس طرح اگلے روز کے پچھلے پہر یہ قافلہ وسم کوہ پہنچ گیا۔

سالار اوریزی ابو نصر احمد کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ وہ بھی ابو نصر احمد کا ہم خیال

Scanned by iqbalmt

تھا اور چاہتا تھا کہ اَلمُوت پر فوراً حملہ کیا جائے لیکن دونوں مجبور تھے کیونکہ سلطان اجازت نہیں دے رہا تھا۔ رات کھانے سے فارغ ہوتے ہی ابو نصراحمد کے کہنے پر سالار اوریزی نے ابنِ مسعود کو بلالیا اور اس کا تعارف ابو نصراحمد سے کروایا۔

سالار اوریزی نے ابنِ مسعود کے جذبات اور باقی ساری باتیں ابو نصراحمد کو سنائیں۔ ابو نصراحمد نے بے تحاشا خراجِ تحسین پیش کیا اور اس سے کہا کہ وہ اسے اپنی فوج میں بڑا عہدہ دے گا۔

"مجھے کسی چھوٹے بڑے عہدے کی خواہش نہیں" — ابنِ مسعود نے کہا — "جنابِ احترام سالار اوریزی نے آپ کو بتادیا ہے کہ میرا عزم کیا ہے اور میرے سینے میں کیسی آگ بھڑک رہی ہے۔ میں حسن بن صباح کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گا اور اپنی بہن کو واپس لاؤں گا"۔

"کیا تمہاری بہن تمہارے کہنے پر تمہارے ساتھ آجائے گی؟" — ابو نصراحمد نے پوچھا۔

"نہیں!" — ابنِ مسعود نے جواب دیا — "میں تو نشے کی کیفیت سے نکل کر ہوش و حواس میں آگیا ہوں لیکن میری بہن اُسی کیفیت میں ہوگی جس میں اُسے رکھا جاتا ہے۔ وہ تو مجھے پہچانے گی ہی نہیں۔ اگر پہچان بھی لے گی تو مجھے اپنا بھائی تسلیم نہیں کرے گی۔ اُسے اٹھا کر لانا پڑے گا"۔

"یہ کام اکیلے نہیں کرسکو گے" — ابو نصراحمد نے کہا — "یہ ایک فوج کا کام ہے اور فوج بھی ایسی جو بہت ہی طاقتور ہو.... میں نے ایسی فوج تیار کرلی ہے۔ میں تمہیں اس فوج کے ساتھ لے جاؤں گا اور تم میری راہنمائی کرو گے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ قلعے کا محاصرہ کر کے ہم قلعے میں کس طرح داخل ہوسکتے ہیں اور جب داخل ہو جائیں گے تو اندر ہمارا کیسا مقابلہ ہوگا"۔

"اصل مقابلہ تو اندر ہوگا" — ابنِ مسعود نے کہا — "اگر میں یہ کہوں کہ اَلمُوت میں داخل ہونا ناممکن ہے تو آپ شاید تسلیم نہ کریں۔ اَلمُوت ایک قلعہ بند شہر ہے جو ایک چٹان پر کھڑا ہے۔ اگر آپ نے یہ باہر سے دیکھا ہے تو آپ نے ضرور محسوس کیا ہوگا کہ محاصرہ کیسے کریں گے۔ محاصرہ چٹان کے نیچے ہوگا جس سے اندر والوں کو یہ تکلیف پہنچا سکیں گے کہ باہر سے رسد اندر نہیں جاسکے گی اور اندر سے کوئی باہر نہیں آ

سکے گا۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ چٹان کے دامن میں کھڑے ہو کر تیر پھینکیں اور وہ قلعے کی دیواروں تک پہنچ جائیں"۔

"دروازے کیسے ہیں؟" — ابو نصراحمد نے پوچھا۔

"بہت مضبوط!" — ابنِ مسعود نے جواب دیا — "چٹانوں جیسے مضبوط۔ بڑی موٹی لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر لوہے کے خول چڑھے ہوئے ہیں.... قابلِ صد احترام وزیر! قلعہ اَلمُوت قدرت کا ایک شاہکار ہے یا اسے ایک عجوبہ سمجھیں۔ یقین نہیں آتا کہ یہ انسانی ہاتھوں سے تعمیر ہُوا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ چٹان کا ایک حصہ ہے اور اسے قدرت نے اپنے ہاتھوں بنایا ہے۔ آپ حسن بن صباح کی دانش اور عقل تک نہیں پہنچ سکتے۔ محاصرے میں نقصان آپ کا ہوگا۔ وہ اس طرح کہ اوپر سے جو تیر نیچے آئیں گے وہ خطا نہیں جائیں گے"۔

"قلعے میں داخل ہونے کی ایک ہی صورت ہے" — سالار اوریزی نے کہا — "اندر کچھ آدمی ہوں جو حسن بن صباح کے مخالف اور ہمارے حامی ہوں۔ وہ اندر سے دروازے کھول دیں یا ایک ہی دروازہ کھول دیں"۔

"اَلمُوت کے اندر آپ کو کوئی ایک بھی انسان حسن بن صباح کا مخالف نہیں ملے گا" — ابنِ مسعود نے کہا — "وہ تو آپ کے مقابلے میں جانوں کی بازی لگا دیں گے۔ آپ کو کوئی غدار نہیں ملے گا' البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ ابھی سے کچھ آدمی باطنیوں کے بہروپ میں الموت میں داخل کر دیں۔ یہ آدمی یہ ظاہر کرتے رہیں کہ وہ حسن بن صباح کے مرید یا پیروکار ہی نہیں بلکہ اس کے شیدائی ہیں لیکن محترم سالار! آپ کسی پتھر دل آدمی کو بھی اندر بھیج دیں تو وہ چند دنوں کے اندر اندر ہی آپ کا آدمی نہیں رہے گا۔ الموت میں ایسے آدمی موجود ہیں جو کسی مشکوک کو دیکھیں تو یوں لگتا ہے جیسے انہوں نے اس شخص کا ضمیر اور اس کی روح بھی دیکھ لی ہو۔ اسے وہ قتل نہیں کرتے بلکہ جنت میں داخل کر دیتے ہیں۔ پھر وہ خدا کو بھی بھول جاتا ہے اور جب وہ باہر نکلے گا تو اس عزم کے ساتھ نکلے گا کہ آپ کو قتل کردے"۔

"تم نے اَلمُوت میں تیں سال گذارے ہیں" — ابو نصراحمد نے کہا — "کیا تم کوئی طریقہ نہیں سوچ سکتے؟ ہمارے پاس ایسے جانباز موجود ہیں جو اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن صرف جان قربان کردینے سے ہی کچھ حاصل نہیں ہُوا کرتا۔ اپنا مقصد پورا

Scanned by iqbalmt

ہو جائے اور جان چلی جائے تو ہم لوگ کہتے ہیں کہ شہیدوں کا لہو رنگ لایا کرتا ہے"۔

"میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ اندر کیا ہے اور یہ قلعہ کس قسم کا ہے" — ابن مسعود نے کہا — "آپ کی فوج قلعے میں داخل ہو بھی گئی تو اصل لڑائی قلعے کے اندر ہو گی۔ عموماً" یوں ہوتا ہے کہ فاتح فوج قلعے میں داخل ہوتی ہے تو قلعے کی فوج ہتھیار ڈال دیتی ہے یا شہر کی آبادی اپنی فوج کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ ہتھیار ڈال دے ورنہ فاتح فوج شہر کو تباہ کر دے گی لیکن اَلمُوت میں معاملہ اُلٹ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی فوج کو اندر کھینچنے کے لئے خود ہی دروازے کھول دیئے جائیں اور آپ اس خوش فہمی میں اندر چلے جائیں کہ آپ نے قلعہ سر کر لیا۔ تو یہ ایک بڑا ہی خطرناک پھندہ ہو گا جس میں آپ کی فوج پھنسا کر تباہ و برباد کر دی جائے گی۔ قلعے کے اندر آپ کو بھول بھلیاں ملیں گی۔ ان میں سے وہی گزر سکتا ہے جو ان سے واقف ہو۔ اجنبی ان بھول بھلیوں میں بھٹک جاتے ہیں۔ قلعے اور شہر کے نیچے چٹان کاٹ کاٹ کر وسیع تہہ خانے بنے ہوئے ہیں اور ان میں بھی جو راستے ہیں وہ بھول بھلیوں جیسے ہیں۔ اندر جا کر آپ کی فوج بکھر جائے گی یا فرد فرد بکھیر دی جائے گی پھر فدائی اور دوسرے باطنی آپ کی فوج کو کاٹ دیں گے"۔

ابن مسعود اچھا خاصا تجربہ کار اور ہوش مند معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہر بات جنگی نقطۂ نگاہ سے کر رہا تھا۔ ابو نصر احمد اور سالار اوریزی اس سے جو تفصیلات معلوم کر رہے تھے' وہ سب جنگی نوعیت کی تھیں۔ وہ سالاروں کی نگاہ سے اَلمُوت کے اندرونی ماحول کو دیکھ رہے تھے۔

"مگرمچھ بڑا ہی خوفناک جانور ہوتا ہے" — ابن مسعود نے کہا — "جانور نہیں میں تو اسے درندہ کہوں گا۔ اس پر نہ تیر اثر کرتا ہے نہ برچھی نہ تلوار لیکن اس کا بھی ایک نازک حصہ ہوتا ہے اور وہ ہے اس کا پیٹ۔ وہاں ذرا سا چاقو مارو تو مگرمچھ بے بس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قلعہ اَلمُوت ایک پہاڑ نظر آتا ہے جسے زلزلے کے شدید جھٹکے بھی راستے سے نہیں ہٹا سکتے لیکن اس میں بھی ایک دو کمزوریاں ہیں۔ ایک کمزوری اس شہر کی آبادی ہے۔ یہ لوگ آپ کی فوج کے خلاف لڑیں گے لیکن جلدی حوصلہ ہار جائیں گے۔ اصل لڑنے والے فدائی ہیں جن کی تعداد ہزار ہا ہے اور وہ پورا ایک لشکر ہے لیکن یہ لشکر پُراسرار قتل اور خودکشی میں مہارت رکھتا ہے۔ یا چھری چاقو چلا سکتا ہے۔ ان لوگوں کو امام نے حکم دے رکھا ہے کہ ہتھیار ڈالنے یا پکڑے جانے سے بہتر یہ ہے کہ

خودکشی کر لو۔ یہ لوگ جانوں کی بازی لڑا کر آپ کا مقابلہ کریں گے لیکن جوں ہی دیکھیں گے کہ مقابلہ آسان نہیں تو اپنی تلواریں اور خنجر اپنے ہی جسموں میں اتار لیں گے لیکن یہ مرحلہ اُس وقت آئے گا جب آپ کی فوج بھی اسی طرح جانوں کی بازی لڑا کر یا یوں کہیں کہ دیوانگی کے عالم میں لڑے گی اور ان لوگوں پر غالب آ جائے گی....

"اب میں آپ کو اَلمُوت کا وہ پیٹ دکھاتا ہوں جو مگرمچھ کی طرح بہت ہی نازک ہے۔ وہاں آپ چاقو کی نوک سے کھال چیر کر اسے بے بس بھی کر سکتے ہیں اور اس میں داخل بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہوں گے کہ اَلمُوت کی تین اطراف دریا بہتا ہے۔ قلعے کے پچھلے حصے میں جو چٹان ہے اس کے نیچے دامن میں ایک دروازہ چٹان کاٹ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ وہاں سے دریا چٹان کے ساتھ ٹکرا کر گزرتا ہے۔ یہ دروازہ جو ایک غار کے دہانے جیسا ہے' تقریباً" آدھا دریا میں ڈوبا رہتا ہے۔ اندر کی طرف بڑا ہی مضبوط دروازہ لگایا گیا ہے جو اندر سے مقفل رہتا ہے۔ دریا کا پانی اس دروازے تک آ جاتا ہے اور اگر دروازہ کھولا جائے تو پانی اور اندر آ جاتا ہے لیکن آگے راستہ دریا کی سطح سے اونچا بنایا گیا ہے اس لئے پانی آگے تک نہیں آ سکتا۔ اس دروازے تک پہرہ بھی ہوتا ہے لیکن بہت اندر کی طرف سنتری گشت کرتا ہے۔ یہ قلعے کا تہہ خانہ ہے جس میں اترو تو آگے بھول بھلیاں آ جاتی ہیں۔ ان میں سے وہی اس دروازے پر پہنچ سکتا ہے جو ان بھول بھلیوں سے واقف ہو"۔

"یہ دروازہ کس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے؟" — ابو نصر احمد نے کہا۔

"نکل بھاگنے کے لئے!" — ابن مسعود نے کہا — "میں فدائیوں کے اُس درجے تک پہنچ گیا تھا جس درجے کے ہر فدائی کو قلعے کے بہت سے راز بتا دیئے جاتے ہیں۔ میں نے یہ ساری بھول بھلیاں اور یہ راستے دیکھے ہوئے ہیں۔ دریا کی طرف یہ چور دروازہ اس لئے بنایا گیا تھا کہ ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ قلعہ کوئی طاقتور فوج فتح کر لے تو حسن بن صباح اور اس کے قریبی مصاحب اور مشیر وغیرہ اس دروازے سے بھاگ نکلیں۔ دروازے سے کچھ دور کشتیاں ہر وقت تیار رہتی ہیں۔ کوئی مان ہی نہیں سکتا کہ دریا میں دروازہ بھی ہو گا۔ اندر سے اس دروازے تک جو راستہ جاتا ہے وہ ایسی بھول بھلیوں میں سے گزر کر جاتا ہے کہ کوئی بھولے بھٹکے بھی اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں پہنچ سکتا ہوں"۔

Scanned by iqbalmt

"بس اتنا ہی کافی ہے" — ابو نصر احمد نے کہا — "میں جو معلوم کرنا چاہتا تھا وہ تم نے زیادہ ہی تفصیل سے بیان کر دیا ہے جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ مجھے ایسے ہی ایک آدمی کی ضرورت تھی جو اَلمُوت کے اندر چلا جائے اور دروازہ کھول دے۔ یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہاں کوئی چور دروازہ بھی ہے۔ وہ تم نے بتا دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ صرف تم اس دروازے تک پہنچ سکتے ہو.... اب تم بتاؤ کہ اَلمُوت کو محاصرے میں لیں تو کیا تم اندر جا کر وہ دروازہ کھول سکتے ہو؟"

"ایک بات آپ بھول گئے محترم وزیر!" — سالار اوریزی نے کہا — "پہلا کام تو یہ ہے کہ یہ یا کوئی اور قلعے میں داخل ہو۔ سوال یہ ہے کہ وہ داخل کس طرح ہو گا؟"

"وہ میں ہوں گا" — ابنِ مسعود نے کہا — "یہ خبر حسن بن صباح تک پہنچ چکی ہو گی کہ میں نے وسم کوہ میں تمام باطنیوں کی نشاندہی کر کے سب کو مروا دیا ہے۔ ان میں سے ایک بھاگ گیا تھا۔ وہ یقیناً" حیدر بصری تھا۔ میں اَلمُوت چلا جاؤں گا اور حسن بن صباح سے کہوں گا کہ ان باطنیوں کو پکڑوانے اور مروانے والا یہی حیدر بصری تھا اور میں تو سلجوقیوں کا قیدی بن گیا تھا اور انہوں نے مجھ پر اتنا تشدد کیا ہے کہ میرے تو ہوش بھی ٹھکانے نہیں رہے اور اب میں فرار ہو کر آیا ہوں"۔

"ہم تمہیں ایسے خطرے میں بھی نہیں ڈالنا چاہتے" — ابو نصر احمد نے کہا — "حسن بن صباح استادوں کا استاد ہے۔ وہ تمہاری بات کو سچ مانے گا ہی نہیں"۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑیں" — ابنِ مسعود نے کہا — "جس طرح لوہے کو لوہا کاٹتا ہے اسی طرح فریب کار ہی فریب کار کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ میں کیا ڈھونگ رچاؤں گا' یہ تو ابھی سوچنا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میں حسن بن صباح کو دھوکہ دے سکوں گا"۔

سب دیکھ رہے تھے کہ ابنِ مسعود حسن بن صباح اور اس کے فرقے کے خلاف اس قدر بپھرا اور بھڑکا ہُوا تھا کہ وہ نتائج کی پرواہ کئے بغیر اس قسم کے خطرے مول لینے کو بھی تیار ہو گیا تھا کہ وہ اَلمُوت جا کر حسن بن صباح جیسے ابلیس کو دھوکہ دے گا اور پھر اس کے بعد چور دروازہ بھی کھول دے گا۔ بہرحال سالار اوریزی اور ابو نصر احمد کو یہ کاوش نہ کرنی پڑی کہ وہ ابنِ مسعود کو دلائل دے کر یا کسی اور طریقے سے اَلمُوت جانے کے لئے تیار کرتے۔ وہ خود ہی تیار ہو گیا تھا۔ اب سوال یہ سامنے آیا کہ ابنِ مسعود کب جائے اور

اسے کس طرح بھیجا جائے اور اسے کس طرح اندر اطلاع بھیجی جائے کہ اب وہ دریا والا دروازہ کھول دے۔

اس سوال پر جب بات شروع ہوئی تو مشکل یہ سامنے آئی کہ سلطان محمد کو کس طرح راضی کیا جائے کہ وہ اَلمُوت پر حملے کی اجازت دے دے۔ ابو نصر احمد کہتا تھا کہ فوج بالکل تیار ہے۔ سالار اوریزی ابو نصر احمد کا ہم خیال تھا.... آخر طے یہ پایا کہ جب فوج مَرو سے کوچ کرے گی تو پانچ سات روز پہلے وسم کوہ ابنِ مسعود کو اطلاع بھجوا دی جائے گی کہ اب وہ اَلمُوت چلا جائے۔ اَلمُوت کو محاصرے میں لیا جائے گا تو ابنِ مسعود اگر حسن بن صباح کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا تو وہ کسی رات شہر کی دیوار سے مشعل ہلائے گا جو یہ اشارہ ہو گا کہ اس نے پچھلا دروازہ کھول دیا ہے اور پھر ابو نصر احمد کچھ جانبازوں کو دریا کی طرف سے قلعے میں داخل کر دے گا اور وہ کام کر لیں گے۔

"نہیں قابلِ احترام وزیر" — ابنِ مسعود نے کہا — "مجھے اتنا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ میں کل صبح روانہ ہو جاؤں گا اور اپنا کھیل کھیلوں گا۔ اگر میں کامیاب ہو گیا تو مجھے خاصا وقت چاہیئے کہ میں ان راستوں سے اور زیادہ واقف ہو جاؤں اور ان راستوں کے سنتریوں کے ساتھ بھی علیک سلیک ہو جائے اور انہیں یہ تاثر ملے کہ میں اس طرف امام کی اجازت یا حکم سے آتا جاتا رہتا ہوں.... آپ جب کبھی اَلمُوت کو محاصرے میں لیں گے تو میں دریائی دروازہ کھول کر مشعل سے آپ کو اشارہ دے دوں گا"۔

وزیر ابو نصر احمد اور سالار اوریزی ابنِ مسعود کی اس تجویز سے متفق ہو گئے اور اسے کہہ دیا کہ وہ اگلی صبح جس حلیئے اور جس حالت میں جانا چاہتا ہے' روانہ ہو جائے۔

○

اگلے روز ابو نصر احمد مَرو کو واپسی سفر پر روانہ ہُوا تو سالار اوریزی بھی اس کے ساتھ تھا۔ ابو نصر احمد نے ہی سالار اوریزی سے کہا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ چلے اور دونوں مل کر سلطان محمد کو قائل کریں گے کہ وہ فوری طور پر حملے کی اجازت دے دے۔

تقریباً" تین دنوں کی مسافت کے بعد دونوں مَرو پہنچے اور اگلے روز دونوں سلطان محمد کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سلطان محمد کو تفصیل سے بتایا کہ کس طرح انہوں نے اَلمُوت کی اندرونی ساخت اور دیگر احوال و کوائف کے متعلق کتنی قیمتی

Scanned by iqbalmt

معلومات حاصل کر لی ہیں اور جس شخص نے یہ معلومات دی ہیں وہ محاصرے سے پہلے اُلموت میں داخل ہو چکا ہو گا۔ دونوں نے سلطان محمد کو ابنِ مسعود کی ساری باتیں سنائیں اور کہا کہ انہیں حملے کی اجازت دی جائے۔

بہت دیر تبادلۂ خیالات اور بحث مباحثہ ہوتا رہا اور آخر سلطان محمد نے ابو نصر احمد کو اُلموت پر حملے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ کوچ ایک مہینے بعد ہو گا اور اس ایک مہینے میں فوج کو دن رات تیاری کروائی جائے گی۔ سلطان محمد نے دوسری بات یہ کہی کہ اس حملے میں سالار اوریزی شامل نہیں ہو گا بلکہ وہ واپس دسم کوہ جا کر اپنی فوج تیار کرے گا اور ابو نصر احمد کو جتنی بھی کمک کی ضرورت ہو گی وہ سالار اوریزی دسم کوہ سے بھیجتا رہے گا۔

اُس وقت جب ابو نصر احمد اور سالار اوریزی مَرُو میں سلطان محمد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' اُلموت میں حسن بن صباح کو اطلاع دی گئی کہ دسم کوہ سے ایک فدائی جو اپنا نام ابنِ مسعود بتاتا ہے' بڑی بُری حالت میں آیا ہے اور شرفِ ملاقات کا متمنی ہے.... حسن بن صباح کسی فدائی کو نہیں ٹالا کرتا تھا' اس نے ابنِ مسعود کو بلا لیا۔

ابنِ مسعود جب حسن بن صباح کے سامنے گیا تو رُک گیا۔ اس کی حالت بہت ہی بُری تھی۔ کپڑے انتہائی میلے اور جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ ننگے پاؤں تھا۔ اُس کے ایک پاؤں سے تھوڑا تھوڑا خون نکل رہا تھا۔ اُس کے سر کے بال مٹی سے اَٹے ہوئے اور اُلجھے ہوئے تھے۔ اُس کے جسم سے بدبو آتی تھی۔

وہ حسن بن صباح کے کمرے میں داخل ہُوا تو صاف نظر آتا تھا کہ اُس کی ٹانگیں اس کے جسم کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں رہیں۔ وہ پاؤں گھسیٹ رہا تھا۔ وہ رُکا' اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوئیں پھر اس کا سر ڈولا اور وہ اس طرح گرا کہ پہلے اُس کے گھٹنے فرش پر لگے پھر پہلو کو ٹھوکر لگی۔

حسن بن صباح نے کہا کہ اسے طبیب کے پاس لے جایا جائے اور وہ اس کا علاج معالجہ کرے اور اسے کچھ کھلایا پلایا بھی جائے۔

"یہ کون ہے؟" — حسن بن صباح نے پوچھا — "مجھے اس کا نام ابنِ مسعود بتایا گیا ہے اور یہ دسم کوہ سے آیا ہے۔ کیا یہ وہی ابنِ مسعود نہیں جس کے متعلق حیدر بصری نے یہاں آ کر بتایا تھا کہ ابنِ مسعود نے وہاں تمام فدائیوں کو پکڑوا دیا تھا اور ان

سب نے اپنی جانیں اپنے ہاتھوں لے لی ہیں؟"

حسن بن صباح کو بتایا گیا کہ یہ وہی ابنِ مسعود ہے۔ حسن بن صباح کچھ حیران ہُوا کہ اس نے اگر دسم کوہ میں اپنے ساتھیوں کو پکڑوا دیا تھا تو اسے یہاں نہیں آنا چاہئے تھا اور سلجوقی ایسے تو بے مروّت نہیں کہ اسے انعام و اکرام نہ دیتے اور اس حالت میں اسے چھوڑ دیتے۔ حسن بن صباح کے مشیروں نے کہا کہ ان سوالوں کے جواب یہی شخص دے سکتا ہے۔ اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا چاہئے۔

حیدر بصری کو حسن بن صباح نے اس کام کے لئے شاہ در کے لئے روانہ کر دیا تھا کہ وہ حاذق سے ملے اور اس سے پوچھے کہ اس نے ابھی تک خزانہ اُلموت کیوں نہیں پہنچایا۔ حیدر بصری کے ذمے یہ کام بھی تھا کہ حاذق اگر شاہ در سے غیر حاضر ہے تو حیدر بصری اسے ڈھونڈے اور اگر وہ نہ ملے تو حیدر بصری اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اس جگہ چلا جائے جہاں خزانہ رکھا ہے اور وہ وہاں سے اٹھا کر الموت پہنچا دے.... حیدر بصری نے حسن بن صباح کو بتایا تھا کہ اسے معلوم ہے وہ خزانہ کہاں ہے اور وہاں سے کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔

ابنِ مسعود رات بہت دیر بعد ہوش میں آیا۔ اسے نہلایا گیا' صاف ستھرے کپڑے پہنائے گئے اور پھر اسے کچھ کھلایا پلایا گیا۔ طبیب نے اسے سلا دیا تاکہ اس کی کمزوری کم ہو جائے اور پھر یہ غشی میں نہ چلا جائے۔

اگلی صبح اسے حسن بن صباح کے پاس لے گئے۔ حسن بن صباح اُس کا بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ دسم کوہ میں یہ انقلاب کس طرح آیا ہے۔ حیدر بصری نے اسے بتایا تو تھا لیکن ابنِ مسعود کو دیکھ کر اسے کچھ شک ہونے لگا اور اب وہ ابنِ مسعود سے دسم کوہ کی واردات سننے کو بے تاب تھا۔

ابنِ مسعود کو جب حسن بن صباح کے کمرے میں داخل کیا گیا تو اس سے اچھی طرح چلا نہیں جاتا تھا۔ حسن بن صباح نے اسے اپنے سامنے بٹھایا اور پوچھا کہ وہ اس حالت میں کہاں سے آیا ہے اور اس پر کیا گزری ہے اور دسم کوہ میں کیا ہُوا تھا۔

"میں سلجوقیوں کی قید سے فرار ہو کر آیا ہوں یا شیخ الجبل!" — ابنِ مسعود نے لرزتی کانپتی اور قدرے نحیف آواز میں کہا — "وہ ظالم سلجوقی مجھ سے اُلموت کی باتیں پوچھتے تھے اور یہ بھی پوچھتے تھے کہ یہاں اور کون کون تمہارے فرقے کا آدمی ہے۔ میں

Scanned by iqbalmt

انہیں کوئی جواب نہیں دیتا تھا تو وہ مجھے ایسی ایسی اذیتیں دیتے تھے جو شاید ہی کوئی انسان برداشت کر کے زندہ رہ سکتا ہو لیکن میں اپنے شیخ الجبل اور امام کو ذہن میں رکھ لیتا تھا اور میرا جسم ہر اذیت برداشت کر لیتا تھا۔ میں نے انہیں کچھ بھی نہیں بتایا"۔

"پھر تمہارے ساتھیوں کی نشاندہی کس نے کی تھی؟" — حسن بن صباح نے پوچھا — "تم شاید نہیں جانتے کہ تمہارا ایک ساتھی حیدر بصری یہاں پہنچ گیا ہے اور وہ پوری بات سنا چکا ہے"۔

"حیدر بصری!" — ابن مسعود نے کہا — "اس نے تو یہاں پہنچ کر اپنے مطلب کی کہانی سنائی ہی تھی۔ میں نہیں جاننا نہ جاننا چاہوں گا کہ حیدر بصری نے آپ کو کیا بات سنائی ہے' میں یہ بتانے آیا ہوں کہ ہم سب کو حیدر بصری نے مروایا ہے۔ اس سے پہلے ہمارا ایک فدائی عبید عربی وہاں سالار لوریزی کو قتل کرنے گیا تھا لیکن ایک بڑی خوبصورت اور جوان لڑکی کے جال میں آ گیا اور اس نے اُن دو آدمیوں کو مروا دیا جنہوں نے اسے آپ کے حکم کے مطابق پناہ میں رکھا تھا۔ سالار لوریزی نے ان دونوں کو گرفتار کر کے سرِعام ان کے سر قلم کر دیئے ہیں"۔

ابن مسعود نے عبید عربی کا نام اس لئے نہیں لیا تھا کہ وہ اسے کسی مصیبت میں ڈالنا چاہتا تھا بلکہ اس لئے کہ اسے یہ یقین تھا کہ اب یہ باطنی اسے پکڑ کر اُگلوٹ نہیں لا سکیں گے۔

"یا شیخ الجبل!" — ابن مسعود نے کہا — "عبید عربی کی نشاندہی پر حیدر بصری پکڑا گیا۔ حیدر بصری نے یقیناً" سلجوقیوں سے منہ مانگا انعام لیا اور ہم سب کو پکڑوا دیا۔ سلجوقیوں نے سب سے پہلے مجھے پکڑا اور پوچھا کہ یہاں باطنی کون کون ہیں۔ میں نے انہیں صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ میرے جسم کی بوٹیاں نوچنی شروع کر دو' میں اپنے کسی ساتھی کا سراغ نہیں دوں گا۔ تب سالار لوریزی نے خود آ کر مجھے بتایا کہ تمہارے ایک ساتھی حیدر بصری نے سب کچھ بتا دیا ہے اور اسے اتنا زیادہ انعام دیا گیا ہے جو تم لوگ تصور میں بھی نہیں لا سکتے۔ میں نے کہا کہ تم لوگوں کو ہر باطنی کا پتہ چل گیا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو۔ یا شیخ الجبل' انہوں نے مجھے تو مار ہی ڈالا تھا اور شاید وہ یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ میں اب یہاں سے نکل ہی نہیں سکتا۔ جسمانی طور پر میں بہت ہی کمزور ہو گیا تھا۔ آخر ایک روز مجھے فرار کا موقع مل گیا اور میں وہاں سے نکل آیا۔ یا امام! آپ کے عظیم

نام پر میں نے اس جسمانی حالت میں' بھوکے پیاسے یہ سفر طے کیا ہے"۔

ابن مسعود کی آوازیوں ڈوبتی چلی جا رہی تھی جیسے وہ ابھی بے ہوش ہو جائے گا۔ وہ ذرا خاموش ہوا اور لمبے لمبے سانس لئے اور پھر کمزور سی آواز میں بولنے لگا۔

"یہاں میں اتنی مسافت پیدل طے کر کے جھوٹ بولنے نہیں آیا یا امام!" — ابن مسعود نے کہا — "میں وہیں دسم کوہ میں رہتا تو اپنی جنت کی حوروں جیسی ایک نوجوان لڑکی کا خاوند ہوتا۔ مجھے ایسی دو لڑکیاں یوں دکھائی گئی تھیں کہ انہیں باری باری میرے حوالے کر دیا گیا تھا۔ میرے لئے وہاں شہزادوں جیسی زندگی تھی لیکن میں شیخ الجبل کو جان دے سکتا ہوں' دھوکہ نہیں دے سکتا"۔

"اگر حیدر بصری کو تمہارے سامنے بٹھا دیا جائے" — حسن بن صباح نے کہا — "اور وہ وہی بیان دے جو وہ دے چکا ہے تو تم اسے کس طرح جھٹلاؤ گے؟"

"یا شیخ الجبل!" — ابن مسعود نے کہا — "اس وقت تک حیدر بصری کو میرے سامنے بیٹھا ہوا ہونا چاہئے تھا۔ آپ اسے بلاتے کیوں نہیں؟ میں تو اس امید پر آیا تھا کہ حیدر بصری کی موجودگی میں یہ سارا بیان دوں گا"۔

"وہ شاہ در چلا گیا ہے" — حسن بن صباح نے کہا — "اُسے آ لینے دو۔ تمہیں ایک بار پھر حیدر بصری کی موجودگی میں یہ بیان دینا پڑے گا"۔

"میری ایک التجا ہے یا شیخ الجبل!" — ابن مسعود نے کہا — "آپ اسے یہاں فوراً" بلوا لیں۔ میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میرے جسم پر آپ کو کوئی زخم یا کوئی چوٹ نظر نہیں آئے گی لیکن آپ کی آنکھ میرے جسم کے اندر دیکھ سکتی ہے تو آپ کو حیرت ہو گی کہ میں زندہ کس طرح ہوں۔ میرے جسم کے اندر اتنی چوٹیں ہیں کہ میں شاید جانبر نہیں ہو سکوں گا۔ میں مرنے سے پہلے چاہتا ہوں کہ آپ کو یقین ہو جائے کہ میں سچا اور حیدر بصری جھوٹا اور دھوکہ باز ہے"۔

حسن بن صباح کو جیسے یقین ہونے لگا تھا کہ ابن مسعود جھوٹ نہیں بول رہا لیکن حیدر بصری کو اس نے شاہ در بھیج دیا تھا۔ حسن بن صباح نے اپنے دو مشیروں سے بات کی کہ حیدر بصری کب تک واپس آ سکتا ہے۔ مشیروں نے کچھ باتیں کیں' کچھ مشورے دیئے اور حسن بن صباح کچھ دیر ان کے ساتھ باتیں کرتا رہا اور اُس کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے کہ وہ تو خزانہ لانے گیا ہے' اُسے ابھی واپس نہ بلوایا جائے تو ٹھیک ہے۔

Scanned by iqbalmt

"کیسا خزانہ؟" — ابنِ مسعود نے بیدار ہوتے ہوئے بلکہ چونک کر پوچھا — "کون سا خزانہ؟.... اگر آپ نے اسے کہیں سے خزانہ یا کوئی قیمتی مال لانے کے لئے بھیج دیا ہے تو پھر یہ توقع نہ رکھیں کہ وہ واپس آجائے گا۔ آپ ایک بڑے زہریلے سانپ کو اعتماد میں لے رہے ہیں۔ اس کے پیچھے کچھ آدمی بھیجیں جو اسے پکڑ کر لے آئیں۔ کوشش کریں کہ وہ خزانے تک نہ پہنچ سکے"۔

ابنِ مسعود کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ خزانے کا معاملہ کیا ہے۔ شاہ در سے دُور جھیل میں سے جو خزانہ حاذق نکالنے گیا تھا اس کے متعلق ابنِ مسعود کو کچھ بھی معلوم نہ تھا پھر بھی وہ دماغ لڑا لڑا کر بات کر رہا تھا اور اس کی ہر بات اب قیاس آرائیوں سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ اسی حسن بن صباح کا تربیت یافتہ تھا۔ اسی شیخ الجبل اور امام نے اسے ہدی اور ابلیسیت کے راستے پر ڈالا تھا۔ اس نے بہت حد تک حسن بن صباح کو متاثر کر لیا تھا۔ اس کے بولنے کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابنِ مسعود کو سچا سمجھنے لگا ہے۔ اس نے یہ فیصلہ سنایا کہ ابنِ مسعود کو حیدر بصری کی واپسی تک قید میں نہ ڈالا جائے بلکہ اپنی نگرانی میں رکھا جائے اور یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ یہ قلعے سے باہر نہ جائے۔

○

اُس وقت حیدر بصری اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ شاہ در میں اپنے باطنی ساتھیوں کے ہاں بیٹھا ہُوا تھا۔ اس نے حسن بن صباح سے یہ تو کہہ دیا تھا کہ وہ عبدالملک بن عطاش کے خزانے والی جگہ سے واقف ہے لیکن شاہ در پہنچ کر اسے خیال آیا کہ اس جگہ تک پہنچنے کا طریقہ اور راستہ تو اسے معلوم ہی نہیں نہ یہ معلوم ہے کہ خزانہ چٹانوں میں کس جگہ رکھا گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پریشانی کے عالم میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔

وہ عبدالملک بن عطاش کے عروج کے زمانے میں شاہ در رہ چکا تھا۔ حاذق بھی یہیں تھا۔ حیدر بصری بھی حاذق کے ورثے کا فدائی تھا اس لئے وہ عبدالملک بن عطاش کی محفل میں جایا کرتا تھا اور کبھی کوئی راز کی بات ہوتی تو اس میں بھی حیدر بصری کو شامل کیا جاتا تھا لیکن جہاں تک خزانے کا تعلق تھا' عبدالملک بن عطاش نے حیدر بصری کو اس سے ناواقف رکھا تھا۔ اسے اس خزانے کا جو پتہ چلا تھا وہ حاذق نے اسے بتایا تھا۔ حاذق کے ساتھ حیدر بصری کی بڑی گہری دوستی تھی۔ جب حاذق نے اسے خزانے کے متعلق

بتایا تو اس نے پوری طرح غور نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایسے شاہی خزانوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اب حسن بن صباح نے اس کا براہِ راست تعلق پیدا کر دیا اور اسے شاہ در بھیج دیا کہ وہ خزانہ نکال کر لے آئے اور حیدر بصری نے پورے اعتماد کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ لے آئے گا مگر جب تفصیلات جاننے کی ضرورت پڑی تو حیدر بصری کو خیال آیا کہ وہ تو صرف ایک جھیل اور جھیل کے درمیان تھوڑے سے چٹانی علاقے سے آگاہ ہے اور اس سے زیادہ اسے کچھ بھی معلوم نہیں۔

ایک روز نُور کا باپ اکیلا اپنے کھیتوں میں گھوم پھر رہا تھا۔ نُور اپنے گھر میں تھی۔ اچانک دو آدمیوں نے پیچھے سے نُور کے باپ کو پکڑ لیا۔ وہ پیچھے مُڑا تو دیکھا کہ ان میں ایک حیدر بصری تھا جسے وہ بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ نور کا باپ عبدالملک کا خاص معتمد ملازم تھا اس لئے عبدالملک کے پاس جو لوگ آتے جاتے رہتے تھے انہیں نُور کا باپ بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔

"اوہ' حیدر بصری ہو!" — نُور کے باپ نے مسرت کے لہجے میں کہا — "تم پھر آ گئے ہو؟.... تمہیں مل کر میرا دل خوش ہو گیا ہے لیکن میرے دوست! بہت احتیاط سے رہنا۔ سلجوقی سلطان سنجر یہاں موجود ہے اور سلجوقی ذرا سے شک پر بھی باطنیوں کو پکڑ لیتے ہیں"۔

"ہمیں دھوکہ نہ دے بُڈھے!" — حیدر بصری نے کچھ طنز اور غصے کے لہجے میں کہا — "مجھے الکُوت میں معلوم ہو گیا تھا کہ تُو نے اور تیری بیٹی نُور نے پیر و مُرشد عبدالملک بن عطاش کو دھوکہ دیا تھا اور اس کی شکست کا باعث بنے تھے"۔

"اور اب یہ سلجوقیوں کا وفادار بن گیا ہو گا" — حیدر بصری کے ساتھی نے طنزیہ کہا — "اس کے پاس اتنی خوبصورت لڑکی جو ہے"۔

نُور کے باپ نے پُراعتماد اور پُراثر لہجے میں انہیں بتانا شروع کر دیا کہ اس نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا بلکہ عبدالملک بن عطاش نے یہاں سے جاتے وقت ان کی پرواہ ہی نہ کی اور باپ بیٹی کو سلجوقی فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے گئے۔ اس نے انہیں یہ یقین دلانے کی بھی کوشش کی کہ وہ ابھی تک حسن بن صباح کا پیروکار ہے اور اس نے اپنی بیٹی کسی کے حوالے نہیں کی نہ ہی وہ اسے یہاں کسی سے بیاہے گا۔

"تم نہیں جانتے حیدر بصری!" — نور کے باپ نے کہا — "کہ تمہیں دیکھ کر

Scanned by iqbalmt

مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے۔ میں تم جیسے کسی ساتھی کے انتظار میں تھا کہ وہ مجھے اور میری بیٹی کو الموت پہنچا دے۔ حاذق تھا۔ اس سے میں چوری چھپے مل لیا کرتا تھا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے اور میری بیٹی کو الموت لے جائے گا لیکن وہ ایسا گیا کہ واپس ہی نہیں آیا"۔

"یہاں نہیں!" — حیدر بصری نے کہا — "ہمارے ساتھ چلو اور وہاں باتیں ہوں گی۔ ہم تمہیں پہلے ہی بتا دیتے ہیں کہ تمہیں ہم نے زندہ چھوڑنا ہی نہیں۔ چونکہ تم ہمارے ساتھی رہے ہو اس لئے تمہیں یہ موقع دیں گے کہ جو کہنا چاہتے ہو کہہ لو"۔

"تمہاری جگہ نہیں تم میرے گھر چلو" — نوُر کے باپ نے کہا — "وہاں تمہیں میری بیٹی بھی ملے گی اور پھر میں تمہیں یقین دلا دوں گا کہ میں تمہارا ہی ساتھی ہوں اور یہاں کچھ مجبوری اور زیادہ تر اپنے مقصد کے لئے رکا ہوا ہوں"۔

حیدر بصری اور اس کا ساتھی اس کے ساتھ جانے پر راضی نہیں ہو رہے تھے۔ حیدر بصری نے اس خطرے کا اظہار کیا کہ وہ انہیں پکڑوا دے گا۔

"تم مجھے یرغمال بنائے رکھو" — نوُر کے باپ نے کہا — "تم دونوں کے پاس خنجر تو ضرور ہوں گے۔ اگر نہیں تو پھر تم فدائی ہو ہی نہیں سکتے۔ تمہیں جہاں شک ہوا کہ میں نے تمہیں دھوکہ دیا ہے اور اب تم پکڑے جاؤ گے تو خنجر میرے سینے میں اتار دینا اور نکل بھاگنا اور نکل نہ سکے تو اپنے آپ کو ختم کرنا تو جانتے ہی ہو.... میں کہتا ہوں میرے ساتھ چلو"۔

حیدر بصری اور اس کا ساتھی کوئی جاہل اور گنوار تو نہ تھے کہ اس کی باتوں میں آ جاتے۔ وہ بھی تجربہ کار آدمی تھا اور اتنی زیادہ عمر میں اس نے عملی زندگی کا بہت تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ بہت سی بحث اور جھک جھک کے بعد حیدر بصری اور اس کے ساتھی کو اپنے گھر میں لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

نوُر نے حیدر بصری کو دیکھا تو اسے پہچاننے میں کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی۔ نوُر نے حیدر بصری کو اپنے سابق خاوند عبدالملک بن عطاش کے ساتھ کئی بار دیکھا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی نوُر کے باپ نے نوُر کو آنکھوں سے ایسا اشارہ دے دیا جو نوُر سمجھ گئی اور بڑے تپاک سے حیدر بصری سے ملی۔ نوُر نے بھی ایسی باتیں کیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک باطنی ہے اور حسن بن صباح کو اپنا امام سمجھتی ہے۔ اُس نے حیدر

بصری اور اس کے ساتھی کی خوب خاطر تواضع کی۔

اس دوران حیدر بصری اور اس کا ساتھی نوُر کے باپ کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ انہیں نوُر کے باپ پر ابھی اعتبار نہیں آیا اور اسے شاہ در کی شکست کا مجرم سمجھ رہے ہیں۔ نوُر کے باپ نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے کوئی زیادہ باتیں نہ کیں اور یہ کہا کہ حاذق یہاں ہوتا تو وہ ثبوت پیش کرتا کہ وہ ابھی تک حسن بن صباح کا مرید ہے یا نہیں.... یہاں سے حاذق کی بات چلی تو نوُر کے باپ نے کہا کہ وہ اتنا ہی جانتا ہے کہ حاذق کسی جگہ کی بات کر رہا تھا کہ وہاں پیر و مُرشد عبدالملک بن عطاش نے خزانہ رکھا تھا۔

خزانے کی بات شروع ہوئی تو حیدر بصری کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ وہ اسی خزانے کے لئے آیا ہے اور وہ خزانے والی جگہ سے بھی واقف ہے لیکن یہ بھول گیا ہے کہ اس جگہ تک کس طرح پہنچا جا سکتا ہے۔

نوُر کے باپ نے حیدر بصری کی یہ بات سنی تو اس کے دماغ میں روشنی چمکی اور اس کے چہرے پر رونق آ گئی۔

"اب میں تمہیں یقین دلا سکوں گا کہ میں کس کا وفادار ہوں" — نوُر کے باپ نے حیدر بصری کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "میں تمہیں وہاں تک لے جاؤں گا اور سیدھا خزانے تک پہنچا دوں گا۔ ظاہر ہے تم لوگ خزانہ نکال کر واپس شاہ در نہیں آؤ گے بلکہ وہیں سے الموت چلے جاؤ گے۔ میں نور کو بھی ساتھ لے چلوں گا اور تم لوگ خزانے کے ساتھ ہم دونوں کو بھی الموت لے چلنا۔ اس طرح میں اور میری بیٹی سلجوقیوں کی قید سے اور اس پابند زندگی سے آزاد ہو جائیں گے"۔

نور کے باپ نے حیدر بصری اور اس کے ساتھی کو بتایا کہ حاذق کے ساتھ اس کا یارانہ بڑا ہی گہرا اور رازدارانہ تھا۔ حاذق نے اسے خزانے والے راز میں بھی شریک کر رکھا تھا۔

حیدر بصری نے جب یہ بات سنی تو وہ بھول ہی گیا کہ نوُر کا باپ مشتبہ اور مشکوک آدمی ہے۔ اس کے ذہن پر تو اس کا شیخ الجبل امام حسن بن صباح سوار تھا۔ اس نے نوُر کے باپ سے کہا کہ وہ اس خزانے کو نکالنے میں اس کی مدد کرے اور وہ اسے اور اس کی بیٹی کو الموت پہنچا دے گا۔

Scanned by iqbalmt

ظاہر ہے یہ تفصیلات اور یہ منصوبے کوئی اتنی جلدی طے نہیں ہوئے ہوں گے۔ ہُوا یہ کہ نوُر کے باپ نے کہا کہ وہ ایک اپنے قابل اعتماد آدمی کو بھی ساتھ لے جائے گا اور تمام انتظامات مکمل کر لے گا۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اسے باہر نکلنا پڑے گا تاکہ وہ آدمی کو بھی تیار کر لے۔ حیدر بصری اور اس کے ساتھی کو یہ سن کر شک ہُوا کہ یہ شخص انہیں پکڑوا دے گا۔ حیدر بصری نے یہ شک صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا۔

"پھر اس کا مطلب یہ ہو گا" — نور کے باپ نے کہا — "کہ تم صرف مجھے اور میری بیٹی کو اپنے ساتھ قیدی بنا کر لے جاؤ گے اور خزانہ تمہارے ساتھ نہیں ہو گا۔ اگر خزانہ چاہئے تو مجھے باہر نکلنے دو۔ یہ ہے میری بیٹی۔ اسے یرغمال بنا کر جہاں جی چاہے لے جاؤ۔ میں دلی طور پر یہ چاہتا ہوں کہ ہم سب اکٹھے جائیں اور خزانہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس طرح مجھے یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ شیخ الجبل میری نیّت پر شک نہیں کرے گا اور اس کے دل سے یہ الزام نکل جائے گا کہ شاہ در کی شکست کا ذمّہ دار میں ہوں"۔

نوُر کے باپ نے اس مسئلے میں بھی حیدر بصری کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور اسے کہا کہ وہ ایک بڑی گھوڑا گاڑی اور تین زندہ بھیڑوں کا انتظام کر لے۔ حیدر بصری نے پوچھا کہ بھیڑوں کو کیا کرنا ہے تو نور کے باپ نے کہا کہ یہ وہاں چل کر بتاؤں گا۔ وہ جب حلاق کے ساتھ خزانے والی جھیل تک جا رہا تھا تو حلاق پانچ بھیڑیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ نوُر کے باپ نے اس سے پوچھا تھا کہ بھیڑوں کا کیا استعمال ہو گا تو حلاق نے یہی جواب دیا تھا کہ وہاں چل کر بتاؤں گا۔

مختصراً" یہ واقعہ یوں ہُوا کہ حیدر بصری اور اس کا ساتھی گھوڑا گاڑی کا انتظام کرنے چلے گئے اور نور کا باپ یہ بتا کر کہ وہ اپنے آدمی کے پاس جا رہا ہے' سلطان سنجر کے وزیر کے پاس چلا گیا اور اسے بتایا کہ دو فدائی اس کے جال میں آ گئے ہیں لیکن وہ انہیں پکڑوانا نہیں چاہتا بلکہ بہت بُرے انجام تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اس نے وزیر کو یہ بھی بتایا کہ انہیں حسن بن صباح نے اسی خزانے کے لئے بھیجا ہے جو سلطنت کے سرکاری خزانے میں جمع ہو چکا ہے۔

وزیر نے اسے اجازت دے دی اور کہا کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی بیٹی کو بھی پوری طرح محفوظ رکھے اور کوئی خطرہ مول نہ لے اور اسے جو کچھ بھی چاہئے وہ یہاں سے لے لے۔

○

رات کا پہلا پہر گزر گیا تھا۔ شاہ در شہر پر نیند کا غلبہ طاری ہو چکا تھا۔ شہر کے مضافات کی ایک چھوٹی سی بستی میں ایک گھوڑا گاڑی نکلی جس کا رُخ اس جھیل کی طرف تھا جس کے وسط میں عبدالملک بن عطاش کا خزانہ تھا اور جو اب وہاں نہیں تھا۔ گاڑی کے آگے دو گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور ان کی باگیں نوُر کے باپ کے ہاتھ میں تھیں۔ گاڑی میں نور بھی تھی' حیدر بصری اور اس کے دو ساتھی تھے اور ایک آدمی وہ تھا جسے نور کا باپ اپنے ساتھ لایا تھا۔ گاڑی میں تین بھیڑیں بھی تھیں۔ نور کا باپ راستے سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس راستے پر وہ جا بھی چکا تھا اور واپس بھی آ چکا تھا۔

شہر سے کچھ دور جا کر نوُر کے باپ نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ وہ اس کوشش میں تھا کہ صبح طلوع ہونے تک وہ آبادیوں سے دُور جنگل بیابان میں جا پہنچے۔ اس نے سب کو بتا دیا تھا کہ پوری رات گاڑی چلتی رہے گی اور صبح کے وقت کہیں رکیں گے۔

صبح طلوع ہوئی تو وہ ایک ایسے جنگل بیابان میں پہنچ چکے تھے جس کے پیڑ پودوں کے لئے انسان ایسا جانور تھا جو انہوں نے پہلے کبھی دیکھا نہ ہو۔ دُور دُور تک کسی آبادی کا نام و نشان نہ تھا اور پتہ چلتا تھا کہ ادھر سے کبھی کسی انسان کا گزر نہیں ہُوا۔ نوُر کا باپ اس بیابان میں سے پہلے حلاق کے ساتھ گزرا تھا۔ انہوں نے کچھ دیر گھوڑوں کو آرام دیا اور خود بھی کچھ کھا لیا پیا اور پھر چل پڑے۔

نور اور اس کا باپ حلاق کے ساتھ اس طرف آئے تھے تو حلاق بڑی جلدی میں تھا۔ اس نے گھوڑوں کو اتنا زیادہ دوڑایا تھا کہ گھوڑے پسینے سے نہا گئے اور ہانپ کانپ رہے تھے۔ اب گھوڑوں کی باگیں نوُر کے باپ کے ہاتھ میں تھیں اور اسے کوئی جلدی نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا کیا کرنا ہے اور اس نے اپنے ساتھی کو بھی اچھی طرح سمجھا دیا تھا اور نور کو بھی۔ اب وہ بڑے آرام سے گھوڑوں کو چلا رہا تھا اور ایک اور رات آ گئی۔

وہ گھوڑوں کو کھلانے پلانے کے لئے اور خود آرام کرنے کے لئے رک گئے۔ وہ گزشتہ رات جاگتے رہے تھے اس لئے جوں ہی لیٹے سب سو گئے۔ نور کا باپ اور اس کا ساتھی حیدر بصری اور اس کے ساتھیوں کو سوتے میں بڑے آرام سے قتل کر سکتے تھے لیکن نوُر کا باپ اس قدر جلا بھُنا ہُوا تھا کہ وہ انہیں بڑے ہی خوفناک انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔ نوُر کا باپ قافلے کے ساتھ جا رہا تھا کہ ان باطنی لٹیروں نے اُس قافلے کو لُوٹ لیا اور

Scanned by iqbalmt

اس کی بیٹی کو اٹھا کر لے آئے تھے اور اس کے باقی بچوں کو انہوں نے قتل کر دیا تھا اور اس کی بیوی کو بھی قتل کر دیا تھا۔ اس کے سینے میں ان بالشیوں کے خلاف انتقام کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔

رات گزر گئی اور یہ قافلہ گھوڑا گاڑی میں سوار ہو کر چل پڑا۔ نور کا باپ حاذق کے ساتھ آیا تھا تو رات کو جھیل پر پہنچے تھے لیکن اب نُور کا باپ دن کے وقت وہاں پہنچ رہا تھا۔ فاصلہ بہت ہی تھوڑا رہ گیا تھا۔ نور کے باپ نے دانستہ رات وہاں گذاری تھی۔

کچھ دیر بعد وہ جھیل پر پہنچ گئے۔ نُور کے باپ نے دو چیزیں دور سے ہی دیکھ لیں۔ ایک تو چار پانچ مگرمچھ تھے جو جھیل سے نکل کر خشکی پر سوئے ہوئے تھے۔ دوسری چیز وہ کشتی تھی جس میں وہ خزانہ نکال کر لایا تھا۔ وہ کشتی اسی جگہ جھیل کے کنارے موجود تھی جہاں اس نے اور نُور نے اسے گھسیٹ کر آدھا خشکی پر کر دیا تھا۔ کچھ ٹوٹی پھوٹی کشتیاں بھی پڑی تھیں لیکن اصل کشتی ان سے کچھ دور تھی۔ نُور کے باپ نے گھوڑا گاڑی وہاں جا کر روکی اور سب کو اُترنے کے لئے کہا۔

سب اُترے اور بھیڑوں کو بھی اتار لیا گیا پھر بھیڑوں کو کشتی میں پھینک کر سب سوار ہو گئے اور چپو نور کے باپ نے اور اس کے ساتھی نے سنبھال لئے۔ کشتی جوں ہی جھیل میں ذرا آگے گئی تو تین چار مگرمچھ بڑی تیزی سے کشتی کی طرف آئے۔ نور کے باپ نے کہا کہ ایک بھیڑ جھیل میں پھینک دو۔

ایک بھیڑ حیدر بصری نے اٹھائی اور جھیل میں پھینک دی۔ سارے مگرمچھ اس بھیڑ پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ اور آگے گئے تو دو اور مگرمچھ آ گئے۔ نُور کے باپ نے حیدر بصری سے کہا کہ ایک اور بھیڑ جھیل میں پھینک دے جو اس نے پھینک دی۔ نُور کا باپ اور اس کا ساتھی بڑی تیزی سے چپو مار رہے تھے۔ جھیل کا پانی پُرسکون تھا اس لئے کشتی کی رفتار خاصی تیز تھی۔

چھوٹے مگرمچھ بھی جھیل میں نظر آ رہے تھے لیکن وہ سب اُدھر کو ہی چلے گئے جدھر مگرمچھوں نے دو بھیڑوں کو پکڑ لیا اور اسے اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔

آخر کشتی اس خشکی پر جا لگی جس پر چٹانیں تھیں اور اس ذرا سے اس چٹانی علاقے کے وسط میں خزانے والے غار تھے۔ نور کے باپ نے حیدر بصری اور اس کے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اُتر جائیں اور وہ کشتی باندھ کر آتا ہے۔ نور کے باپ کا ساتھی اور نُور بھی

اس طرح اُٹھ کھڑے ہوئے جیسے کشتی میں سے اتریں گے۔ حیدر بصری اور اس کے دونوں ساتھی کود کر خشکی پر چلے گئے۔ نُور کے باپ نے انہیں کہا کہ وہ آگے چلیں۔

جونہی ان تینوں نے پیٹھ پھیری، نور کے باپ نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور دونوں نے چپو مارنے شروع کر دیئے اور کشتی خشکی سے ہٹ آئی اور تیز ہی تیز ہوتی چلی گئی۔ حیدر بصری اور اس کے ساتھیوں نے گھوم کر دیکھا تو وہ حیران رہ گئے کہ یہ لوگ کشتی کہاں لے جا رہے ہیں۔ آخر حیدر بصری نے بلند آواز سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔

"ان چٹانوں کے اندر چلے جاؤ" — نور کے باپ نے کہا — "تمہیں خزانہ مل جائے گا۔ ہمیں خزانے کی ضرورت نہیں"۔

نُور کے باپ اور اس کے ساتھی نے بڑے بلند قہقہے لگائے۔ تب حیدر بصری سمجھا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہُوا ہے۔ تینوں نے جھیل میں چھلانگیں لگا دیں اور کشتی کی طرف تیرنے لگے۔ انہیں غالباً یہ توقع تھی کہ وہ تیر کر اس ساحل پر پہنچ جائیں گے جہاں سے وہ کشتی میں سوار ہوئے تھے لیکن مگرمچھوں نے انہیں دیکھ لیا اور بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ نُور کے باپ نے کشتی کی رفتار اور تیز کر دی اور کنارے جا لگے۔ انہوں نے ایک بھیڑ بچالی تھی جسے اٹھا کر وہ کشتی سے نکل آئے اور ان تین باغیوں کے انجام کا تماشا دیکھنے لگے۔

ان تینوں کی آخری چیخیں آسمان کا سینہ چاک کر رہی تھیں لیکن یہ چیخیں الموت تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ کچھ دیر تک ان کی چیخیں اور آہ و بکا سنائی دیتی رہی اور وہ تینوں دکھائی دیتے رہے اور پھر مگرمچھ انہیں پانی کے نیچے لے گئے۔

نُور کے باپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور اپنے بازو پھیلائے اور لمبی آہ بھری اور پھر نُور اور اپنے ساتھی کو سر کا اشارہ کیا کہ آؤ چلیں۔

Scanned by iqbalmt

بعد دیگرے ایسے واقعات ہو گئے تھے اور ہوتے چلے جا رہے تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ سلسلہ جاری رہا تو حسن بن صباح زوال پذیر ہو جائے گا۔

کچھ عرصہ پہلے تک یوں نظر آتا تھا جیسے فتح اور ہر ابلیسی کام میں کامیابی حسن بن صباح کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ اس کے جانباز فدائی سلطنتِ سلجوقیہ کی جڑوں میں اتر گئے تھے۔ اُس نے مسلمانوں میں خانہ جنگی تک کرا دی تھی۔ اپنوں نے اپنوں کا اس قدر خون بہا دیا تھا کہ تاریخ کے اوراق آج بھی اس خون سے لال ہیں۔ حسن بن صباح نے جس سیاسی' معاشرتی اور مذہبی شخصیت کو اور جس حاکم کو قتل کرنا چاہا وہ اپنے فدائیوں سے کرا دیا.... حکمرانی تو سلجوقیوں کی تھی لیکن لوگوں کے دلوں پر حسن بن صباح راج کرتا تھا۔ ایک تو وہ لوگ تھے جو اس کے مرید ہو گئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اسے نبی مانتے تھے اور زیادہ تر لوگ آسمان سے اترا ہوا امام سمجھتے تھے۔ دوسرے وہ لوگ تھے جن پر حسن بن صباح اور اس کے فدائی دہشت بن کر آسیب کی طرح سوار ہو گئے تھے۔

لوگ یقین سے کہتے تھے کہ حسن بن صباح کے پاس کوئی جادو ہے ورنہ ایسا کبھی نہ ہوتا کہ ایک آدمی ایک طاقتور سلطنت کے لئے اتنا خطرناک اور دہشتناک مسئلہ بن جاتا۔ مؤرخوں نے بھی یہی لکھا ہے۔ تاریخ ایسی شہادت پیش کرتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے ہاتھ میں جادو ضرور تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ دن کو رات یا رات کو دن بنا دیتا۔

○

سلطنتِ سلجوقیہ کی فوج میں اور لوگوں میں بھی بددلی سی پائی جاتی تھی جیسے وہ حسن بن صباح کو شکست نہیں دے سکیں گے۔ اس فوج نے باطنیوں کے قبضے میں آئے ہوئے جس قلعے کا بھی محاصرہ کیا وہاں سے فوج ناقابلِ برداشت جانی نقصان اٹھا کر پسپا ہو آئی تھی۔

پھر لوگوں کے کانوں میں یہی ایک خبر پڑتی تھی کہ آج حسن بن صباح نے وزیرِ اعظم کو یا کسی حاکم کو یا کسی عالم دین کو قتل کروا دیا ہے۔ لوگ فدائیوں کو جن بھوت سمجھنے لگے تھے لیکن سالار اوریزی نے وسم کوہ کا قلعہ فتح کر لیا' پھر شاہ در پر بھی قبضہ ہو گیا اور پھر حسن بن صباح کے پیر استاد عبدالملک بن عطاش کو بھی قتل کر دیا گیا اور اس کے علاوہ لوگوں کو یہ خبریں ملنے لگیں کہ باطنی فدائی پکڑے جانے لگے ہیں اور وہ اپنے ساتھیوں کو بھی پکڑوا رہے ہیں اور یہ بھی کہ وہ حسن بن صباح کے غدار اور مسلمانوں کے وفادار ہو گئے ہیں تو لوگوں کی نگاہوں میں حسن بن صباح ایک انسان کے روپ میں سامنے آنے لگا۔

سلطان محمد کا وزیرِ اعظم ابو نصر احمد مرو میں الموت پر حملے کے لئے بہت بڑی فوج تیار کر رہا تھا اور زیادہ تر وقت اس کی ٹریننگ پر صرف کرتا تھا۔ وہ وزیرِ اعظم تھا لیکن ہمہ وقت سپہ سالار بن گیا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ فوج میں حسن بن صباح کو پُراسرار اور ایسی شخصیت سمجھا جا رہا ہے جس کے ہاتھ میں کوئی غیبی طاقت ہے۔ فوج کا جذبہ اور لڑنے کا حوصلہ مضبوط کرنے کے لئے ابو نصر احمد ساری فوج کو اکٹھا کر کے سناتا رہتا تھا کہ باطنیوں پر کس طرح کامیابیاں حاصل کی جا رہی ہیں۔

وہ فوج کو قرآن کی وہ آیات سناتا رہتا تھا جن کا تعلق جہاد کے ساتھ ہے۔ یہ آیت تو وہ اکثر سنایا کرتا تھا —— "وہ لوگ جو ایمان والے ہیں' اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر طاغوت کے لئے لڑتے ہیں۔ شیطان کے ساتھیوں کے خلاف جہاد کرو۔ یقیناً" شیطان کی چالیں کمزور ہیں"۔

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ وہ سالاروں اور ان سے کم درجہ کمانداروں کو پوری طرح آرام بھی نہیں کرنے دیتا تھا۔ انہیں اکٹھا کر کے الموت کے محاصرے اور تسخیر کے طریقے بتاتا اور ان کے مشورے اور تجاویز غور سے سنتا تھا۔ اس کے جوش و خروش اور سرگرمیوں میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اسے ابن مسعود نے الموت کے اندر کی

Scanned by iqbalmt

معلومات دے دی تھیں۔ وہ اب اپنے سالاروں کو الموت کے اندر کے نقشے بنا بنا کر دکھاتا اور انہیں یقین دلاتا تھا کہ الموت کو فتح کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔

عبید عربی اور ابن مسعود جیسے پتھر دل فدائی جو کسی دوسرے کی اور اپنی جان لے لینے کو ایک پُرلطف کام سمجھتے تھے' اپنے امام حسن بن صباح کی جان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے ایمان پر ابلیسیت کے جو پردے پڑ گئے تھے' وہ انہوں نے اتار پھینکے تھے۔

یہ تمام واقعات لوگوں کو سنائے جاتے رہے تو ان میں جو بددلی پیدا ہو گئی تھی وہ نکل گئی۔ لوگ تسلیم کرنے لگے کہ اللہ ان کی مدد کر رہا ہے۔ لوگوں کو مسجدوں میں خطبوں میں بتایا گیا کہ اللہ اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ یہ آیت فوج میں شامل ہونے والے لوگوں کو ذہن نشین کرا دی گئی تھی کہ لڑو اُس وقت تک جب تک کفر کا فتنہ موجود ہے اور جب تک رُوئے زمین پر اللہ کی حکمرانی قائم نہیں ہو جاتی۔

ان حالات سے یہی پتہ چلتا تھا کہ حسن بن صباح کا زوال شروع ہو گیا ہے۔

○

داستان گو سنا چکا ہے کہ ابن مسعود الموت چلا گیا تھا اور اُس نے غداری کا سارا الزام حیدر بصری کے سر تھوپ دیا اور خود مظلوم اور مسلمانوں کی قید سے فرار کا ہیرو بن گیا تھا۔ اس وقت اسے یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ حیدر بصری کو امام شیخ الجبل نے شاہ در خزانہ نکالنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ ابن مسعود کو جب پتہ چلا تو اُس نے کہا کہ اسے خزانہ مل گیا تو وہ واپس ہی نہیں آئے گا۔

اس نے یہ الفاظ منہ سے نکال تو دیئے تھے لیکن وہ شیخ الجبل کے آگے جھوٹ بولنے کی سزا سے بے خبر نہیں تھا.... سزائے موت.... اگر حیدر بصری خزانہ لے کر یا خزانے کے بغیر ہی آ جاتا تو ابن مسعود کو گھٹنوں تک زمین میں گاڑ کر اُس پر خونخوار کتے چھوڑ دیئے جاتے لیکن یہ بھی اللہ کی مدد تھی کہ حیدر بصری اور اس کے ساتھیوں کو خزانے والی جھیل کے مگرمچھ ہضم کر چکے تھے اور حیدر بصری نے اب کبھی واپس نہیں آنا تھا۔

نُور کے باپ نے بڑا ہی خوفناک انتقام لیا تھا۔ یہ پچھلے باب میں سنایا جا چکا ہے۔ نُور کے باپ نے اپنی انتقامی کارروائی کو یہیں پر ختم نہیں کر دیا تھا۔ حیدر بصری اور اس کے ساتھیوں کو مگرمچھوں کے حوالے کر کے وہ اپنے ساتھی اور نُور کے ساتھ گھوڑا گاڑی میں سوار ہُوا اور واپس چل پڑا۔ اب اُس نے کچھ سوچ کر گھوڑوں کو دوڑایا نہیں' رفتار

آہستہ رکھی۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ دو یا تین راتیں راستے میں ہی گذارے گا۔

چوتھے روز وہ شام کے بعد اُس وقت شاہ در میں داخل ہُوا جب رات تاریک ہو گئی تھی۔ وہ دانستہ ایسے ہی وقت شہر میں داخل ہونا چاہتا تھا جب اُسے وہ باطنی نہ دیکھ سکیں جنہیں معلوم تھا کہ وہ حیدر بصری کے ساتھ خزانے والی جھیل کو گیا تھا۔ ان باطنیوں کے صرف ایک گھر سے وہ واقف تھا۔ وہ لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ وہ شہر کے ساتھ ہی ایک گاؤں میں رہتے تھے۔

وہ سیدھا سلطان سنجر کے وزیر کے گھر کے سامنے جا رکا اور وزیر کو پتہ چلا تو اُس نے اسے اندر بلا لیا.... نُور کے باپ نے وزیر کو بتایا کہ وہ کیا کر آیا ہے اور اب وہ کیا کرے گا۔ وزیر اُس کی بات سن کر خوش تو بہت ہُوا لیکن اس نے یہ بھی کہا کہ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے' محتاط ہو کر کرے اور اپنی اور اپنی بیٹی کی حفاظت سے بھی کوتاہی نہ کرے۔

اُس نے گھوڑا گاڑی وہیں چھوڑی اور وزیر سے درخواست کی کہ اس گاڑی کو چھپا کر رکھ دیا جائے اور یہ کسی کے سامنے نہ آئے.... وزیر نے گھوڑا گاڑی اور گھوڑے کو چھپا کر رکھنے کا حکم دے دیا۔ نُور کا باپ نُور اور اپنے ساتھی کو ساتھ لے کر وہاں سے اپنے گھر گیا اور انہیں یہ کہا کہ دو دن وہ باہر نہ نکلیں اور کسی کو پتہ نہ چلے کہ وہ واپس آ گئے ہیں۔

○

دو روز بعد نُور کا باپ شہر سے نکلا اور گاؤں میں اُس باطنی کے گھر گیا جہاں باطنی اکٹھے ہُوا کرتے تھے۔ وہاں تین چار باطنی موجود تھے جن میں ایک فدائی تھا۔

"آ گئے تم لوگ؟" — ایک دو نے بیک زبان کہا — "گھوڑا گاڑی کی آواز نہیں آئی.... حیدر اور دوسرے کہاں ہیں؟"

نُور کا باپ کوئی جواب دیئے بغیر یوں چارپائی پر بیٹھا جیسے نڈھال ہو کر گر پڑا ہو۔ اُس نے سر جھکا کر دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے جو کوئی اچھی نشانی نہیں تھی۔ باطنیوں نے گھبرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا "کیا ہوا کیا ہے؟"

"کیا بتاؤں دوستو!" — نُور کے باپ نے بڑی ہی کمزور اور شکست خوردہ آواز میں کہا — "شیخ الجبل کے طفیل میری اور میری بیٹی اور میرے ساتھی کی جان بچ گئی ہے اور

Scanned by iqbalmt

میری جوان بیٹی کی عزت بھی بچ گئی ہے.... حیدر بصری اور اس کے ساتھی خزانہ لے کر کہیں اور نکل گئے ہیں۔ وہ آپس میں سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اتنا ہی سنا کہ وہ اسی گھوڑا گاڑی پر مصر چلے جائیں گے۔ بہرحال وہ اَلمُوت نہیں گئے۔ غداری کر گئے ہیں"۔

باطنی اُس سے پوچھنے لگے کہ یہ سب ہُوا کیسے؟.... نُور کے باپ نے کہا کہ وہ خیریت سے خزانے کے غار تک پہنچ گئے تھے اور بکس اٹھا کر لائے' کشتی میں بھی رکھ لئے مگر مچھوں نے حملہ کیا تو ان کے آگے بھیڑیں پھینک کر کنارے سے آ لگے اور پھر بکس گاڑی میں ڈال لئے۔

نُور کے باپ نے رنج و الم سے دبی ہوئی آواز میں بتایا کہ وہاں سے چلنے لگے تو وہ آگے بیٹھا اور گھوڑوں کی باگیں ہاتھوں میں لے لیں لیکن حیدر نے اس کے ہاتھوں سے باگیں لے کر اسے پیچھے بٹھا دیا اور گاڑی چلا دی۔ کچھ دیر کے سفر کے بعد ایسی جگہ پہنچے جہاں سے دو راستے نکلتے ہیں۔ ایک شاہ در کی طرف آتا ہے اور دوسری پگڈنڈی کسی اور طرف چلی جاتی ہے۔

اُس نے الم ناک آواز میں آہستہ آہستہ سنایا کہ حیدر نے گھوڑا گاڑی دوسری پگڈنڈی کی طرف موڑ دی اور نور کے باپ نے اسے بتایا کہ شاہ در کو وہ دوسرا راستہ جاتا ہے۔ حیدر نے نہ جانے کس زبان میں کچھ کہا تو حیدر کے ساتھیوں نے نُور کے باپ کو اور اس کے ساتھی اور نُور کو بھی اٹھا کر دوڑتی گھوڑا گاڑی سے باہر پھینک دیا اور گھوڑے دوڑا دیئے۔ جتنی دیر میں وہ اٹھتے اور سنبھلتے تھے' گھوڑا گاڑی دور آگے جا کر ایک موڑ مڑ چکی تھی اور چٹانوں کے پیچھے چھپ گئی تھی۔

پھر نُور کے باپ نے سنایا کہ وہ بیابان' سنسان اور خطرناک جنگل تھا اور نور کا باپ صرف اپنی جوان اور خوبصورت بیٹی کے متعلق پریشان تھا۔ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا جو کوئی راہزن یا ڈاکو لوٹ لیتا' سب سے زیادہ قیمتی چیز نُور تھی۔ اسے چھپائے رکھنا بہت ہی مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ شاہ در کی طرف آنے والی پگڈنڈی پر ہو گئے اور شیخ الجبل کو یاد کرتے چل پڑے۔

"ہمیں زندہ واپس آنے کی کوئی امید نہیں تھی"۔۔۔ نور کے باپ نے سنایا۔۔۔ "جنگل میں ذرا سی بھی آہٹ ہوتی تھی تو میں ڈر جاتا کہ یہ راہزن ہی ہوں گے۔ ہم خاصی

دُور نکل آئے تو پیچھے سے سات اونٹ آتے نظر آئے۔ اب تو ہم اور زیادہ ڈر گئے۔ ہماری تلواریں گھوڑا گاڑی میں چلی گئی تھیں۔ بھاگنا بھی بے کار تھا۔ شُتر سواروں نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور وہ اونٹوں پر سوار ہو کر اونٹ ہمارے پیچھے دوڑا دیتے اور ہمیں پکڑ سکتے تھے....

"ہم نے اپنے آپ کو قسمت اور تقدیر کے حوالے کر دیا۔ اونٹ قریب آ گئے تو میں نے دیکھا کہ سات میں سے چار اونٹوں پر سامان لدا ہُوا تھا اور تین خالی تھے۔ ان کے ساتھ پانچ آدمی تھے۔ وہ ہمارے قریب آئے تو ان کا انداز ایسا تھا جس سے یہ شک نہیں ہوتا تھا کہ یہ راہزن یا ڈاکو ہیں۔ انہوں نے ہمیں مسکرا کر دیکھا اور ایک نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو اور کہاں جا رہے ہو.... میں نے انہیں یہ جھوٹا بیان دیا کہ ہم اونٹوں پر آ رہے تھے اور شاہ در جا رہے ہیں' راستے میں دو راہزنوں نے سامان بھی لُوٹ لیا ہے اور اونٹ بھی لے گئے ہیں....

"میری یہ بات سن کر ایک نے کہا کہ وہ اگر ڈاکو تھے تو اتنی خوبصورت لڑکی کو کیوں چھوڑ گئے ہیں؟ میں نے دوسرا جھوٹ بولا کہ اُس وقت یہ لڑکی جنگل کے اندر ایک اوٹ میں چلی گئی تھی۔ اس نے وہاں سے دیکھ لیا تھا اور چھپی رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ میری بیٹی ہے پھر میں نے اُن شتربانوں کی منت سماجت کی کہ ہمیں اونٹوں پر شاہ در پہنچا دیں اور وہ جتنی اُجرت مانگیں گے' وہاں انہیں دے دی جائے گی۔ وہ کوئی بھلے لوگ تھے جو ہمیں اونٹوں پر سوار کر کے یہاں لے آئے اور میں نے انہیں کچھ اُجرت دے دی لیکن راستے میں انہوں نے تین دن لگا دیئے۔ ہم تینوں تو گھر میں نڈھال ہو کر پڑے رہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ ہمارے ساتھ جو ہُوا وہ کن الفاظ میں سنائیں گے کہ وہ سننے والے مان لیں"۔

"وہ تو ہم نے مان لیا ہے"۔۔۔ ایک باطنی نے کہا۔۔۔ "یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ تم جیسے بوڑھے نے حیدر بصری اور اس کے ساتھیوں کو اپنے صرف ایک ساتھی کے ساتھ قتل کر دیا ہو اور خزانہ ہضم کر لیا ہو' اب یہ سوچو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

"تم سب ان کے تعاقب میں نکل جاؤ تو بھی ان تک نہیں پہنچ سکتے"۔۔۔ نُور کے باپ نے کہا۔۔۔ "یہ تو دیکھو کہ دن کتنے گزر گئے ہیں۔ اب یہی ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی اَلمُوت چلا جائے اور شیخ الجبل کو بتا دے کہ خزانہ حیدر بصری لے اُڑا ہے۔ وہ الموت گیا

Scanned by iqbalmt

ہو تو ہمیں اس کے ساتھی راستے میں پھینک کیوں جاتے!"

اُن میں سے ایک آدمی اُسی وقت اَلمُوت جانے کے لئے تیار ہُوا اور گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ نُور کا باپ اٹھا اور دکھ زدہ آدمی کی طرح سر جھکائے ہوئے اس گھر سے نکل آیا۔

○

اَلمُوت میں ابنِ مسعود باقاعدہ قید میں تو نہیں تھا لیکن اس کی باقاعدہ نگرانی ہو رہی تھی۔ حسن بن صباح نے کہا تھا کہ یہ خیال رکھا جائے کہ یہ شخص کہیں یہاں سے نکل نہ جائے۔

ابنِ مسعود ایک کشمکش میں مبتلا رہتا تھا۔ جوں جوں دن گزر رہے تھے، اُس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اسے ہر لحہ یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ حیدر بصری خزانہ لے کر آ جائے گا اور اس کا پول کھل جائے گا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ حیدر بصری کو جھٹلانے کی پوری کوشش کرے گا لیکن آنے کی صورت میں خطرہ یہ تھا کہ حسن بن صباح نے اُسی کو سچا اور دیانتدار سمجھنا تھا۔ اس صورت میں حسن بن صباح کے منہ سے یہی الفاظ نکلنے تھے کہ اس شخص ابنِ مسعود کو لے جاؤ اور عبرت ناک موت مار ڈالو۔

آخر ایک روز بلاوا آ گیا۔ ابنِ مسعود اندر سے کانپتا ہُوا امام کے کمرے تک پہنچا۔ اس نے بیفے میں خنجر اڑس لیا تھا اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ امام جب اسے سزائے موت سنائے گا تو وہ خنجر نکال کر امام کے دل میں اُتار دے گا۔

"آؤ ابنِ مسعود!" — حسن بن صباح نے کہا — "مجھے یہ تو خوشی ہے کہ تم بچ نکلے اور اب میں تمہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ تم سلجوقیوں کی قید سے فرار ہو آئے ہو لیکن اس اطلاع نے مجھے بہت دکھ دیا ہے کہ حیدر بصری اپنے ساتھیوں کے ساتھ سارا خزانہ لے اُڑا ہے۔ معلوم ہُوا ہے کہ وہ مصر جا رہا ہے۔ دن اتنے گزر گئے ہیں کہ اب اس کا تعاقب محض بے کار ہے"۔

"یا شیخ الجبل!" — ابنِ مسعود نے کہا — "کیا مصر میں ہمارا کوئی آدمی نہیں؟"

"وہ انتظام تو میں کر ہی دوں گا" — حسن بن صباح نے کہا — "لیکن یہ تو بہتے دریا کی تہہ میں سے سُوئی ڈھونڈنے والی بات ہو گی۔ مصر بہت بڑا ملک ہے۔ جس کے کئی شہر اور قصبے ہیں، معلوم نہیں یہ بدبخت کہاں جا آباد ہو گا"۔

"یا شیخ الجبل!" — ابنِ مسعود نے بڑی جاندار اور پُراعتماد آواز میں کہا — "اب میں وہ باتیں بھی کر سکتا ہوں جو پہلے آپ تک نہیں پہنچائی تھیں۔ حیدر نے سلجوقیوں کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ دریا کی طرف اَلمُوت کا ایک چور دروازہ ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس دروازے تک کس طرح پہنچا جا سکتا ہے۔ اَلمُوت کا محاصرہ ضرور ہی ہو گا اور سلجوقیوں کی کوشش یہ ہو گی کہ وہ دریا والے دروازے سے اندر آئیں گے"۔

"اندر سے دروازہ کون کھولے گا؟" — حسن بن صباح نے پوچھا۔

"ان کے ایک دو آدمی آپ کے پیروکاروں کے بہروپ میں قلعے میں پہلے ہی آ جائیں گے" — ابنِ مسعود نے کہا — "انہیں اس دروازے تک اندر سے پہنچنے کا راستہ معلوم ہو گا۔ حیدر بصری نے انہیں بڑی اچھی طرح سمجھا دیا تھا"۔

"وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے" — حسن بن صباح نے کہا — "میں اس کا بندوبست کر لوں گا"۔

"ایک عرض ہے یا شیخ الجبل!" — ابنِ مسعود نے کہا — "آپ کا بندوبست یقیناً بے مثال ہو گا لیکن وہ دروازہ میری ذمہ داری میں دے دیں پھر اس تک کسی کے پہنچنے کا امکان بالکل ہی ختم ہو جائے گا۔ میں دسم کوہ میں بہت عرصے بعد پکڑا گیا اور قید ہُوا تھا۔ اس سے پہلے میں وہاں اتنا زیادہ عرصہ رہا ہوں کہ فوج کے بے شمار چیدہ چیدہ آدمیوں کو پہچانتا ہوں۔ وہ کسی بھی بہروپ میں آئے، میں انہیں پہچان لوں گا۔ اس سے پہلے مجھے مَرو جانے دیں"۔

"وہاں جا کر کیا کرو گے؟" — حسن بن صباح نے پوچھا — "کیا پکڑے نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں یا شیخ الجبل!" — ابنِ مسعود نے جواب دیا — "دسم کوہ میں مجھے بہت سے لوگ پہچانتے ہیں، مَرو میں نہیں۔ میں مَرو سے واقف ہوں اور کچھ عرصہ وہاں رہا ہوں لیکن لوگوں میں زیادہ اٹھا بیٹھا نہیں.... سلطان محمد کا وزیرِ اعظم ابو نصر احمد اَلمُوت پر حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ اُسے قتل کیا جا سکتا ہے لیکن میں کہتا ہوں اسے قتل نہیں کریں گے۔ اسے قتل کر دیا تو اس کی جگہ کوئی اور وزیرِ اعظم بن جائے گا اور وہ حملے کی تیاری جاری رکھے گا بلکہ سلطان کو خوش کرنے کے لئے فوراً حملہ کر دے گا۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ ابو نصر احمد کو زندہ رہنے دیا جائے اور اسے اپنے اثر میں لے لیا جائے۔ مجھے یہ بھی

Scanned by iqbalmt

معلوم ہے کہ سلطان محمد پر اس وزیرِ اعظم کا اثر غالب ہے۔ ہم اس وزیرِ اعظم کو اپنے جال میں لا کر سلطان محمد کو اپنے رنگ میں رنگ سکتے ہیں"۔

"یہ کام کون کرے گا؟"

"میں کروں گا یا شیخ الجبل!" — ابنِ مسعود نے جواب دیا — "آپ مجھے مَرو جانے دیں اور میں زرّیں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا"۔

"زریں کون ہے؟"

"وہ میری سگی بہن ہے" — ابنِ مسعود نے جواب دیا — "آپ کو یاد نہیں رہا' میرا باپ ہم دونوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر گیا تھا۔ زرّیں جنّت میں ہے اور میں اس کے ذریعے ابو نصر احمد کو اپنے ہاتھ میں لے لوں گا۔ بڑی ہی خوبصورت اور تیز طرار لڑکی ہے۔ وہاں میں اپنے آپ کو چھپا کر رکھوں گا۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ابو نصر احمد جذباتی اور حُسن پرست ہے۔ اسے ہم شیشے میں اتار لیں گے"۔

حسن بن صباح گہری سوچ میں کھو گیا۔

"آپ کو یاد ہو گا یا شیخ الجبل!" — ابنِ مسعود نے کہا — "ہم نے ان کے ایک وزیرِ اعظم سعید الملک کو اپنے اثر میں لے ہی لیا تھا۔ وہ بہت عرصہ ہمارے زیرِ اثر رہا تھا پھر نہ جانے کس غدار نے یہ راز فاش کر دیا اور سلطان نے اس وزیرِ اعظم کو جلاّد کے حوالے کر دیا تھا۔ ابو نصر احمد کو بھی اپنے ساتھ ملانا کوئی مشکل کام نہیں۔ آپ مجھے مَرو جانے دیں اور یہ اجازت بھی دیں کہ میں زرّیں کو اپنے ساتھ لے جاؤں.... ہاں' یہ بھی یاد آیا یا شیخ الجبل! آپ نے سلطان برکیارق کو بھی تو اپنی مٹھی میں لے لیا تھا.... اگر آپ میرا مشورہ قبول کریں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ ابُو نصر احمد کو بھی اسی طرح آپ کی مٹھی میں دے دیں گے"۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حسن بن صباح بوڑھا ہو گیا تھا۔ اُس میں پہلے والی بات نہیں رہی تھی۔ وہ مشورے کم ہی سنا کرتا تھا۔ اُس پر پے در پے چوٹیں ہی ایسی پڑی تھیں کہ اس کا دماغ کچھ کمزور ہو گیا تھا۔ سب سے بڑی چوٹ تو یہ تھی کہ اس کا پیر و مُرشد عبد الملک بن عطاش مرا نہیں بلکہ مار دیا گیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس نے جو جادو حسن بن صباح کو سکھایا تھا وہ اس کے ساتھ ہی قبر میں چلا گیا تھا۔

یہ چوٹ بھی کچھ کم نہ تھی کہ اس کے اپنے فدائی جن پر اسے مکمل بھروسہ تھا' اتنا

زیادہ خزانہ لے کر غائب ہو گئے تھے۔ یہ تو اسے ابھی معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا ایک اور قابلِ اعتماد فدائی جس کا نام ابنِ مسعود تھا اور جو اس کے سامنے بیٹھا اسے مشورے دے رہا تھا' اسے بہت بڑا فریب دے رہا تھا۔ اس فدائی کو یہ فریب کاری حسن بن صباح نے خود ہی سکھائی تھی اور وہ اس کا اور اس کے استادوں کا ہی شاگرد تھا۔ یہ طلسمِ سامری تھا جو ابنِ مسعود سامری کے ہی خلاف استعمال کر رہا تھا اور حسن بن صباح جیسا ابلیس اس کا پورا پورا اثر لے رہا تھا۔

حسن بن صباح نے اُسی وقت اپنے دو تین مشیروں کو بلایا اور ابنِ مسعود نے جو مشورے دیئے تھے' وہ ان کے آگے رکھے اور پوچھا کہ ان مشوروں پر عمل کیا جائے یا نہیں۔

کچھ دیر تک بحث مباحثہ چلا۔ ابنِ مسعود نے مشیروں کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا اور یہ فیصلہ لے لیا کہ ابنِ مسعود اپنی بہن زرّیں کو ساتھ لے کر مَرو چلا جائے اور اس کے ساتھ دو آدمی بھیجے جائیں جو راستے میں ان کی حفاظت کریں کیونکہ اتنی حسین اور نوجوان لڑکی اس کے ساتھ جا رہی ہے.... ابنِ مسعود نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اپنے ان آدمیوں کو جانتا ہے جو مَرو میں رہتے ہیں۔

○

ابنِ مسعود یہ فیصلہ لے کر وہاں سے نکلا اور اپنی بہن زرّیں کی تلاش میں جنّت کی طرف چلا گیا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جنّت کا وہ علاقہ اس قدر حسین' سرسبز اور شاداب تھا جو الفاظ کے احاطے میں آ ہی نہیں سکتا۔ وہاں کے پیڑ پودے اور پھول ایسے تھے جو عام طور پر دیکھنے میں نہیں آیا کرتے تھے۔ وہاں کے پرندے بھی کچھ ایسے تھے جن کا تعلق اس علاقے کے ساتھ نہیں تھا' وہ دُور دُور سے لائے گئے تھے۔ یہ رنگا رنگ پرندے تھے۔ وہاں سے ایک ندی گزرتی تھی جو بڑی ہی شفاف تھی۔ عجوبہ یہ تھا کہ الموت بلند اور بڑی ہی چوڑی چٹان پر آباد تھا لیکن اس بلندی پر بھی یہ مصنوعی ندی بنائی گئی تھی۔ دریا سے مصنوعی طریقوں سے پانی اوپر چڑھایا جاتا تھا اور یہ ندی جنّت کے درمیان سے بل کھاتی گزرتی تھی۔

اُس جنّت میں جو حوریں گھومتی پھرتی' شوخیاں کرتی اور ہنستی کھیلتی نظر آتی تھیں' وہ اس زمین کی لڑکیاں لگتی ہی نہیں تھیں۔ اصل بات جو مؤرخوں نے لکھی ہے وہ یہ

Scanned by iqbalmt

تھی کہ جسے اس جنت میں داخل کیا جاتا تھا اسے پہلے تھوڑی سی حشیش پلا دی جاتی تھی؛ اور بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ حشیش کے علاوہ ایک خاص قسم کی جڑی بُوٹی تھی جو حسن بن صباح کی دریافت تھی۔ اسے کسی کیمیاوی عمل سے گذار کر نشہ آور بنا دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ جنت میں کئی جگہوں پر اُس جڑی بوٹی کو کاشت کر دیا گیا تھا جس کا اثر یہ تھا کہ اس کی خوشبو بھی نشہ طاری کر دیتی تھی۔ حشیش کے علاوہ اس جڑی بُوٹی کا نشہ بھی پلا دیا جاتا تھا۔

اس کا اثر کچھ ایسا تھا کہ انتہائی بھدی اور بدنما چیزیں بھی بڑی ہی دلکش اور خوشنما لگتی تھیں۔

اپنی جانیں ہنستے کھیلتے ہوئے قربان کرنے والے فدائی اسی جنت کے نکالے ہوئے آدم تھے۔ انہیں جب یہاں سے نکالا جاتا تھا تو وہ تڑپتے' بے حال ہوتے' چیختے اور چلاتے تھے کہ انہیں یہاں سے نہ نکالا جائے لیکن ان کی برین واشنگ اس حد تک ہو چکی ہوتی تھی کہ انہیں کہا جاتا تھا کہ وہ فلاں جگہ جائیں' فلاں کو قتل کریں پھر اسی خنجر سے اپنے آپ کو بھی قتل کر دیں اور پھر وہ ہمیشہ اس جنت میں رہیں گے۔

ابنِ مسعود بھی اس جنت میں رہ چکا تھا اور وہ یہاں سے نکل کر حشیش پیتا رہا تھا لیکن اس پر جنت کی حقیقت جس طرح بے نقاب ہوئی' وہ بیان ہو چکی ہے.... اب ایک عرصے بعد اور ایک بدلے ہوئے نارمل انسان کی طرح وہ اس جنت میں اپنی بہن کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا تو اسے اپنے دل میں خلش سی محسوس ہو رہی تھی اور ضمیر میں ایک کانٹا سا اتر گیا جس کی چبھن اسے بے چین کئے ہوئے تھی۔ اُسے کئی لڑکیاں نظر آئیں اور وہ سب ایک ایک نوجوان کو ساتھ لئے عشق و محبت کا کھیل کھیل رہی تھیں اور بعض بے حیائی کے مظاہرے کر رہی تھیں۔ ان کی ہنسی جلترنگ جیسی مترنم تھی۔ ابن مسعود اپنے خون میں حرارت محسوس کرنے لگا تھا۔ حرارت تو وہ پہلے بھی محسوس کیا کرتا تھا لیکن اب اس حرارت میں ایمان کی تپش تھی۔

"عمر!" — اسے کسی لڑکی کی آواز سنائی دی۔

اُس نے رُک کر ادھر دیکھا۔ اُس کا نام عمر بن مسعود تھا۔ اسے ابن مسعود کہتے تھے اور صرف اس کی بہن تھی جو اسے عمر کے نام سے پکارا کرتی تھی۔ اُس نے اُدھر دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی تو اسے اپنی بہن نظر آئی جو اُس کی طرف دوڑتی آ رہی تھی۔ وہ

"ہاں!" — طبیب عجم نے جواب دیا — "اسے دوائی پلائی جائے گی لیکن آپ نے بتایا ہے کہ وہ قید خانے کی کوٹھڑی میں بہت زیادہ اودھم برپا کر رہا ہے۔ آپ اسے دوائی کس طرح پلائیں گے؟ یہ کام آپ کو کرنا ہو گا"۔

"ہاں محترم طبیب!" — نظام الملک نے کہا — "میں نے ایک انتظام تو کیا ہے کہ اس شخص پر قابو پایا جا سکے..... ذرا ٹھہریئے..... میں معلوم کرتا ہوں کہ وہ آدمی واپس آیا ہے یا نہیں"۔

نظام الملک نے دربان کو بلا کر پوچھا کہ وہ آدمی آیا ہے کہ نہیں۔ دربان کو معلوم تھا کہ کس شخص کے متعلق پوچھا جا رہا ہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ ابھی ابھی آیا ہے۔ نظام الملک نے اسے کہا کہ اسے فوراً اندر بھیج دو۔ دربان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد وہی آدمی جو قید خانے میں حسن بن صباح کا جاسوس بن کر مزمل آفندی کے پاس گیا اور اسے ٹھنڈا کر آیا تھا' اندر آیا۔

"کہو بھائی!" — نظام الملک نے اُس سے پوچھا — "کیا کر کے آئے ہو؟"

"سب ٹھیک کر آیا ہوں" — اس شخص نے جواب دیا — "وہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ میں نے اسے کہا ہے کہ آئندہ اس کے کھانے پینے کا انتظام میں کروں گا۔ اس نے بخوشی یہ صورت قبول کر لی ہے۔ اس نے مجھ پر مکمل اعتماد کیا ہے"۔

"آفرین!" — نظام الملک نے کہا پھر وہ طبیب سے مخاطب ہُوا — "اب اُسے وہ دوائی آسانی سے پلائی جا سکے گی جو آپ اسے دینا چاہیں گے"۔

نظام الملک نے اس آدمی کو باہر بھیج دیا۔

"میں آپ کو خبردار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں" — طبیب نے کہا — "دوائی تو میرے پاس تیار ہے۔ یہ میرا پہلا تجربہ ہو گا۔ اس دوائی کا اثر یہ ہو گا کہ مزمل بے ہوش ہو جائے گا یا یوں کہہ لیں کہ سو جائے گا۔ ایسا ہونا تو نہیں چاہئے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ دوائی کی مقدار ایک آدھا قطرہ بھی زیادہ ہو گئی تو اس شخص کی موت واقع ہو سکتی ہے"۔

"نہیں میرے بزرگ!" — شمونہ نے تڑپ کر کہا اور طبیب کے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر التجا کے لہجے میں بولی — "ایسا نہ کہیں۔ جان لینی ہے تو میری لے لیں۔ موت واقع ہو تو میری ہو۔ مجھے کوئی طریقہ بتائیں۔ اگر کہیں تو میں اس کی کال کوٹھڑی میں بند ہو جاتی ہوں۔ شب و روز اس کے ساتھ رہوں گی اور مجھے امید ہے کہ اسے

Scanned by iqbalmt

واپس اپنی اصلی ذہنی اور جذباتی حالت میں لے آؤں گی"۔

"شمونہ بیٹی!" — نظام الملک نے کہا — "ہم مزمل جیسے قیمتی آدمی کو زیادہ دیر تک ایسی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ میں بھی تمہاری طرح مزمل کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں"۔

"ٹھہراؤ نہیں لڑکی!" — طبیب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا — "میں نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ ضرور ہی مرجائے گا' میں نے صرف اظہار کیا ہے ایک خطرے کا۔ ہمیں یہ خطرہ مول لینے دو۔ زیادہ تر کام تو تم نے کرنا ہے اور یہ میں تمہیں بتاؤں گا کہ تم نے کیا کرنا ہے"۔

"محترم طبیب!" — نظام الملک نے کہا — "آپ وہ دوائی دے دیں۔ صرف یہ خیال رکھیں کہ اس کی مقدار کم رکھیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ جڑی بوٹیوں سے بنائی ہوئی دوائی کسی کی جان بھی لے سکتی ہے"۔

"میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اس دوائی میں کیا کیا ڈالا گیا ہے" — طبیب نے کہا — "یہ نایاب جڑی بوٹیوں سے بنی ہے جو ہمارے علاقے میں شاید ہی کہیں نظر آئیں۔ اس میں صحرائی سانپ کے زہر کا کشتہ بھی شامل ہے۔ اس میں کچھوے کی چربی بھی ایک خاص عمل سے گزار کر شامل کی گئی ہے۔ یہ تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحرائی سانپ ملنا کتنا دشوار ہے۔ صحرا کہاں ہے' اور کون وہاں سانپ کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہو گا۔ بہرحال میں نے یہ سانپ حاصل کیا اور اس کا زہر مار کر دوائی میں شامل کیا ہے"۔

طبیب نے شمونہ اور نظام الملک کو کچھ ہدایات دینی شروع کر دیں۔

○

سورج غروب ہو گیا۔ قید خانے کی راہداریوں کی مشعلیں جلا دی گئیں۔ کچھ دیر بعد قیدیوں میں کھانا تقسیم ہونے لگا۔

ایک سنتری نے مزمل آفندی کی کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور خود ایک طرف ہو گیا۔ کوٹھڑی میں وہ شخص داخل ہوا جو مزمل کو ٹھنڈا کر گیا تھا۔ اس نے کھانا اٹھا رکھا تھا۔ سالن اور روٹیوں کے علاوہ ایک پیالہ دودھ کا بھرا ہوا تھا۔ مزمل یہ کھانا دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تمہارے چہرے پر حیرت کیوں؟" — اس آدمی نے کہا — "میں نے تمہیں کہا

تھا کہ آئندہ تمہارے کھانے کا انتظام میں کیا کروں گا۔ تمہیں اب یہی کھانا ملا کرے گا۔ میں نے تمہارے فرار کا انتظام کر لیا ہے تمہیں دو یا تین دن انتظار کرنا پڑے گا۔ آرام سے کھانا کھاؤ اور یہ دودھ پی لو۔ میں جا رہا ہوں"۔

اس شخص نے یہ بات مزمل کے کان میں اتنی دھیمی آواز میں کہی تھی کہ سنتری کو سنائی نہیں دیتی تھی..... کوٹھڑی کا دروازہ پھر بند ہو کر مقفل ہو گیا۔ سنتری اس راہداری میں جس میں مزمل آفندی کی کوٹھڑی تھی' آہستہ آہستہ ٹہل رہا تھا۔ یہ اس کی اور اس جیسے سنتریوں کی ہر رات کی ڈیوٹی تھی لیکن یہ سنتری جب مزمل کی کوٹھڑی کے آگے سے گزرتا تھا تو اس کے قدم رک جاتے اور مزمل کو وہ سلاخوں میں سے غور سے جھانکتا تھا۔ مزمل کھانا کھا رہا تھا۔ سنتری دوسرے چکر پر آیا تو دیکھا کہ مزمل نے دودھ کا پیالہ منہ سے لگا رکھا تھا۔

سنتری آگے نکل گیا اور کہیں رک گیا تھا۔ کچھ وقت گذار کر وہ پھر راہداری میں آیا اور حسب معمول مزمل کی کوٹھڑی کے سامنے آ کر بہت آہستہ ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ پیالہ فرش پر پڑا تھا۔ مزمل نے سارا دودھ پی لیا تھا اور وہ دیوار کے ساتھ پیٹھ لگائے بیٹھا تھا۔ اس کا سر ڈول رہا تھا اور آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ سنتری دو چار قدم آگے گیا اور رک گیا۔ وہ پھر واپس آیا تو دیکھا کہ مزمل فرش پر پیٹھ کے بل پڑا تھا اور اس کے خراٹے سنائی دے رہے تھے۔ سنتری دوڑ پڑا اور راہداری سے نکل گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہی شخص آیا جو مزمل کا دوست بن کر اسے کھانا اور دودھ دے گیا تھا۔ سنتری اس کے ساتھ تھا۔ اس کے اشارے پر سنتری نے دروازہ کھولا۔ وہ شخص اندر گیا اور مزمل کے پاس بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے مزمل کے سر پر ہاتھ رکھ کر ہلایا۔

مزمل بیدار نہ ہوا۔

دوسری بار اس آدمی نے مزمل کے سر کو ذرا زور سے ہلایا' پھر بھی مزمل کی آنکھ نہ کھلی۔ وہ آدمی اٹھا اور سنتری کو یہ کہہ کر تیزی سے نکل گیا کہ کوٹھڑی کو مقفل کر دو۔

وہ آدمی دوڑتا ہوا راہداری سے نکلا' دوڑتا ہوا ہی قید خانے سے نکلا' باہر اس کا گھوڑا کھڑا تھا' اس پر سوار ہو کر اس نے ایڑ لگا دی۔ قید خانہ شہر سے ذرا دور ویران اور بنجر سے علاقے میں تھا۔

Scanned by iqbalmt

اُس نے گھوڑا ملک شاہ کے دروازے پر جا روکا اور وہ کود کر گھوڑے سے اُترا۔ وہ دوڑتا ہوا اندر چلا گیا۔ دربان اور محافظ کھڑے تھے لیکن انہوں نے اُسے نہ روکا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ شخص آئے تو اسے روکنا نہیں۔

وہ ایک کمرے میں چلا گیا جہاں طبیب نجم مدنی' نظام الملک اور شمونہ موجود تھے۔

"کیا خبر ہے؟" — نظام الملک نے پوچھا۔

"بڑی اچھی خبر ہے" — اس آدمی نے جواب دیا — "وہی اثر ہُوا ہے جو محترم طبیب نے بتایا تھا۔ وہ اتنی گہری نیند سو گیا ہے کہ میں نے اسے زور زور سے ہلایا' اُس کے سر کو جھنجوڑا لیکن اُس کے پپوٹوں میں ذرا سی بھی حرکت نہیں ہوئی"۔

"کیا وہ زندہ ہے؟" — شمونہ نے تڑپ کر پوچھا۔

"ہاں' وہ زندہ ہے" — اس آدمی نے جواب دیا — "کیا میں اتنا احمق نظر آتا ہوں کہ مجھے سوئے ہوئے اور مرے ہوئے آدمی میں فرق معلوم نہ ہو؟"

"نظام الملک!" — طبیب نجم نے کہا — "اسے یہاں لے آؤ"۔

○

کچھ دیر بعد مزمل آفندی کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ ایک چارپائی کوٹھڑی میں داخل ہوئی جس کے ساتھ چار آدمی تھے۔ چارپائی فرش پر رکھ کر ان آدمیوں نے فرش پر پڑے ہوئے مزمل کو اٹھایا اور چارپائی پر ڈال دیا۔ اس میں بیداری کے کوئی آثار نہیں تھے۔

ان آدمیوں نے چارپائی اٹھائی اور کوٹھڑی سے نکل گئے پھر وہ قید خانے سے بھی نکل گئے۔

نظام الملک' طبیب اور شمونہ بیتابی سے انتظار کر ن میں شمونہ بہت ہی بے چین اور بیتاب تھی۔ اس کے حسین چہرے پر گھبراہٹ اور دل میں دعائیں تھیں۔ وہ بار بار باہر دیکھتی تھی۔

آخر وہ لوگ مزمل کو اٹھائے ہوئے آ گئے اور چارپائی اسی کمرے میں لا رکھی۔ شمونہ نے لپک کر مزمل کی کلائی پکڑ لی اور اس کی نبض محسوس کی۔ اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان کا تاثر آ گیا۔ مزمل آفندی زندہ تھا۔

مزمل کو اٹھا کر پلنگ پر ڈال دیا گیا اور وہ آدمی چارپائی اٹھا کر کمرے سے نکل گئے۔

"شمونہ!" — طبیب نے مزمل کی نبض پر انگلیاں رکھے ہوئے کہا — "خطرہ ٹل

گیا ہے۔ نبض بالکل ٹھیک چل رہی ہے۔ اگر دوائی کا اثر وہ ہوتا جو میں نے بتایا تھا کہ ہو سکتا ہے تو مزمل کی نبض اس وقت تک خاموش ہو چکی ہوتی..... ہم چلے جائیں گے۔ تم یہاں رہو گی اور اگر تمہیں ساری رات جاگنا پڑا تو جاگتی رہنا۔ میں نے تمہیں تمہاری بات بتا دی ہے اور اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ تم نے کیا کرنا ہے۔ دودھ وہ رکھا ہے' یہ جاگ اٹھے تو پہلا کام یہ کرنا کہ اسے یہ دودھ پلا دینا اور جو کچھ تم نے کرنا ہے وہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ یہ پھر سو جائے گا۔ اسے زبردستی بیدار کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم خود بھی سو جانا۔ یہ بہت دیر بعد' کل دن کو کسی وقت جاگے گا۔ آج رات کے پچھلے پہر اسے کچھ بیدار ہونا چاہئے"۔

"اور شمونہ!" — نظام الملک نے کہا — "دروازے کے باہر چار آدمی ہر وقت موجود رہیں گے۔ کوئی مشکل پیش آ جائے یا مزمل بیدار ہو کر پھر ہنگامہ برپا کرے یا بھاگنے کی کوشش کرے تو یہ آدمی اسے سنبھال لیں گے"۔

"اب یہ سوچ لو شمونہ!" — طبیب نجم نے کہا — "اب تم پر منحصر ہے کہ اسے سنبھال لیتی ہو یا مزید بگاڑ دیتی ہو۔ تم خود عقل والی ہو اور مردوں کو لگام ڈالنا جانتی ہو۔ یہ تو پہلے ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہے"۔

شمونہ نے انہیں تسلی دی کہ وہ مزمل کو سنبھال لے گی۔ وہ دونوں کمرے سے نکل گئے اور شمونہ اُس پلنگ پر بیٹھ گئی جس پر مزمل پیٹھ کے بل پڑا دھیمے خراٹے لے رہا تھا۔

○

یہ کمرہ خاص طور پر مزمل آفندی کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ نظام الملک کے گھر کا کوئی کمرہ اسی طرح تیار کیا جا سکتا تھا لیکن طبیب نے وہ مناسب نہ سمجھا کیونکہ مزمل نظام الملک کی دشمنی لے کر آیا تھا۔ خطرہ تھا کہ بیداری کے بعد اسے پتہ چلتا کہ وہ نظام الملک کے گھر میں ہے تو وہ پھر بے قابو ہو سکتا تھا۔ نظام الملک نے سلطان ملک شاہ کو اس سارے واقعے سے باخبر رکھا ہُوا تھا۔ طبیب نے سلطان سے کہا تھا کہ وہ اس کے محل کا ایک کمرہ استعمال کرنا چاہتا ہے۔ سلطان نے بخوشی اجازت دے دی تھی۔

اس کمرے کی زیب و زینت کا اہتمام طبیب نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق کیا تھا۔ بستر نہایت نرم ملائم اور آرام دہ تھا۔ کمرے کے دروازوں اور کھڑکیوں پر خاص

Scanned by iqbalmt

رنگ کے پردے لٹکائے گئے تھے۔ قالین بیش قیمت اور دلفریب تھا۔ کمرے میں خاص قسم کے پھولوں والے پودے جو گملوں میں لگے ہوئے تھے' رکھوائے گئے تھے۔ طبیب نے ایک خاص قسم کا عطر تیار کر رکھا تھا جو اس نے تھوڑا تھوڑا بستر پر اور پردوں پر مل دیا تھا۔

شمونہ کے لئے طبیب نے کچھ سوچ کر انتخاب کیا تھا کہ یہ کون سا لباس پہنے۔ اُس نے شمونہ سے کہا تھا کہ وہ بالوں کو گوندھ کر یا باندھ کر نہ رکھے بلکہ بال کھلے چھوڑ دے۔ اُسے قمیض ایسی پہنائی گئی تھی کہ اُس کے کندھے اور بازو ننگے رکھے گئے تھے۔ طبیب نے اُسے بتا دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو کس طرح استعمال کرے گی۔ طبیب نے زور دے کر کہا تھا کہ اپنے جسم کو بچا کر رکھے اور اپنی روح کو پیار اور محبت کے ذریعے مزمل کی روح پر غالب کر دے۔ شمونہ نے طبیب سے کہا تھا کہ وہ اس کھیل کی مہارت اور تجربہ رکھتی ہے۔ مزمل کے معاملے میں سہولت یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو دل کی گہرائیوں سے چاہتے تھے۔

شمونہ سوئے ہوئے مزمل کو دیکھتی رہی۔ وہ اس کے بیدار ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ کبھی وہ اٹھ کھڑی ہوتی اور کمرے میں ٹہلنے لگتی۔ کبھی وہ مزمل کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگتی۔ اس کا انداز ایک ماں جیسا تھا جس کا بڑا ہی پیارا بچہ سویا ہوا ہو۔

رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی۔ شمونہ کو غنودگی آنے لگی تھی۔ وہ سو ہی جانے کو تھی کہ مزمل کے جسم کو حرکت ہوئی۔ شمونہ بیدار ہو گئی اور مزمل کے پلنگ پر جا بیٹھی۔ مزمل نے کروٹ بدلی۔ شمونہ کو معلوم تھا کہ اب اس نے کیا کرنا ہے۔

مزمل نے کروٹ اس طرح بدلی تھی کہ اُس کا منہ شمونہ کی طرف تھا۔ شمونہ اُس کے ساتھ لگ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ مزمل کا ایک ہاتھ شمونہ کی گود میں آ گیا۔ شمونہ وہ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے آہستہ آہستہ مسلنے لگی۔ پھر اس نے مزمل کے بالوں میں انگلیاں پھیرنی شروع کر دیں۔

مزمل کی آنکھیں آہستہ آہستہ کھلنے لگیں۔

"مزمل!" — شمونہ نے اس پر جھک کر اپنے ہونٹ مزمل کے کان کے قریب کر کے کہا — "تم میرے پاس آ گئے ہو۔ اب کوئی ہمیں جدا نہیں کر سکتا"

مزمل کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں اور وہ پیٹھ کے بل ہو گیا۔ شمونہ اس پر

اس طرح جھک گئی کہ اس کے ریشم جیسے کھلے بال مزمل کے گالوں اور گردن پر رینگنے لگے۔

"میں کہاں ہوں؟" — مزمل نے خوابناک آواز میں پوچھا — "تم کون ہو؟"

"تم میرے پاس ہو" — شمونہ نے پیار بھری آواز میں کہا — "تم اُس پیار کی جنت میں آ گئے ہو جہاں کوئی کسی کا خون نہیں بہا سکتا۔ میں ہوں تمہاری روح"۔

"میں قید خانے میں ہوں؟" — مزمل نے یوں پوچھا جیسے نیند میں بول رہا ہو۔

"ہاں تم میرے دل کے قید خانے میں بند ہو" — شمونہ نے پہلے سے زیادہ پیاری آواز میں کہا — "تم میری محبت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہو"۔

مزمل آفندی کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ اُس کے اور مزمل آفندی کے چہرے کے درمیان فاصلہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اپنے آپ ہی شمونہ کے بالوں میں الجھ گیا۔ شمونہ کے ہونٹوں پر تبسم تھا۔ اُس نے آنکھیں مزمل کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ طبیب نے شمونہ کو جو ہدایات دی تھیں' ان کے مطابق اس نے مزمل کے ساتھ باتیں کیں۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ مزمل ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ کمرے کو دیکھنے لگا۔ اس کی نظریں سارے کمرے میں گھوم گئیں۔

"شمونہ!" — مزمل نے دھیمی سی اور حیرت زدہ سی آواز میں پوچھا — "تم کب آئیں؟..... تم جھوٹ تو نہیں بولو گی..... میں کہاں سویا تھا؟..... میں نے..... میں نے شمونہ!..... میں نے شاید خواب دیکھا ہے" — اُس کے ماتھے پر شکنیں ظاہر ہوئیں جیسے وہ ذہن کے ویرانے میں کچھ ڈھونڈ رہا ہو لیکن اُسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

شمونہ نہیں چاہتی تھی کہ مزمل ایک بار پھر سو جائے۔ وہ اسے بیدار رکھنا چاہتی تھی اور اُسے واپس اسی ذہنی کیفیت میں لانا چاہ رہی تھی جس کیفیت میں وہ حسن بن صباح کو قتل کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا تھا لیکن طبیب نجم مدنی نے اسے کہا تھا کہ یہ جاگ اٹھے تو اس کے ساتھ ایک دو باتیں کرنا اور یہ تمہیں پہچان لے کہ تم شمونہ ہو اور اس کے بعد اسے پھر دودھ کا پیالہ پلا دینا۔ شمونہ کو معلوم تھا کہ اس دودھ میں وہی دوائی شامل کی گئی ہے لیکن اس کی مقدار اب کم رکھی گئی ہے۔

"مزمل!" — شمونہ نے اس کے گالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر کہا — "تم بڑے لمبے اور بڑے کٹھن سفر سے واپس آئے ہو۔ میں تمہیں دودھ پلاؤں گی پھر تم

Scanned by iqbalmt

جاتا، تھکن دور ہو جائے گی تو میں تمہارے پاس بیٹھوں گی اور ہم پھر وہی پیار کی باتیں کریں گے"۔

شمونہ اٹھی اور دودھ کا پیالہ اٹھا لائی۔ مزمل اسے حیرت زدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ شمونہ نے پیالہ اپنے ہاتھوں میں ہی رکھا اور اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ مزمل نے دو تین سانسوں میں دودھ پی لیا۔ دودھ میں اتنا میٹھا ڈالا گیا تھا جس سے دوائی کا ذائقہ دب گیا تھا۔

مزمل پھر غنودگی میں چلا گیا۔ شمونہ کو طبیب نے بتایا تھا کہ یہ پھر غنودگی میں جائے گا تو اس کے ساتھ کیا باتیں کرنی ہیں اور اس وقت تک یہ باتیں کرنی ہیں جب تک یقین نہ ہو جائے کہ یہ سو گیا ہے۔

شمونہ نے اب جو پیار کی باتیں شروع کیں تو اس کے اپنے آنسو نکل آئے۔ پیار کی ان باتوں میں ایک انسان کی دوسرے انسان سے محبت کی بات نہیں تھی بلکہ بنی نوع انسان کی محبت ان باتوں میں رچی بسی ہوئی تھی۔ طبیب کا دراصل مطلب یہ تھا کہ غنودگی کے عالم میں مزمل کے ذہن سے تخریب کاری اور قتل کے خیالات نکال کر اس میں پیار و محبت اور روحانیت کا نور بھرا جائے۔ شمونہ نے ایسے پُر اثر طریقے سے یہ باتیں آہستہ آہستہ کیں کہ مزمل نے شمونہ کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہونٹوں سے لگایا اور اس کے ساتھ ہی وہ گہری نیند سو گیا۔ شمونہ کو ایسی بڑی نیند آئی تھی کہ وہ بھی وہیں لڑھک گئی اور سو گئی۔

○

صبح طلوع ہوئی تو طبیب اور نظام الملک یہ دیکھنے آئے کہ رات کس طرح گزری ہے۔ نظام الملک نے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا۔ خاصی دیر گذر جانے کے بعد بھی اندر سے کوئی جواب نہ آیا نہ شمونہ باہر نکلی تو اس نے ایک بار پھر دستک دی۔ پھر بھی کوئی جواب نہ آیا تو نظام الملک نے دروازہ کھولا اور طبیب کو ساتھ لے کر وہ اندر چلا گیا۔ دیکھا کہ شمونہ اس طرح گہری نیند سوئی ہوئی تھی کہ اس کا سر مزمل کے سینے پر تھا اور اس کی ٹانگیں پلنگ سے نیچے لٹک رہی تھیں۔ مزمل ہلکے ہلکے خراٹے لے رہا تھا طبیب نے وہ پیالہ دیکھا جس میں رات کو پلانے والا دودھ تھا۔ پیالہ خالی تھا۔

"آئیں، نظام الملک!" — طبیب نے کہا — "شمونہ نے اسے رات کو دودھ پلا

دیا تھا۔ پیالہ خالی پڑا ہے۔ یہ دوپہر کے بعد جاگے گا۔ شمونہ شاید جلدی جاگ اٹھے۔ اس کی نیند بتاتی ہے کہ یہ رات بھر سو نہیں سکی"۔

دونوں کمرے سے نکل گئے۔

تین دن اور راتیں مسلسل مزمل کو یہ دوائی دودھ میں ملا کر پلائی جاتی رہی۔ ہر بار دوائی کی مقدار کم کرتے چلے گئے۔ وہ جب بیدار ہوتا تھا تو شمونہ اس کے ساتھ اس طرح کی باتیں کرتی تھی جس طرح اسے طبیب عظم مدنی نے بتائی تھیں۔ اس وقت مزمل کا ذہن نیم بیدار ہوتا تھا اور شمونہ جس پیارے انداز میں بات کرتی تھی وہ اس کے ذہن میں اترتی چلی جاتی تھی۔

یہ عمل طبیب کی نگرانی میں جاری رکھا گیا اور چوتھے دن اسے کوئی دوائی نہ دی گئی۔ جب وہ بیدار ہوا تو طبیب نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کی کنپٹیاں اپنے دونوں انگوٹھوں سے آہستہ آہستہ ملنی شروع کر دیں اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ باتیں کیں۔ یہ ایک قسم کا وہ عمل تھا جسے آج ہپناٹزم کہتے ہیں۔ یہ برین واشنگ جیسا ہی ایک عمل تھا جو سات آٹھ روز چلتا رہا اور کامیاب رہا۔ مزمل خاصی تیزی سے واپس اپنے آپ میں آ گیا۔ طبیب کو توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی اصلی ذہنی کیفیت میں آ جائے گا۔ طبیب کی دوائی کا اپنا اثر تو تھا ہی، خود طبیب نے کہا کہ اس دوائی کے اثر کو تیز اور کئی گنا زیادہ کرنے میں شمونہ کا ہاتھ تھا۔ ایک روز نظام الملک مزمل کے سامنے آیا۔ کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ مزمل کا رد عمل اور رویہ کیا ہو گا۔ طبیب عظم بھی وہاں موجود تھا اور شمونہ بھی تھی۔ کمرے کے دروازے کے ساتھ ہی باہر نظام الملک کے محافظ تیار کھڑے تھے۔

مزمل آفندی نے نظام الملک کو دیکھا اس کے چہرے پر حیرت کا تاثر تھا۔ نہایت آہستہ آہستہ اٹھا۔ نظام الملک بازو پھیلا کر اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے ہوئے اس کی طرف تیزی سے بڑھا۔

مزمل نے بھی بازو پھیلا دیئے اور دوسرے لمحے وہ ایک دوسرے کے بازوؤں میں تھے۔

"کیوں مزمل!" — نظام الملک نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑے پیار سے پوچھا — "کہاں چلے گئے تھے؟...... میں تو سمجھا کہ تم چلے ہی گئے ہو

Scanned by iqbalmt

"یہ تو میں بتا نہیں سکتا" — مزمل نے کہا — "آپ کو دیکھ کر کچھ یاد آتا ہے.... یہ بھی یاد آتا ہے کہ آپ نے مجھے جانے سے روکا تھا اور میں پھر بھی چلا گیا تھا"۔

"اور اب؟" — نظام الملک نے بڑے پیارے لہجے میں پوچھا — "اب تو نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں!" — مزمل نے مسکرا کر جواب دیا — "نہیں جاؤں گا..... اب کہیں نہیں جاؤں گا"۔

دو تین دن اور گزرے تو مزمل کو سب کچھ یاد آنے لگا۔ اب ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ اس کی حالت پھر بگڑ جائے گی۔ اس پر ایک اور ہی قسم کی کیفیت طاری ہو گئی۔ یہ پچھتاوے' شرمندگی اور حسن بن صباح سے انتقام لینے والی کیفیت تھی۔ نظام الملک اور شمونہ نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور ایک دو دن صرف کر کے اسے اس کیفیت سے نکال لیا۔

"مزمل آفندی!" — ایک روز نظام الملک نے اسے کہا — "تجھ پر ہو گیا سو ہو گیا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ وہاں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوا تھا۔ یہ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ باطنی کس طرح تم جیسے جذبے والے آدمی پر بھی غالب آجاتے ہیں اور اسے اپنا آلۂ کار بنا لیتے ہیں"۔

"میں بتا سکتا ہوں" — مزمل آفندی نے کہا — "مجھے وہاں گزارا ہوا ایک ایک لمحہ یاد آگیا ہے..... میں خود چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ ساری روداد سناؤں۔ آپ کسی اور خیال سے مجھ سے وہ باتیں سننا چاہتے ہیں لیکن میں اس خیال سے آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ آپ کو پتہ چلے کہ میں کتنا مجبور ہو گیا تھا۔ میرا دماغ میرے قابو سے نکل گیا تھا"۔

"وہ بھول جاؤ" — نظام الملک نے کہا — "تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارے ذہن پر قبضہ کس طرح کیا گیا تھا؟"

"انہوں نے مجھے کال کوٹھڑی میں بند کر دیا" — مزمل آفندی نے کہا — "اس کوٹھڑی میں ایسی بدبو تھی جیسے وہاں مردار یا انسانی لاشیں گل سڑ رہی ہوں۔ مجھے تین دن نہ کچھ کھانے کے لئے دیا گیا اور نہ پینے کے لئے پانی کا گھونٹ دیا گیا۔ ایک طرف میرا خون کھولتا تھا' ابلتا تھا کہ میں دھوکے میں آگیا ہوں۔ اگر میں حسن بن صباح کو قتل کر چکا ہوتا تو پھر وہ مجھے کیسی ہی اذیتیں کیوں نہ دیتے' میں برداشت کر لیتا اور اس موت کو خندہ

پیشانی سے قبول کر لیتا جو آہستہ آہستہ اور مجھے اذیتیں دے دے کر مارتی۔ دوسری طرف جسم جواب دے رہا تھا۔ میں سات آٹھ دن بھوکا رہ سکتا تھا لیکن پانی کے بغیر ایک دن بھی گزارنا محال تھا.....

"اس کمرے میں جو بدبو تھی وہ میں بیان ہی نہیں کر سکتا کہ یہ کیسی تھی۔ اس بدبو نے میرا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا۔ پھر میں خود اپنا خون پی رہا تھا کیونکہ میں جس مقصد کے لئے آیا تھا وہ پورا نہیں ہوا تھا۔ ایک طرف بھوک اور پیاس اور دوسری طرف یہ جلنا اور کڑھنا۔ تیسرے چوتھے دن مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میں بہت جلدی پاگل ہو جاؤں گا بلکہ پاگل پن شروع ہو چکا تھا۔ پھر ایک روز مجھے آدھی روٹی اس طرح دی گئی کہ دروازہ کھلا اور وہیں سے ایک آدمی نے میری طرف آدھی روٹی اس طرح پھینکی جیسے کتے کی طرف کوئی چیز پھینکی جاتی ہے۔ اس نے مٹی کا ایک غلیظ سا پیالہ دروازے کے قریب رکھ دیا اور چلا گیا۔ میں اپنی خودداری اور اپنے وقار کو بھول گیا تھا۔ میں کتوں کی طرح ہی روٹی کے آدھے ٹکڑے پر جھپٹ پڑا اور گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل اس چھوٹے سے پیالے تک گیا جو وہ آدمی دروازے کے اندر رکھ گیا تھا۔ وہ تھوڑا سا سالن تھا۔ میں نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ یہ کس چیز کا شوربہ تھا یا گدلا نمکین پانی تھا' میں لقمے اس میں ڈبو ڈبو کر حلق میں اتارتا گیا۔ آدھی روٹی ذرا سی دیر میں ختم ہو گئی اور اس سے میری بھوک اور تیز ہو گئی۔ میں اٹھا اور دروازے کی سلاخیں پکڑ کر چلانے لگا کہ مجھے اور روٹی دو' خدا کے لئے مجھے اور روٹی دو.....

"ایک سنتری آیا۔ میں دروازے کی سلاخیں پکڑے کھڑا تھا۔ اس نے سلاخوں کے درمیان سے میرے منہ پر اتنی زور سے گھونسہ مارا کہ میں پیچھے دیوار کے ساتھ جا لگا۔ سر کا پچھلا حصہ بڑی زور سے ٹکرایا تھا جس سے میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ معلوم نہیں میں کتنی دیر غشی میں پڑا رہا.....

"جب میں ہوش میں آیا تو میں کوٹھڑی میں نہیں تھا۔ وہ ذرا بہتر اور صاف ستھرا کمرہ تھا۔ میں فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک آدمی ہاتھ میں برچھی لئے میرے پاس کھڑا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ میری آنکھیں کھل گئی ہیں تو اس آدمی نے میرے پہلو میں پاؤں سے ٹھوکر لگا کر کہا' ہوش آگئی ہے؟ میں تو یوں بھی نہیں سکتا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ آدمی باہر نکل گیا پھر وہ فوراً ہی واپس آگیا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا جس کی چال ڈھال'

Scanned by iqbalmt

ڈیل ڈول اور لباس ایسا تھا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ یہ شخص کوئی بڑا عہدیدار ہے"۔

مزمل آفندی نے آگے اپنی جو داستان سنائی وہ کچھ اس طرح تھی۔ یہ معزز آدمی اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

"مزمل آفندی!" — اس آدمی نے کہا — "تم یہاں کیوں آئے تھے؟"

"پانی!" — مزمل کے منہ سے جیسے سسکی نکلی ہو — "پانی..... پانی.....!"

"تم یہاں کیوں آئے تھے؟" — اس عہدیدار نے کہا — "میرے سوال کا جواب دو گے تو پانی مل جائے گا..... تم یہاں کیوں آئے تھے؟"

"قتل ہونے کے لئے!" — مزمل نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ اپنے منہ سے باہر دھکیلے۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں" — عہدیدار نے کہا۔

مزمل آفندی کا منہ پیاس کی شدت سے بھل گیا تھا۔ وہ تو اب سرگوشی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بولنے کے قابل نہیں۔ اس کے ہونٹ ہلے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس نے دو مرتبہ پانی پانی کہا ہے۔

"نہیں!" — عہدیدار نے کہا — "پانی نہیں ملے گا"۔

مزمل کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ پیاس کی شدت نے اس پر غشی طاری کر دی تھی۔

مزمل آفندی ہوش میں آیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ اب فرش پر نہیں ایک نرم سے بستر پر پڑا ہے۔ اس کے پاس ایک نوجوان دوشیزہ بیٹھی ہوئی تھی۔ مزمل نے آنکھیں کھولیں تو اسے سب سے پہلی جو چیز نظر آئی وہ اس لڑکی کی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ مزمل نے نظام الملک کو سنایا کہ وہ اسے خواب سمجھا۔

"اٹھو مزمل!" — لڑکی نے بڑے پیار سے کہا — "کھانا کھالو"۔

"پانی!" — مزمل کے ہونٹوں سے سرگوشی پھسلی — "پانی!" — مزمل کا منہ کھلا رہا۔ اس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے اور اس کی زبان اکڑ گئی تھی۔

"خالی پیٹ پانی نہیں دوں گی" — لڑکی نے کہا — "پہلے کھانا کھالو..... تھوڑا سا کھالو پھر پانی پینا"۔

مزمل اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ اس لڑکی نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ مزمل نے دیکھا کہ یہ نہایت اچھا سجا سجایا کمرہ تھا کمرے کے وسط میں ایک گول میز رکھی ہوئی تھی اور اس میز پر کھانا پڑا ہوا تھا۔ تب مزمل کو پکے ہوئے گوشت اور روٹیوں کی بُو محسوس ہوئی۔ وہ فوراً اٹھا اور میز کے قریب پڑے ہوئے سٹول پر بیٹھ گیا۔

وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سالن ایک قسم کا نہیں بلکہ تین چار قسم کے سالن تھے۔ یہ کسی شہزادے یا بہت بڑے حاکم کا کھانا تھا۔ مزمل آفندی ذرا جھینپ گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ کھانا اس کے لئے رکھا گیا ہے لیکن وہ اس قدر بھوکا تھا کہ اس نے نتائج سے بے پرواہ کھانا شروع کر دیا۔ وہ شائستہ اور معزز خاندان کا تہذیب یافتہ بیٹا تھا لیکن بھوک نے اور پیاس نے اس کا دماغ ایسا ناکارہ کر دیا تھا کہ وہ جانوروں کی طرح کھانا کھا رہا تھا۔ اسے یہ بھی خیال نہیں رہا تھا کہ سالن میز پر گر رہا ہے۔ وہ دسترخوان کے آداب بھول چکا تھا۔

بڑی تیزی سے ایک دوسرے کے پیچھے چند ایک نوالے حلق سے اتار کر وہ صراحی پر لپکا جو میز پر پڑی ہوئی تھی۔ لڑکی بڑی تیزی سے آئی اور اس نے مزمل کے ہاتھ سے صراحی لے لی۔

"پانی میں پلاؤں گی" — لڑکی نے کہا — "بہت تھوڑا تھوڑا، ایک ایک گھونٹ پلاؤں گی..... ایک ہی بار پانی نہیں پینا"۔

لڑکی نے ایک خوشنما پیالے میں تھوڑا سا پانی ڈال کر مزمل کو دیا۔ مزمل ایک ہی بار یہ پانی پی گیا اور پھر کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ تھوڑا سا کھا کر وہ پھر صراحی پر جھپٹا لیکن لڑکی نے پہلے کی طرح اس کے ہاتھ سے صراحی لے لی اور اب ذرا زیادہ پانی پیالے میں ڈال دیا۔ مزمل نے وہ پانی بھی ایک ہی سانس میں پی ڈالا۔

دیکھتے ہی دیکھتے مزمل تمام روٹیاں اور اتنے زیادہ سالن صاف کر گیا۔ یوں پتہ چلتا تھا جیسے سالن والے برتن دُھلے ہوئے ہیں۔ مزمل نے ان میں لقمے پھیر پھیر کر ان برتنوں کو صاف کر دیا تھا۔ اب کے اس نے لڑکی سے پانی مانگا۔

"اب پانی نہیں" — لڑکی نے بڑی دلفریب مسکراہٹ سے کہا — "اب شربت پلاؤں گی"۔

لڑکی نے ایک اور صراحی اٹھائی اور اس میں سے شربت گلاس میں انڈیل دیا جو

Scanned by iqbalmt

مزمل نے اٹھا کر ایک ہی بار خالی کر دیا۔

مزمل آفندی لڑکی سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اسے اتنی غلیظ کوٹھڑی سے نکال کر یہاں کیوں لایا گیا ہے اور ایسا امیرانہ کھانا اسے کیوں دیا گیا ہے لیکن وہ کچھ بھی نہ پوچھ سکا کیونکہ اس پر غنودگی طاری ہو گئی تھی اور وہ بستر کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ لڑکی نے اسے کہا کہ وہ سو جائے۔ وہ اٹھ کر بستر پر بیٹھا تو حیرت زدہ نظروں سے لڑکی کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا لیکن یہ سوال زبان پر آنے سے پہلے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور لڑکی نے اسے سہارا دے کر پلنگ پر لٹا دیا۔

○

صبح جب مزمل اس کمرے سے نکلا تو اس نے یوں محسوس کیا جیسے یہ دنیا بالکل ہی بدل گئی ہو۔ اس کے سامنے ایک وسیع باغ تھا جس میں ایسے ایسے پھول تھے جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ گھاس بہت ہی سرسبز تھی اور یہ گھاس اوپر سے اس طرح تراشی ہوئی تھی جیسے زمین پر سبز رنگ کا قالین بچھا ہوا ہو۔ مزمل آگے بڑھا تو کمرے سے لڑکی نکل آئی۔ وہ بھی اس کے ساتھ چل پڑی۔

"کیا تم مجھے کچھ بتا سکتی ہو؟" — مزمل نے لڑکی سے پوچھا — "مجھے اس غلیظ کوٹھڑی میں سے نکال کر اس امیرانہ کمرے میں کیوں لایا گیا ہے اور ایسا مرغن اور پُرلطف اور لذیذ کھانا کیوں دیا گیا ہے؟"

"تمہیں امام کے حکم سے قید خانے سے نکالا گیا" — لڑکی نے جواب دیا — "اور یہ کھانا اسی کے حکم سے تمہیں کھلایا گیا ہے اور مجھے امام نے ہی تمہاری خدمت کے لئے بھیجا ہے"۔

"کون امام؟" — مزمل نے حیران سا ہو کے پوچھا۔

"امام حسن بن صباح!" — لڑکی نے جواب دیا۔ مزمل چلتے چلتے رک گیا اور اس نے حیرت زدگی کے عالم میں لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی مسکرا رہی تھی۔

"کیا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" — مزمل نے کہا جیسے اپنے آپ سے بات کر رہا ہو۔

"میں سمجھتی ہوں تم کیا سوچ رہے ہو" — لڑکی نے کہا — "امام کو کل بتایا گیا ہے کہ تم اسے قتل کرنے کے لئے آئے تھے۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ تمہیں قید خانے کی

انتہائی غلیظ کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے۔ امام نے تمہیں قید خانے میں ڈالنے والوں کو بلایا اور حکم دیا کہ انہیں بیس بیس کوڑے لگائے جائیں کیونکہ انہوں نے اس کے حکم کے بغیر ایک مہمان کو قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ اس طرح تمہاری رہائی کا حکم دیا گیا اور تم یہاں پہنچ گئے..... کیا تم واقعی حسن بن صباح کو قتل کرنے آئے تھے؟"

"ہاں!" — مزمل نے یوں کہا جیسے اسے شرمندگی تھی کہ وہ حسن بن صباح کو قتل کرنے آیا ہے۔

"امام کسی وقت یہاں آئے گا" — لڑکی نے کہا — "یا وہ تمہیں اپنے پاس بلائے گا"۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں نہ آئے؟" — مزمل نے پوچھا — "اور کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مجھے اپنے پاس نہ بلائے؟"

"تم یہ کیوں سوچ رہے ہو؟"

"میں نے اگر اسے کہہ دیا کہ میں اسے قتل کرنے آیا تھا تو وہ پھر مجھے قید خانے میں پھینک دے گا" — مزمل نے کہا — "میں اس کے آگے جھوٹ نہیں بول سکوں گا"۔

"تم نہیں جانتے مزمل!" — لڑکی نے کہا — "امام حسن بن صباح ایک برگزیدہ اور اللہ کی بڑی پیاری شخصیت ہے۔ وہ صرف سچ سنتا ہے اور سچ بولتا ہے..... تم صاف کہہ دینا کہ میں آپ کے دشمنوں سے متاثر ہو کر آپ کو قتل کرنے چلا آیا تھا"۔

لڑکی مزمل کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے حسن بن صباح کی ایسی تصویر پیش کرتی رہی جو کسی فرشتے کی یا کسی پیغمبر کی ہی ہو سکتی تھی۔ باتیں کرتے کرتے وہ مزمل کو واپس کمرے میں لے آئی۔ مزمل نے کمرے میں پہنچتے ہی اُسی شربت کی فرمائش کی جو لڑکی نے گذشتہ رات اسے پلایا تھا۔ صراحی کمرے میں ہی رکھی تھی۔ لڑکی نے اسے پیالہ بھر دیا جو مزمل نے پی لیا۔

مزمل کا جی چاہتا تھا کہ یہ لڑکی اس کے ساتھ باتیں کرتی رہے اور وہ خود بھی بولے اور بولتا ہی چلا جائے۔ اس غلیظ اور بدبودار کوٹھڑی کی قید نے بھوک اور پیاس سے زیادہ اس کے دماغ پر ایسا اثر کیا تھا جیسے اس کی سوچنے کی صلاحیت سو گئی ہو یا آدھی سے زیادہ صلاحیت مر گئی ہو۔ پھر اس کے دماغ پر یہ لڑکی اور اس کی باتیں غالب آ گئیں۔ بات وہی ہوئی کہ ایک تو یہ لڑکی نشہ بن کر اس پر طاری ہوئی اور دوسری یہ بات کہ اس لڑکی

Scanned by iqbalmt

نے اسے بیہوش پائی شروع کر دی تھی۔

○

مزمل کے ذہن پر اور ضمیر پر بھی اب کوئی بوجھ نہیں تھا۔ وہ ایسے احساس سے سرشار اور مخمور ہوا جا رہا تھا جیسے وہ بادلوں میں سے ہی ہو اور یہ احساس بھی کہ وہ مکمل طور پر ہوش میں ہے۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ مزمل نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ لڑکی نے جا کر دروازہ کھولا۔

"امام تشریف لا رہے ہیں" — مزمل کو باہر سے آواز سنائی دی۔

لڑکی نے دروازے کے دونوں کواڑ کھول دیئے۔ حسن بن صباح کمرے میں داخل ہوا۔ مزمل اسے دیکھ کر اٹھا اور حیرت سے اسے دیکھتا ہی رہا۔

لڑکی دروازہ بند کر کے باہر ہی کھڑی ہو گئی۔ کمرے میں حسن بن صباح اور مزمل رہ گئے۔ حسن بن صباح کے چہرے پر سنجیدگی سی تھی۔ مزمل اسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور حسن بن صباح آہستہ آہستہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کمرے میں سناٹا طاری تھا۔ یہی وہ حسن بن صباح تھا جسے قتل کرنے کو مزمل اس قدر بے تاب تھا کہ منع کرنے کے باوجود وہ اسے قتل کرنے یہاں پہنچ گیا تھا لیکن اب اس کی حالت یہ تھی کہ اس کے دماغ میں یہ بھی سوچ نہیں آ رہی تھی کہ وہ حسن بن صباح کا سامنا کس طرح کرے اور کیا کہے۔ اس کا دل اس جذبے سے خالی ہو چکا تھا جو جذبہ اسے یہاں لایا تھا۔

دہکتے ہوئے انگارے برف کے ٹکڑے بن گئے تھے۔

"مزمل آفندی!" — حسن بن صباح نے مزمل کے سامنے کھڑے ہو کر کہا — "مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ تم میرے قلعے میں مہمان بن کر آئے اور تمہیں ان بدبختوں نے قید خانے میں بند کر دیا..... تم مجھے قتل کرنے آئے ہو"۔

حسن بن صباح مزمل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا تھا اور مزمل یوں محسوس کر رہا تھا جیسے یہ شخص اس کی روح میں اتر گیا ہو۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ اس نے اتنا ہی محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن نہ دماغ اس کا ساتھ دے رہا ہے نہ زبان میں حرکت ہو رہی ہے۔

حسن بن صباح نے چغہ پہن رکھا تھا جو اس کے ٹخنوں تک لمبا تھا۔ اس نے چغے

محمد نے محاصرے کا بنیادی اصول یہ دیا کہ قلعے پر چڑھائی کرنی ہی نہیں نہ آگے بڑھ کر دروازے توڑنے ہیں بلکہ شہر میں داخل ہونے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کرنی بلکہ یہ کرنا ہے کہ شہر کو محاصرے میں لے کر بیٹھ جانا ہے خواہ یہ محاصرہ سالوں تک لمبا ہو جائے۔

ایک روز مرو سے فوج نکلی۔ اس کا رخ الموت کی طرف تھا۔ کچھ نفری دسم کوہ سے بلوا کر اس میں شامل کی گئی تھی اور کچھ نفری شاہ در سے بھی بلوا لی گئی تھی۔ اس فوج کا سپہ سالار امیر نوش گین شیر گیر تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ سپہ سالار جذبات کے جوش میں آنے والا نہیں تھا بلکہ ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کرنے کا عادی تھا۔ یہ اس کی بنیادی فوجی تربیت تھی اور اس میں دوہری صلاحیت پائی جاتی تھی جو ایک کامیاب سپہ سالار کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

اس فوج نے الموت کو محاصرے میں لے لیا۔ سلطان محمد کو اچھی طرح معلوم تھا کہ محاصرہ صرف تین اطراف ہو سکتا ہے۔ وہ فوج کا حوصلہ قائم رکھنے کے لئے رات کو بھی باہر گھومتا پھرتا اور فوجیوں کے ساتھ باتیں کرتا رہتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے نمونیہ ہو گیا اور طبیبوں نے بہت کوشش کی اور اسے مرو چلنے کو بھی کہا لیکن اس نے فوج کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

پانچ چھ دن ہی گزرے ہوں گے کہ سلطان محمد کی یہ بیماری اچانک اتنی بڑھ گئی کہ طبیب بھی کچھ نہ کر سکے اور سلطان محمد فوت ہو گیا۔

جب فوج میں یہ خبر پھیلی کہ سلطان کا انتقال ہو گیا ہے تو یکلخت فوج میں بدامنی سی پھیل گئی۔ سپہ سالار امیر نوش گین شیر گیر نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اس نے محاصرہ اٹھا لیا۔ فوج اس حالت میں واپس آئی کہ اس کے ساتھ سلطان محمد کا جنازہ بھی تھا۔

اس طرح اب کے بھی الموت صاف بچ گیا اور حسن بن صباح اس پر قابض رہا۔

○

سلطان سنجر کو شاہ در میں سلطان محمد کے انتقال کی خبر پہنچی تو وہ بھاگم بھاگ مرو پہنچا۔ ادھر دسم کوہ سے سالار اوریزی بھی آ گیا اور جہاں جہاں امیر مقرر تھے، وہ سب آ گئے۔ سب حیران اور پریشان تھے کہ یہ کیا ہوا کہ سلطان کا انتقال ہو گیا اور فوج محاصرہ اٹھا کر واپس آ گئی۔

Scanned by iqbalmt

سالار اوریزی اور ابو نصر احمد حیران تھے کہ ابن مسعود، مزمّل آفندی اور بن یونس الموت گئے تھے لیکن انہوں نے کچھ بھی نہ کیا اور واپس بھی نہ آئے۔ ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا کہ حسن بن صباح نے تینوں کو اپنا جادو چلا کر فدائی بنا لیا ہو گا۔

اب تو وہاں صورتِ حال ایسی بن گئی تھی کہ ایک دو یا چند ایک افراد کا کسی کو خیال ہی نہیں آ رہا تھا۔ اب تو سلطنتِ سلجوقیہ خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ سنجر اب پوری سلطنت کا سلطان ہو گیا تھا۔ اُس کا سب سے بڑا بھائی برکیارق پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ اُس نے حکم جاری کر دیا کہ الموت کو ہر قیمت پر فتح کرنا ہے اور پوری کی پوری فوج کو تیار کر کے الموت لے جایا جائے اور محاصرے کو طول دینے کی بجائے چٹان پر جا کر شہر پر یلغار کی جائے۔

ایک بار پھر فوج کو تیار کیا جانے لگا۔ اُدھر حسن بن صباح ایک بار پھر پہلے والے جوش و کمال میں آ گیا۔ وہ خود اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گیا کہ اسے خدا نے کوئی مافوق الفطرت طاقت دے رکھی ہے کہ الموت کے محاصرے کے لئے جو بھی آتا ہے' اُس پر ایسی مصیبت نازل ہوتی ہے کہ وہ اپنی فوج کو واپس بھگا لے جاتا ہے۔

سنجر کچھ زیادہ جوشیلا سلطان تھا اور اس میں دلیری اور بے خوفی سب سے زیادہ تھی۔ اُس پر انتقام کا جذبہ بھی غالب تھا۔ اُس نے ساری سلطنت کی فوج مَرو اکٹھی کر لی اور اپنی نگرانی میں اس فوج کو تیار کرنے لگا۔

اس نے زیادہ انتظار نہ کیا۔ ایک سال کے اندر اندر وہ تمام کا تمام لشکر لے کر الموت جا پہنچا۔ قیادت اس نے پاس رکھی اور محاصرے کو مکمل کرنے کے پورے انتظامات کر دیئے۔

اُس کا خیمہ فوج سے ذرا دُور الگ تھلگ تھا اور اس خیمے میں اس کا بستر زمین پر بچھایا جاتا تھا۔

محاصرے کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ سلطان سنجر ایک صبح جاگا تو اس نے اپنے بستر کے قریب تکئے کی طرف ایک لمبا خنجر زمین پر گڑا ہُوا پایا۔ اس کے دستے کے ساتھ ایک کاغذ بندھا ہُوا تھا۔ وہ تو دیکھ کر ہی گھبرا گیا۔ خنجر کے دستے سے کاغذ کھول کر پڑھا۔ اس پر فارسی زبان میں حسن بن صباح کی طرف سے مختصر سا پیغام لکھا ہُوا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے ـــ "اے سلطان سنجر! ہمیں یہ اذیت دینے سے باز آ جاؤ۔ اگر تمہارا پاسِ خاطر نہ ہوتا تو

یہ خنجر زمین میں گاڑنے کی بجائے تمہارے نرم سینے میں گاڑنا آسان تھا"۔

خنجر اور اس پیغام نے سلطان سنجر کو پسینے میں نہلا دیا۔ وہ کوئی ایسا ڈرپوک آدمی بھی نہ تھا لیکن وہ اس خیال سے ڈرا کہ اس کے اپنے محافظوں میں ایک یا دو فدائی موجود ہیں ورنہ کوئی پرندہ بھی سلطان کے خیمے کے قریب سے نہیں گزر سکتا تھا۔

اُس نے اُسی وقت سالاروں کو بُلا کر یہ خنجر اور پیغام دکھایا کہ معلوم کیا جائے کہ فوج میں یا محافظ دستے میں کون باطنی فدائی ہے.... اُس نے یہ حکم دے تو دیا لیکن خود ہی بولا کہ ایسے آدمی کو ڈھونڈ نکالنا ممکن نہیں۔

سالار رخصت ہوئے ہی تھے کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ حسن بن صباح کا ایک ایلچی ملنے آیا ہے۔ اُس نے ایلچی کو اپنے خیمے میں بلا لیا۔ ایلچی نے کہا کہ اسے شیخ الجبل نے صلح کی درخواست کے لئے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ اپنی شرائط بتائیں۔

ایک بڑی قدیم کتاب "نامۂ خسرواں" کے باب "حالاتِ حسن بن صباح" میں یہ شرائط تفصیل سے لکھی ہیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان سنجر کا حوصلہ اس خنجر اور پیغام کو دیکھ کر ایسا مجروح ہُوا کہ اس نے ایلچی کو اپنی شرائط بتائیں جو مختصراً" یہ تھیں کہ آئندہ حسن بن صباح کہیں بھی کوئی قلعہ تعمیر نہ کرے نہ کسی چھوٹے یا بڑے قلعے کو سر کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری شرط کہ باطنی وہ اسلحہ اپنے پاس نہ رکھیں جو فوج کے استعمال کے لئے ہوتا ہے خصوصاً" منجنیق۔ تیسری شرط یہ تھی کہ حسن بن صباح اپنے فرقے میں نئے مرید شامل نہ کرے اور اپنی تبلیغ بند کر دے۔

ایلچی چلا گیا اور خاصی دیر بعد واپس آ کر اُس نے بتایا کہ شیخ الجبل نے تینوں شرائط تسلیم کر لی ہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ حسن بن صباح کے لئے ان شرائط میں کوئی نقصان نہیں تھا۔ اُسے کوئی قلعہ تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ باطنیوں نے کم و بیش پچاس قلعوں پر قبضہ جما رکھا تھا۔ فوجی اسلحہ اور منجنیقیں باطنیوں کے کسی کام کی نہیں تھیں۔ انہیں صرف ایک چھری یا خنجر کی ضرورت ہوتی تھی۔

تیسری شرط یہ تھی کہ حسن بن صباح اپنے فرقے کی تبلیغ بند کر دے۔ یہ شرط بھی اُس نے یہ سوچ کر مان لی کہ وہ تو خفیہ طور پر بیعت لیا کرتا تھا۔ کسی کو اس کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ اس کی تبلیغ بھی زیرِ زمین یعنی خفیہ طور پر ہوتی تھی۔

سلطان سنجر نے تحریری معاہدے پر اپنی مہر لگائی اور حسن بن صباح نے بھی اپنے

Scanned by iqbalmt

دستخط کئے اور محاصرہ اٹھالیا گیا۔

فدائیوں نے اپنی قتل و غارت کی کارروائیاں پھر شروع کر دیں۔ ایک دو سال ہی گزرے تھے کہ حسن بن صباح انتقال کر گیا۔ وہ اٹھائیس ربیع الثانیہ 518ھ کے روز فوت ہوا تھا۔ اُس وقت اس کی عمر نوّے سال تھی اور اُس نے 35 سال قلعہ الموت میں بیٹھ کر لوگوں کے دلوں پر حکومت کی تھی۔

اُس کی موت اُس کے فرقے کے لئے خاصی نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اُس کے جانشین مقرر ہوتے رہے لیکن اس کا فرقہ تین فرقوں میں تقسیم ہوتا چلا گیا اور جوں جوں وقت گزرتا گیا باطنی فدائی کرائے کے قاتل بن گئے، جنہیں کسی بھی مذہب کے لوگ اپنے مخالفین کے قتل کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔

ان فدائیوں کو حشیشین کہا جانے لگا کیونکہ یہ حشیش کے بغیر جیسے زندہ ہی نہیں رہ سکتے تھے اور اسی نشے میں قاتلانہ کارروائیاں کرتے تھے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے صلاح الدین ایوبی پر چار مرتبہ قاتلانہ حملے کئے تھے۔ آخر تیمور نے آ کر الموت کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس پُراسرار شہر کا نام و نشان ہی مٹا دیا۔ (ختم شد)